ویت نامی ناول

خونِ خاک نشیناں

ڈیونگ تھو ہیونگ

ترجمہ: یونس منصور

مشعل

MashalBooks.org

خون خاک نشیناں

ویت نامی ناول

ڈیونگ تھوہیونگ

ترجمہ: یونس منصور

MashalBooks.org

خون خاک نشیناں

ڈیونگ تھوہیونگ

ترجمہ: یونس منصور

کاپی رائٹ اردو© مشعل بکس 2001
کاپی رائٹ انگریزی© ڈیونگ تھوہیونگ 1995

مشعل بکس
آر بی 5 عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور۔54600، پاکستان

MashalBooks.org

MashalBooks.org

4

رات بھر دل دہلانے والی شوریدہ سر ہوائیں مجھے ڈراتی رہیں، وہ بین کرتی ہوئی آتیں اور آہیں اور سسکیاں بکھیرتے ہوئے کہیں اور چلی جاتیں۔غم اور اداسی کے بوجھ سے میرا دل بیٹھنے لگتا میں گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتا ٹمٹماتے ہوئے دیئے کی مدہم سی لو بھی میری آنکھوں میں چبھنے لگی تو میں نے اسے بجھا دیا۔ رات کچھ اور تاریک ہوگئی تھی میں سوچنے لگا اے کاش کہ میں بھی رات کی پراسرار اور اتھاہ تاریکی میں ڈوب جاؤں کھو جاؤں اور بے نام ونشان ہو جاؤں سونا تو ممکن نہیں تھا میں دعا کرنے لگا پیاری بہنو، اچھی بہنو، اے وہ کہ جو یہاں انسانوں کی طرح زندہ رہیں اور انسانوں کی طرح دکھ، سہتی ہوئی اس دنیا، کبھی نہ سمجھ میں آنے والی دنیا سے رخصت ہوگئیں ہمارے لئے دعا کرو کہ ہمارے کھوکھلے اور بے روح جسموں میں جان پڑ جائے ہماری روحیں تابناک ہوں اور ہم جنگ جیت جائیں امن قائم ہو، ہم جنگ جیت جائیں تو سچ جانو کہ ہم تمہیں تمہارے باپ دادا کی سرزمین میں لے جائیں گے اور تمہاری راکھ تمہاری پانیوں میں بکھر دیں گے۔

دو ہفتوں کی بات ہے ایک روز صبح سویرے میں لین کی پلاٹون کے ساتھ جنگل گیا ڈھلتی دو پہر کو ہم وہاں سے واپس آئے تو گھاٹی پر گدھ جمع ہو چکے تھے انہوں نے ایک دائرہ سا بنا لیا تھا اور اوپر تلے جھپٹ رہے تھے ان کی مکروہ چیخوں نے فضا کا سکوت غارت کر دیا تھا لین اچانک رک گیا" یہاں کوئی جانور ہے مرا ہوا، بدبو آ رہی ہے"

بدبو تو واقعی آ رہی تھی ہم کچھ دور گئے تو بدبو اور زیادہ ہوگئی کسی نے رائے دی کہ واپس چلتے ہیں مگھر لین کا کہنا تھا کہ اور آگے چلیں۔

" کوئی آدمی بھی تو ہوسکتا ہے اور کیا پتہ کوئی ہمارا ہی ساتھی ہو"

"اچھا چلتے ہیں "میں نے کہا:

ہم اس مقام کی طرف بڑھے جہاں سے بو آ رہی تھی۔

"اوہ خدایا، ننگی لاشیں " کن درندوں نے ان کا یہ حال کیا ہے، ہم ان کے لباس سے جان سکتے تھے کہ وہ شمالی علاقے کی رہنے والیاں ہیں ہو نہ ہو یہ والنٹیئر ہیں یا موبائیل یونٹ جو بھول کر ادھر آ نکلی ہو۔

انہیں سپاہیوں نے قتل کرنے سے پہلے بے آبرو کیا تھا اور ان کے جسموں کے بعض حصے کاٹ کر گھاس میں پھینک دیئے تھے اور اس طرح جوان اور حسین جسم گلی سڑی لاشیں بن گئے تھے ان کے منہ، آنکھوں اور نتھنوں میں مکھیوں اور کیڑوں مکوڑوں کا ہجوم تھا۔

"خدا ستیاناس کرے ان کا، کمبخت ہر جگہ موجود ہوتے ہیں "ہمارے ایک ساتھی نے ناک پر رومال رکھتے ہوئے کہا۔

"چلو، انہیں دفن کرتے ہیں"

اور گدھ دائرہ بنا کر بڑے جارحانہ انداز میں منڈلا رہے تھے ان کی چیخوں سے وحشت ہوتی تھی گرمی سے دم گھٹ رہا تھا۔ ہم پسینے میں شرابور تھے اور ان بدنصیب لاشوں کی بدبو فضا میں بکھری ہوئی تھی گدھوں اور کیڑوں مکوڑوں سے لڑتے جھگڑتے ہم نے لاشیں جمع کیں اور انہیں دفنا دیا۔

ان کی جیبیں خالی تھیں ان میں کاغذ کا ایک پرزہ بھی نہیں تھا بالوں میں باندھنے کے لئے چند دھاگے اور بننے سنورنے کا معمولی سامان شاید انہیں پتہ تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ اپنے چاہنے والوں سے ضرور ملیں گی ہم نے لاشیں گڑھے میں ڈالیں تو کیڑے مکوڑے ایک ہجوم کی صورت ان پر حملہ آور ہوئے لین نے سوکھے پتے جمع کئے اور لاشوں پر ڈال کر انہیں آگ لگا دی لاشوں کے ساتھ کیڑے مکوڑے بھی جل رہے تھے۔

تھکے ہارے پسینے میں، نہائے ہوئے ہم شعلوں کے پاس کھڑے تھے اور بے بسی کے ساتھ جوان لاشوں کو آگ میں بھسم ہوتے دیکھ رہے تھے۔

جنگل سے جو سبزیاں ترکاریاں سمیٹی تھیں انہیں ہم نے دفع کیا اور سر جھکائے اداس کیمپ میں واپس آ گئے۔

اب ہمارے پاس کھانے کے لئے صرف چاول تھے اور نمک مرچیں یہ ہماری زندگی تھی اور اس زندگی کے لئے ہم کتنے کٹھن کام کرتے تھے ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ زندگی بھی، کہانی بن جائے گی۔

" کوآن اے کوآن"

لوئی مجھے پکار رہا تھا۔

" کیا تم سو رہے "اس نے بگڑ کر کہا۔

میں نے نیند کا بہانہ کر لیا اور چپ رہا دراصل میں سو نہیں سکا تھا۔ پوری رات میں نے پریشان خوابوں میں بھٹکتے ہوئے گذاری ایک بار مجھے احساس ہوا کہ میں ٹرین میں ہوں اور بار بار جھٹکے لگ رہے ہیں۔ٹرین جھٹکوں اور ہچکولوں کے ساتھ چل رہی ہے۔چل تو رہی ہے مگر کسی وقت بھی پٹڑی سے اتر سکتی ہے۔اس میں کوئی مسافر بھی نہیں ۔ ہے تو بس خوابوں کا ہجوم ہے او ہو تو ٹرین انسانوں کی بجائے خوابوں سے بھری ہوئی ہے۔خواب ہی اس کے مسافر ہیں اور میں دیکھتا ہوں طویل خط کئی صفحوں پر پھیلے ہوئے خط،جن پر کسی کا پتہ درج نہیں اور خالی ڈبوں میں لہراتے ہوئے سرخ سکارف اور گونگی بہری ٹرین جو اپنی دھن میں چلی جا رہی ہے پٹڑی کے دونوں طرف دور دور تک پھیلے ہوئے کھیت، جہاں تک نظر جاتی ہے کھیت ہیں مگر خالی ہیں کوئی ذی روح نہیں۔اچھا اگر انسان اور مویشی نہیں تو پرندے کیا ہوئے۔

میرا جی چاہا میں چیخوں، چیخ چیخ کر کہوں گاڑی روکو ایمرجنسی بریک لگاؤ مگر میں کہیں نہیں ہوں، بے نام بے ہیئت بے چہرہ، میری صورت جیسے ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے میری آواز گھٹ کر رہ جاتی ہے۔

" کوآن او کوآن"

پانی کی تہہ میں ایک زوردار دھماکا ہوتا ہے اور میں گہرائیوں سے ابھر آتا ہوں۔چمکتی دمکتی لہریں میرا جسم چھو رہی ہیں ان کے نازک ہلکے ہلکے تھپیڑوں سے میرا چہرہ تشکیل پا رہا ہے میرا چہرہ مجھے واپس مل گیا ہے مجھے محسوس ہوا کہ میں خوشی کے مارے مر بھی سکتا ہوں۔

" کوآن میرے بھائی اب جاگ بھی جاؤ"۔

مجھے شک ہوا کہ مجھ پر فالج کا حملہ ہوا ہے۔میرا دایاں بازو لگتا تھا سن ہو چکا ہے۔میں نے کمبل اوپر لینے کی کوشش کی۔

" کیا مصیبت ہے"

حد ہو گئی میں اب پانی کی گہرائیوں میں کھو کر معدوم ہو جانے والی کوئی شے تو نہیں ہوں یقینی اور واضح طور پر میرا دل ایک وجود ہے اور میں چلا چلا کر بتانا چاہتا ہوں کہ میں ابھی زندہ ہوں اپنے جسم کے ساتھ، اپنے دل اپنے دماغ اپنے پورے بتیس دانتوں، اپنی متعفن جرابوں اور اپنی کمر کے گرد لپٹی ہوئی بیلٹ کے ساتھ میں بالکل زندہ ہوں۔

MashalBooks.org

"اٹھ جاؤ میرے بھائی، سونے کے لئے ہمارے پاس بہت وقت ہے وہ کم از کم پچاس پونڈ کا تو ہوگا۔ جلدی سے اٹھو"۔

میں ہلا بھی نہیں لیوئی نے بہت منت سماجت کی "اٹھ جاؤ گوشت کھائے ایک زمانہ ہو گیا ہے۔ پہرہ دے دے کر ہمارے گھٹنے تھک جاتے ہیں کمزور ہو جاتے ہیں"۔ میں نے پھر کمبل تان لیا۔

"تم خود کیوں، نہیں چلے جاتے ؟"

"میں ذرا ڈرتا ہوں، تم آؤ میرے ساتھ، شوٹنگ میں کروں گا میرا نشانہ بہت اچھا ہے"

میں اٹھ کھڑا ہوا، "تم سے خدا سمجھے تم اتنی جلدی کیوں جاگ جاتے ہو"

"بھوکا جو ہوں جوتے پہنو بڑے بھائی اگر وہ بچ گیا تو بہت برا ہوگا"

لیوئی کی عادت تھی کہ جب کبھی مجھ سے کام لینا ہوتا تو مجھے بڑا بھائی کہنے لگتا میں نے جوتے اور جیکٹ پہنی اور اس کے پیچھے چل دیا۔

جنگل گہری دھند میں لپٹا ہوا تھا ہم چلتے تو درختوں کے ٹھنڈے نم آلود پتے ہمارے چہروں سے رگڑتے ہوئے راستہ دے دیتے سردی کے مارے میرا برا حال تھا۔

"اتنی تاریکی میں وہ کیسے نظر آئیں گے "میں نے کہا:

"چیف تم بھول رہے ہو کہ اس کمپنی میں میری نظریں سب سے تیز ہیں۔ لوئی ہنسا یاد کرو جب پہاڑ پر میں نے دو ہرن مارے تھے اور کردم بولا کی پہاڑی پر جنگلی بکرے کا شکار کیا تھا " تمہیں یاد نہیں کہ کردم بولا کی پہاڑی پر تم نے پہلی دفعہ۔۔۔۔۔۔۔"

وہ واقعہ یاد کر کے میں کانپ گیا میں اسے بھولا نہیں تھا مگر میں وہ بات یاد نہیں کرنا چاہتا تھا مگر لوئی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا وہ شرارت سے مسکرایا: "میرا حافظہ بہت اچھا ہے، ہے نا؟"

لوئی چلا گیا اور مجھے وہ سوپ یاد آنے لگا جو ماؤنٹ کردم بلا کے دامن میں پیا تھا۔ تمام سپاہی دائرے میں بیٹھ گئے تھے اور للچائی نظروں سے سوپ دیکھ رہے تھے اور نگٹن کے پنجے سوپ پر تیر رہے تھے۔ بچوں کے ہاتھوں کی طرح۔۔۔۔۔ کیا ہمارے بڑے واقعی بندر تھے؟ یہ سوچ کر میں کانپ گیا۔ میں بہت عرصہ پہلے شمالی علاقے کے بازاروں میں بڑے واہیات سوپ دیکھ چکا تھا دہکتے ہوئے کوئلوں پر سوپ بنانے والے بہت بڑے برتن اور ان میں ہر قسم کی بلائیں۔" گائے بھینس کے ٹکڑے، کلیجی، تلی اور گھوڑے کے پائے۔۔۔۔۔۔ انہیں دیکھ کر مجھے وحشت ہوتی تھی۔ میں کسی دوسرے ہی کلچر کی پیداوار ہوں بحرہ احمر کے دہانے پر غربت اور فلاکت کے مارے ہوئے لوگ۔۔۔ ہم کسی بڑی تقریب پر ہی گوشت چکھتے تھے اور جو لوگ اچھے کھانے بنا سکتے تھے ہم ان

MashalBooks.org

کے کمال فن کے بڑے مداح تھے اور نگٹن کے خیال سے مجھے ابکائی سی آنے لگی اور نگٹن بہت بڑے سائز کا بندر ہوتا ہے انسان کے ساتھ اس کی مشابہت میں کوئی کلام نہیں، وہ اپنی آنکھوں کے ذریعے دکھ درد، نفرت، غصہ مکاری اور تمسخر سارے جذبات کا اظہار کر سکتا ہے سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے ہاتھ ہمارے دو سال کے بچے کی طرح سفید اور ملائم ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

یہ ٹھیک ہے کہ ہماری کمپنی میں کئی اچھے نشانے باز تھے ہم اکثر شکار کو جاتے اور ہمیشہ ہرنوں مرغابیوں سے لدے واپس آتے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم ان علاقوں میں جا نکلتے جہاں بموں کے دھماکوں نے سب کچھ اجاڑ دیا تھا، دور دور کسی ذی روح کا پتہ نہیں ملتا تھا ایسی صورت میں ہمیں مہینوں کھانے کو گوشت نہ ملتا۔ یہاں تک کہ ہم اس کا ذائقہ بھی بھول جاتے، ایک عرصے تک ہمیں نمک مرچ والے چاول کھانے پڑے تو یار لوگ بندروں کی جان کو آ گئے۔

پہلی بار ہی اور نگٹن مار گرایا گیا اس مرتبہ صرف شکاریوں اور باورچیوں نے اس کا سوپ چکھنے کی جرئات کی دوسری بار کچھ اور لوگ شامل ہو گئے اور پھر ہر بار تعداد بڑھتی چلی گئی ! یہاں تک کہ آدھی کمپنی اس دعوت میں شریک ہوگئی۔ ایک ایک کر کے سب کو یہ لت لگ گئی پھر سبھی اس کے شکار کو بھی چلے جاتے مگر مجھ سے یہ سب کچھ نہ ہو سکا۔

سوپ سے ان کا جی بھر گیا تو انہوں نے اس سے لطف اندوز ہونے کے کچھ اور طریقے اختراع کئے کبھی سلاد بنائی کبھی کباب تیار کئے اور مجھے دعوت دی کہ انہیں چکھ کر دیکھو۔

"چیف تم اسے چکھو تو سہی۔ لذت میں جنگلی مرغ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی"

بات یہ ہے کہ ہم ایک گروپ کی صورت رہتے ہیں فرد کو گروپ سے کٹ کر زندہ رہنے کی اجازت نہیں گروپ کے مقابلے میں فرد کی رائے اس کی پسند ناپسند کی کوئی اہمیت نہیں ہیرو ہو کر بھگوڑا، معاف کر دینے والا ہو کہ بدلہ لینے والا، یہاں سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے میں جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن مجھے ان کے سامنے سر جھکانا ہی ہے ورنہ انہیں اپنی طاقت پر شک ہونے لگے گا۔

اسی رات لیوئی نے مزید ایک اور نگٹین مار گرایا جو کم و بیش 45 پونڈ کا تھا باورچیوں نے اس کے قیمے میں چٹ پٹے مسالے ملا کر مزیدار ڈش تیار کی اس کی ہڈیوں کا سوپ بنایا سب لوگ جمع ہو گئے اور سوپ کو للچائی نظروں سے دیکھنے لگے۔

"چیف، سوپ کا ایک کپ پیو گے ہمارے ساتھ " کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

MashalBooks.org

میں نے انکار کر دیا۔

ٹیو اصرار کرنے لگا بہت ہی مزیدار ہے ہرن کے سوپ سے بھی زیادہ، "میرا جی نہیں چاہتا۔ "میں نے کہا۔

"جی چاہنے کی بات نہیں ہے تم میں جرئات ہی نہیں"

ٹیو چمچے سے سوپ ہلاتا رہا۔ "ایک بار اسے چکھ لو گے تو پھر اس کے بغیر نہیں رہ سکو گے "

باقی سپاہی بھی اس کا ساتھ دینے لگے۔

"مرد بنو چیف، چکھو تو سہی شاباش شاباش"

"آؤ دوستو، اس بار چیف بچ نہیں سکے گا اسے سوپ لینا ہی ہوگا"

میں نے چمچے سے سوپ لیا اور حلق میں انڈیل لیا۔

"زندہ باد چیف زندہ باد"

وہ خوشی سے ناچنے اور برتن بجانے لگے۔ مجھے ایسا لگا کہ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی ہے میں غار سے باہر آ گیا۔

رات بھر تاریک تھی۔

اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا ہوا ندی پر پہنچا تو پہلا کام یہ کیا کہ بار بار منہ دھویا باہر سے اور اندر سے حلق میں انگلی ڈال قے کرنے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا، جو ہونا تھا سو ہو چکا، میں نے سوچا۔

منہ میں انسانی گوشت کے ذائقے کا خیال کر کے میں کانپ اٹھتا گھبرا کر میں نے سگریٹ سلگایا تو گپ اندھیرے میں ہلکی سی روشنی کوندگئی۔ میں لمبے لمبے کش لینے لگا دھوئیں کے مرغولے میرے چہرے سے لپٹ کر مجھے دلاسہ دیتے ہوئے اڑنے لگے۔

☆ ☆ ☆

میری عمر پانچ برس تھی۔

مجھے یاد ہے دور ایک پہاڑی پر پھول تھے اور کئی پھلوں کے پیڑ جن کی شاخیں پگوڈا کی بوسیدہ چھت پر جھکی ہوئی تھیں۔ شام تھی اور پہاڑی کے دامن میں، ایک دریچے سے ٹمٹماتی ہوئی روشنی باہر جھانک رہی تھی۔

ماما نے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا اور ہم آہستہ آہستہ پگوڈا کی سمت جا رہے تھے۔ ماما کا بچہ ہونے والا تھا اسے پہاڑی چڑھتے ہوئے بہت زور لگانا پڑتا تھا، جس کی وجہ سے وہ ہانپ رہی تھی۔

"تھیلا مضبوطی سے پکڑو ورنہ کپڑے اور کمبل باہر گر جائیں گے"

"جی، جی ماما "میں نے ذرا سختی سے کہا دراصل میرے سخت لہجے میں میرا خوف چھپا ہوا تھا،

میں نے اپنی ماما کو کبھی اس حالت میں دیکھا ہی نہیں تھا۔ میری ماما تو ہمیشہ جوان اور حسین تھی وہ ہنستی تو اس کے گلے میں چاندی کی گھنٹیاں بجتیں بچوں کی طرح مجھے وہ دن یاد ہیں جب ہم دونوں مل کر کھیلا کرتے تھے اور کھیل کھیل ہی میں، میں ماما پر ٹھنڈا پانی پھینک دیتا تھا، میری ماما مجھے پیار کرتی تھی اور میں اسے پوجتا تھا۔ ایک بار میں اس کے گلے میں باہیں ڈال کر جھول جاتا تو میرے سارے خوف بھاگ جاتے کوئی مجھے ڈرا نہیں سکتا تھا، پر چھائیاں نہ چیخیں اور نہ ہی گولی چلنے کی آواز سے میں خائف ہوتا تھا، مگر اس وقت اس کا چہرہ اتنا سفید ہو رہا تھا جیسے وہ مر گئی ہو۔

" کوآن، کوآن، جلدی، اچانک ماما چیخنے لگی "میں ٹوٹ رہی ہوں کوآن ۔۔۔۔ اوہ میرے خدایا، وہ پسینے میں شرابور تھی۔

میرے پاپا فرانس کے خلاف جنگ آزادی میں حصہ لینے چلے گئے تو ماما نے اس پگوڈا میں پناہ لی۔ یہاں گوتم بدھ کی پیروکار ایک خاتون رہا کرتی تھی۔ اس کے رشتہ دار اس کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔

میرے دادا دادی فوت ہو چکے تھے، میرے نانا نانی دنیا کی اس سرے میں رہتے تھے۔ جہاں جنگ نے فصلیں اجاڑ دی تھیں جہاں فرانس اور ویت منہ میں زبردست لڑائیاں ہوئیں، یہ سب مجھے ماما نے بتایا۔ اپنے دوسرے بچے کی پیدائش سے پہلے جب ماما نے جاب چھوڑ دی تو مجھ سے یہی باتیں کیا کرتی تھیں۔

ماما نے پیار سے مجھے گلے لگایا تو میں نے اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھا مجھے ایسا لگا کہ اندر کوئی چیز ہل رہی ہے۔

"تمہارا بھائی ہے "ماما نے ہنستے ہوئے کہا۔

بات میری سمجھ سے باہر تھی مگر مجھے لگا کہ کوئی بہت ہی قیمت چیز تھی۔

" کوآن، خیال رکھنا تھیلا کہیں گر نہ جائے"

"اچھا، اچھا "اچانک ماما گر پڑی۔ وہ ریت میں منہ دئے ہوئے تڑپ رہی تھی، پسینے میں بھیگ کر اس کے بال گردن پر چپک گئے تھے۔ بے چینی میں بار بار وہ گھاس زمین سے نوچتی اور پھینک دیتی۔ میں کانپنے لگا۔

"ماماما"

"وہ میں مر رہی ہوں "میں ماما کی پیٹھ سے لپٹ گیا۔

"میری ماما، مجھے اکیلا نہ چھوڑنا"

"میرے بچے"

ماما رینگتے ہوئے پورا زور لگا کر آگے بڑھی۔ یاد نہیں کہ پگوڈا کے اندر جانے والے تین

دروازوں سے ہم کیونکر گذرے یاد ہے تو وہ بس اونچے پتھروں والا زینہ جس پر بلا کی پھسلن تھی، بدھسٹ خاتون ہمیں باغیچے کے پیچھے ایک کمرے میں لے گئی، کمرے کا زینہ اور فرش گرد اور جھاڑ جھنکار سے اٹے ہوئے تھے۔ ماما بیڈ پر لیٹ گئی، بیڈ پر چیتھڑے اور کیلے کے پتے بستر کے طور پر بچھے ہوئے تھے۔

بدھسٹ خاتون کی آواز میرے کان میں گونجی۔

"تمہارا بھائی پیدا ہوا ہے تھر تھر کانپنے کی بجائے خوش ہو جاؤ"

"بدھ کی ثنا کرو، کتنا پیارا ہے، آؤ بچے آ کر اپنا چھوٹا بھائی دیکھو"۔ ٹرے میں رکھ کر ایک ننھا سا بچہ مجھے دکھایا گیا، چہرے پر بوڑھوں کی طرح جھریاں ہی جھریاں چند بال ماتھے پر چپکے ہوئے، ہوا میں پاؤں چلا رہا تھا اور میرے منہ پر بھی، مجھے تو اچھا نہیں لگا۔

"ڈرو نہیں میرے بچے، تمہارا چھوٹا بھائی ہے "ماما نے میری طرف مڑتے ہوئے کہا دائی اور ہماری میزبان ہنسنے لگیں میری ماما کو بھی ہنسی آ گئی مجھے اپنی ماما کی ہنسی بہت اچھی لگتی تھی۔

میں اپنا سگریٹ تقریباً پھونک چکا تھا اتنے میں میری نظر ایک بڑی سی چھپکلی پر پڑی گھنے درختوں میں پتہ نہیں، کہاں سے آ وارد ہوئی۔ مجھے اورنگٹن کے پاؤں کا خیال آیا اور میری طبیعت بگڑنے لگی۔ ایک بار پھر قے کرنے کو جی چاہا میں نے سگریٹ کا ایک اور کش لیا اور اپنے آپ کو سمجھانے لگا، نہیں اس کا اس سے کیا تعلق، خواہ مخواہ۔

مگر پھر دیکھا کہ میرے بھائی کے پاؤں ہوا میں چل رہے تھے سگریٹ کے دھوئیں کا ایک مرغولہ ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ میں نے سگریٹ کا آخری کش لیا اور اسے ندی میں پھینک دیا۔ میرے منہ میں جیسے زہر سا گھل رہا تھا۔

کیا چیز تھی جو دنیا کے اس پار جا کر کھو گئی۔

☆ ☆ ☆

" کس خیال میں ہو بڑے بھائی"

بڑے بھائی ! وہی پرانا نسخہ لیوئی پھر آزما رہا تھا۔

"میں کسی خیال میں نہیں ہوں "میں نے اکتا کر کہا:

"تو آؤ پھر باتیں کریں۔ ہم دونوں گم شدہ ریچھوں کی طرح بھٹک رہے ہیں، ہے نا دکھ کی بات؟"

"تم ہمیشہ مجھے بڑا بھائی کیوں نہیں کہتے کبھی چیف، کبھی کمانڈر، کبھی۔۔۔"

"مجھے خوشامد کرنا ہوتی تو ہے ظاہر ہے موقعہ کی مناسبت سے لفظ چنتا ہوں"۔ لوئی ہنسنے لگتا۔

"اوہو، تم سمجھتے ہو میں تمہاری خوشامد کی وجہ سے اپنا آرام حرام کرتا ہوں اور تمہارا جونیئر شکاری بن کر جنگل میں مارا مارا پھرتا ہوں"

"اچھا یہ تو مانتے ہونا کہ میں ایسی حرکتیں بہت چھوٹی۔۔۔ بڑی حقیر چیزوں کے لئے کرتا ہوں۔ اچھا سنو سامنے وہ جھاڑیاں ہیں نا، وہاں انہوں نے مائنز بچھا رکھی ہیں احتیاط کرنا"

صبح ہونے والی تھی۔ لوئی میرے آگے چلتا رہا اس کے بھاری بھر کم کندھے ذرا اندر کو مڑے ہوئے تھے اس کا قد چھ فٹ سے کم کیا ہوگا، اس تن و توش کے آدمی کو بہت اچھی اور بہت کافی خوراک چاہئے، مگر ہم نہ جانے کب سے روکھی سوکھی پر گذارہ کر رہے تھے۔

"ایک دفعہ مجھے میری مرضی کا کھانا پیٹ بھر کر مل جائے، کوآن دیکھو وہ چینی کا ڈبہ "اس نے بڑھ کر اٹھا لیا۔

"شرم نہیں آتی "میں نے اس سے ڈبہ چھین لیا" تمہارے ڈیل ڈول کا آدمی اور ڈبہ چاٹنا، حد ہے ندیدے پن کی، مجھے واقعی برا لگا۔

"اس ڈبے کو ایک بار پہلے بھی چاٹ چکے ہو"

"چاٹا کہاں تھا وہ تو اسے کھرچ رہا تھا "لوئی نے افسردگی سے کہا۔

اس نے ڈبا پکڑا اور اسے کھرچنا اور چاٹنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اسے ندی کے پانی سے بھرا زور سے ہلایا اور غٹ غٹ پی گیا۔

بھوک اسے تنگ کرتی تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے رات بھر اسے اچھے کھانوں اپنی پسند کے کھانوں، بہت سے کھانوں کے خواب آتے رہتے آنکھ کھلتی تو بھوک ہوتی، ٹھنڈے پسینے اور مایوسیاں ہوتیں۔

لیوئی بگڑا ہوا بچہ تھا وہ اپنے ماں باپ کا ایک ہی بیٹا تھا۔ اس کی ماں کے دھان کے چند کھیت تھے اور شاید کوئی چھوٹا کاروبار بھی تھا۔

تو لوئی کو کس بات کی فکر تھی، جب کھانے کو بیٹھتا چاولوں کی دس بارہ پلیٹیں صاف کر کے دم لیتا۔

"ذرا خیال سے کوآن میرے بھائی، اب ہم پہاڑی سے اتر رہے ہیں "ہم درختوں کی جڑیں مضبوطی سے پکڑتے اور ان کا سہارا لے کر نیچے پھسل جاتے، پھولوں کی رنگ برنگی بیلیں درختوں کے تنوں سے لپٹی ہوئی تھی اور پھولوں سے کیچڑ اور خون کی ملی جلی مہک آ رہی تھی۔

"یہاں بیٹھ کر یہ خوبصورت منظر دیکھو، اور ٹنگٹن سے میں نمٹ لوں گا وہ زندہ بچ کر نہیں جائے گا، درختوں میں بھٹکتا پھرتا ہے شاید بھوکا ہے"

میں ذرا آرام کرنے بیٹھ گیا، سورج کی کرنیں چھن چھن کر دھند میں سے آ رہی تھیں۔

میرے کندھے سردی سے ٹھٹھر گئے تھے مجھے سورج کی حرارت اچھی لگی۔

میری آنکھیں ندی کا پیچھا کر رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ درختوں کے جھنڈ میں ایک غار ہے کبڑی شاخوں نے اس کا منہ ڈھک رکھا تھا۔ اورنگٹن یہاں کیا کھانے آتا ہے؟

میرے بائیں طرف جو درخت ہے اس کا نام بے تاب ہے اس میں پیلے رنگ کا چھوٹا سا پھل لگتا ہے مگر بہت کم لگتا ہے خزاں میں بھورے پھولوں سے لد جاتا ہے۔ اس کے پھول زمین پر گرتے ہیں تو ان کی کثرت کی وجہ سے زمین پر قالین سا بچھ جاتا ہے پھولوں سے جی متلانے والی بو آتی ہے۔ کسی نے نہیں دیکھا کہ بے تاب پر ایک ہی موسم میں دو سے زیادہ پھل لگے ہوں۔ اس کا ذائقہ شروع میں تو اچھا لگتا ہے مگر بتدریج نشے کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے اور دل کی دھڑکن بے قاعدہ ہو جاتی ہے ڈراؤنے خواب آتے ہیں زندگی کا بھروسہ نہیں رہتا اور مرنے کو جی چاہتا ہے ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے ایک بار تو چکھے، لذت کے لئے نہیں صرف اسے جاننے کے لئے۔

تو کیا بندر بھی اس پھل کی تلاش میں یہاں آتے ہیں کیا انہیں بھی مرنے کی جلدی ہے کیا وہ بھی موت کے لئے بے تاب ہیں۔

لی اچانک پہاڑی پر نمودار ہوا، میں نے اس طرف دیکھا جدھر اس نے اشارہ کیا تھا، وہاں بے تاب کی شاخوں میں مجھے ایک سایہ سا متحرک نظر آیا۔ لگا کہ کوئی بھالو شاید شہد کی تلاش میں ہے، لی مجھے نہ ملنے کا اشارہ کر کے دھند میں غائب ہو گیا۔ ایک سایہ آگے پیچھے ہوتا رہا ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر جاتا رہا پھر اچانک سیدھا کھڑا ہو گیا اس کے ساتھ ہی گولی چلنے کی آواز آئی اور ایک چیخ چٹان سے ٹکراتی ہوئی فضا میں گونجی، میں کانپ گیا کیونکہ وہ چیخ کسی جانور کی نہیں تھی۔ لی بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔

" کوآن، کوآن"

" کیا ہوا ہے "میں خود سخت پریشان تھا۔

اورنگٹن کی آواز انسان کی آواز جیسی تھی۔

"اچھا، آؤ میرے ساتھ "۔

میرا رواں رواں کانپ رہا تھا میں لڑکھڑاتا اور ٹھوکریں کھاتا ہوا چلا، دھند ابھی بہت گہری تھی، ایک پیڑ سے ٹکرا کر میں گرنے والا ہی تھا کہ لی نے مجھے تھام لیا، "چیف چیف "اور ہم دونوں دھند چیرتے ہوئے آگے بڑھے تو ہماری نظر دو ٹانگوں پر پڑی ایک پاؤں پر جراب تھی جبکہ دوسرا جراب کے بغیر تھا، میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میں لی کو پیچھے دھکیلتا ہوا آگے بڑھا۔

وہ فین تھا ہمارا اپنا فین ہمیں دیکھ کر اس نے سر اٹھایا "لی، میرے بھائی تم نے غلطی سے مجھ پر

گولی چلادی، اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں"۔

اس نے مجھے دیکھا تو کانپتے ہوئے ہونٹوں سے کہنے لگا۔"چیف، مجھے سزا نہ دینا چند پیرا شوٹ جمع کرنا چاہتا تھا، اس لئے کہ۔۔۔۔"

اس کی زبان لڑکھڑائی اور گردن بائیں طرف لٹک گئی، میں نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا تو اس کی دھڑکن بند ہو چکی تھی، میں نے اس کا ایک بال لیا اور اس کے نتھنوں کے پاس رکھ کر دیکھا تو بال بالکل نہیں ہلا۔ لی زور زور سے رونے لگا اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا،"نہیں نہیں تم نہیں مر گے"۔اس نے اپنا سر فین کے سینے پر رکھا ہوا تھا۔

فین کی آنکھیں کھلی تھیں مگر خوشی یا غم کے اظہار سے محروم ہو چکی تھیں، صرف ایک منٹ پہلے کی بات ہے کہ اس نے ان آنکھوں سے مجھے دیکھا تھا۔ مجھ سے سزا نہ دینے کی بات کر رہا تھا مگر اب وہ ہر سزا کے خوف سے آزاد ہو چکا تھا۔

وہ اتنی دور آنے کے لئے یقیناً بہت جلدی اٹھا ہو گا، پیرا شوٹ کس لئے لے جانا چاہتا تھا، مجھے اس بات کی خبر کیوں نہیں ہوئی۔ ہم چاہے جنگل میں ہوں یا کسی گاؤں سے باہر کیمپ لگایا ہو، فین اپنے لئے کوئی بہت بری جگہ ڈھونڈ لیتا تھا۔ اس کے کام بھی عجیب تھے، کبھی جنگل سے لکڑیاں سمیٹ لاتا کبھی کیمپ کی صفائی پر لگ جاتا تھا، اس میں رقابت کا جذبہ بھی بہت شدید تھا کسی کو اپنی پسندیدہ لڑکی کے قریب پھٹکنے نہ دیتا، فین پیدائشی شہید تھا اسے جاننے والے کبھی اسے نقصان پہنچانے کا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے۔

لی اور زور زور سے سسکیاں لینے لگا، مجھے اسے ڈانٹنا پڑا۔ اس نے میری طرف دیکھا تو اس کا چہرہ خون اور آنسوں سے تر تھا،"اب رونے سے کیا فائدہ؟ تمہارا کورٹ مارشل ہو گا اور گولی تمہارے سینے کے پار ہو گی"۔

لی بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

"اپنا چہرہ صاف کرو اگر کورٹ مارشل ہی ہونا ہے تو بھی تمہارا یہ حلیہ مجھے پسند نہیں"۔

لی نے جیب سے پیرا شوٹ کا ایک ٹکڑا نکالا اور چہرہ صاف کرنے لگا۔

"تو اب تم کیا کرنا چاہتے ہو"۔

لی چپ رہا۔

" کچھ بھی ہو تمہیں فائرنگ سکویڈ کا سامنا تو کرنا ہے یا میں تمہیں شاید اسی وقت گولی مار دوں"۔

لی نے سر ہلایا اور میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔" گولی مارو بڑے بھائی، میرا انجام یہی تو ہونا ہے"۔

"چلو گولی مارو مجھے، اس طرح مرنا میرے لئے آسان ہوگا"۔

اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں روشنی پھیل چکی تھی۔ اب میں لی کا چہرہ صاف دیکھ سکتا تھا اس کے رخساروں پر جھریاں نمودار ہو چکی تھیں، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ لی کا جوان چہرہ ایک بوڑھے آدمی کے چہرے میں ڈھل چکا تھا۔ آنا فانا یہ کیسے ہو گیا۔ لی نے برسوں کی مسافت لمحوں میں طے کر لی، کیا پتہ میں کیسا لگ رہا ہوں، آدمی اپنی صورت تو نہیں دیکھ سکتا نا۔ مگر میرے پاس یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا، مجھے لگا کہ میں اور میری گن ۔۔۔شاید ہم دونوں اپاہج ہو گئے ہیں، دونوں پر فالج گرا ہے۔

"آنکھیں کھولو "لی نے آنکھیں کھول دیں۔

" کیا تم واقعی سمجھتے ہو کہ میں تمہیں گولی مار سکتا ہوں"

لی نے کوئی جواب نہیں دیا اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، "یہ واقعہ ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں جانتا کوئی نہیں چاہتا تھا کہ ایسا ہو اب ہم اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہیں گولی مارنے یا ساری عمر قید میں ڈالنے سے کیا حاصل ہوگا اور مجھے تمہاری ماں کا خیال بھی تو آتا ہے"۔

لی کی ماں بیوہ تھی، اس کی زندگی صرف لی سے تھی، اگر لی کو کچھ ہو گیا تو اس کی زندگی ہی اجڑ جائے گی، اگر لی کو سزا ہو جائے تو وہ پھانسی لگ جائے گی یا دریا میں کود جائے گی۔

بھرتی کے دنوں میں ایک بار اس سے میری ملاقات ہوئی تھی، ان دنوں لی کے گال لڑکیوں کی طرح سرخ تھے۔ لی ایک فربہ عورت کے پیچھے آ رہا تھا وہ عورت اتنی فربہ تھی کہ اس کے لئے چلنا محال تھا۔ وہ عورت لی کی ماں تھی، اس کی گارڈین، اس کی داسی، اس کی دوست اور اس کے لئے رحمت کا فرشتہ۔۔۔صرف لی ہی اس کا کل سرمایہ تھا اور اس کے لئے جینے کا جواز بھی۔

لی مسلسل رو رہا تھا، "چپ ہو جاؤ "میں نے ڈانٹ دیا۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم مرو گے تو تمہاری ماں خودکشی کر لے گی، اس لئے یہ واقعہ بھول جاؤ کیمپ میں بھی جا کر یہی ظاہر کرنا ہے، جیسے کچھ نہیں ہوا۔ دوپہر کو کھانے کے وقت میں کھیم سے کہوں گا کہ وہ حاضری لگائے۔ فین غیر حاضر ہو گا تو انکوائری ہو گی اور تلاش کرنے سے اس کی لاش مل جائے گی، اسی طرح جیسے ان لڑکیوں کی لاشیں ہمیں ملی تھیں۔

"بہتر تو یہی ہے کہ تم مجھے گولی مار دو اس واقعے کے بعد زندہ رہنا بہت مشکل ہوگا"۔

"ہوش میں آؤ، اگر یہ خبر پھیل گئی تو ہم دونوں مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ ہم غدار نہیں، بھگوڑے نہیں، اور نہ ہم نے جان بوجھ کر کسی کی جان لی ہے اور سنو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ وہ تمہیں گولی مار دیں گے مگر مجھے تمہاری ماں کا خیال آتا ہے اس بوڑھی عورت کا جو تمہاری محبت کے سہارے زندہ ہے۔

MashalBooks.org

دوپہر کے وقت حاضری لگی تو سوال اٹھا کہ فین کہاں ہے؟

"بھاگ گیا ہوگا"۔

"اس میں اتنی جرئات کہاں"۔

"اس جیسے لوگ ہی تو سکینڈل کی وجہ بنتے ہیں "سرگوشیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔فین کے سامان کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے پیراشوٹ کے کئی ٹکڑے نکلے۔

شام کو کھیم نے فین کی تلاش شروع کرائی تو عین اسی وقت مجھے ہیڈکوارٹر سے بلاوا آ گیا، میں لی کو ساتھ لے کر روانہ ہوگیا، رابطہ افسر تھوڑی دیر کے لئے ادھر ادھر ہوا تو میں نے لی سے پوچھا۔"فین اتنے پیراشوٹ کیوں جمع کرتا تھا کیا خیال ہے تمہارا؟

"پیراشوٹ تو سبھی جمع کرتے ہیں، ان سے سکارف وغیرہ بناتے ہیں،فین کا خیال تھا کہ وہ ان سے کاروبار کرے گا،اس کے گاؤں میں پیراشوٹ کے سکارف کا بہت فیشن ہے"۔

"تم یہ بات کیسے جانتے ہو"

"وہ کہا کرتا تھا کہ جنگ کے بعد ہم بے روزگار ہوجائیں گے تو کیا کھائیں گے۔بہتر یہی ہے کہ اس وقت پیراشوٹ کا کاروبار کریں انہیں بیچ کر اپنی روزی کمائیں،تمہیں پتہ نہیں کہ وہ کتنا غریب تھا۔اس کے ماں باپ فوت ہوئے تو دواڑھائی برس کی بہن بھی اسے پالنا پڑی، روزی کمانے کے لئے کئی کام کرنے پڑتے کبھی وہ ادھر ادھر سے چاول چوری کرلاتا اور کبھی مچھلیوں کی دیکھ بھال کے ذریعے روٹی کماتا۔وہ اپنی بہن پر جان دیتا تھا"۔

"رابطہ افسر واپس آ رہا ہے یاد رکھو، کسی کو پتہ چل گیا تو پہلے گولی میرے سینے سے پار ہوگی"۔

☆ ☆ ☆

میری ملاقات ڈویژن کمانڈر کی بجائے اس کے ڈپٹی سے ہوئی۔ہم دونوں بچپن کے دوست تھے عمر میں وہ مجھ سے دوسال بڑا تھا، لیونگ لمبا تڑنگا نوجوان تھا،اس کا چہرہ کتابی اور جبڑے مضبوط تھے اس کے ہونٹ ہمیشہ سرخ رہا کرتے تھے، دس سال کی جنگ اور ملیریا کے کئی حملوں کی وجہ سے ان کی سرخی کم ہوگئی تھی مگر اب بھی بہتوں سے بہتر تھے۔آج رات لیونگ مجھے کچھ بدلا ہوا لگا، کچھ کھانے پینے کے بعد اس نے کہا کہ آؤ دونوں ندی میں نہائیں "نہانے کا یہ کوئی وقت نہیں نمونیہ ہوجائے گا ویسے بھی میں کل نہایا ہوں"۔

"میرے ساتھ آؤ، کچھ باتیں کرنی ہیں "اس نے آہستہ سے کہا۔

میرا دل ڈوب گیا کیا اسے پتہ چل گیا ہے، ناممکن، اس کے لئے تو اسے غیب کا علم ہونا چاہئے بموں کی بوچھاڑ،قحط اور قتل عام میں کوئی غیب دان پاگل ہی ہوگا، جو یہاں رہے گا۔

ہم جب کیمپ سے نکلے تو رات ہونے والی تھی،تقریباً تین سو گز کے فاصلے پر جا کر جنگل ختم

ہوا جنگل سے آنے والی تازہ ہوا، میں ہم نے گہرے سانس لئے اور پہاڑی سے نیچے اترنا شروع کیا، راستے میں کئی رنگوں کے پھول پتیاں بکھرے ہوئے تھے، جھاڑیاں ندی کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھیں، جب ہم پانی کے قریب پہنچ گئے تو لیونگ نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم بہت دیر خاموش بیٹھے رہے ندی کا پانی تقریباً خشک ہو چکا تھا لیکن کہیں کہیں وہ چمک کر اپنے ہونے کا ثبوت دے رہا تھا۔

"جلد ہی تاریکی پھیل جائے گی"۔

"ہاں"۔

اس نے سگریٹ کے دو لمبے کش لئے اور کہنے لگا۔

"سنو کوآن، تمہیں اپنا گاؤں یاد نہیں آتا"۔

"بہت یاد آتا ہے"۔

"خاص طور پر اپنا دریا، جب کبھی میں اس جیسی ندی دیکھتا ہوں، تو میرا خیال اپنے دریا کی طرف جاتا ہے اور میرا حال اس وقت اور بھی برا ہوتا ہے جب چین بونگ پر نظر پڑتی ہے۔ تم اس راستے سے کبھی گذرے ہو؟

"ایسا کون سا سپاہی ہے جو اس دریا سے واقف نہیں"۔

"بہت شاندار دریا ہے"۔

"ہاں بہت شاندار ہے، مگر کیا یہی بتانے کے لئے تم مجھے یہاں لائے ہو"۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور دوسرا سگریٹ سلگا لیا۔

"میں نہیں چاہتا کہ سپاہی ہماری باتیں سنیں کیونکہ جنگ کا زمانہ ہے"۔

"وہ تو ہے"۔

ہم دونوں ایک ہی دن فوج میں شامل ہوئے تھے، دس سال بعد لیونگ سٹاف افسر بن گیا، وہ عہدے کے لحاظ سے مجھ سے سینئر تھا۔ اس نے وہ مصیبتیں نہیں دیکھیں جو میرا مقدر بنیں۔ اسے اپنا خیال رکھنا آتا تھا اور اپنے جذبات پر بھی اسے اختیار حاصل تھا۔ ہم دونوں فوج میں نئے بھرتی ہوئے تھے۔ ایک روز نشانہ بازی کی مشق کے دوران میں ایک انسٹرکٹر نے لیونگ کو چانٹا مارا۔ یہ دیکھ کر میرا خون کھول گیا۔ میں اس انسٹرکٹر پر حملہ آور ہونے ہی والا تھا کہ لیونگ نے مجھے روک دیا۔ انسٹرکٹر لیونگ کو گالیاں بکتا اور دھمکیاں دیتا رہا۔

اس شام سینما سے واپسی کے بعد میں نے دیکھا کہ لیونگ تنہا بیٹھا زاروقطار رو رہا ہے اور اس کے بستر پر ایک چمچہ پڑا ہے۔ جسے اس نے غصے میں توڑ مروڑ کر پھینک دیا تھا۔

دس برس گذر گئے، اب وہ ہیڈ کوارٹرز میں کمانڈر کا ڈپٹی تھا۔ اس کے افسر اسے عزت کی نگاہ

سے دیکھتے تھے اور انہیں اس پر پورا اعتماد تھا۔ اس کے ہمرتبہ افسر اس سے حسد کرتے، جبکہ عام سپاہیوں میں بھی اس کا چرچا رہتا۔ سب لوگ جانتے تھے کہ ایک روز لیونگ ہیڈ کوارٹر میں اعلیٰ مقام پائے گا۔ کیونکہ وہ ایک پیشہ ور سپاہی تھا، س کے مزاج میں انکسار تھا اور انکسار کو جنگ میں اعلیٰ خصوصیت اور خوبی سمجھا جاتا تھا۔

ڈوبتے سورج کا عکس ندی میں نمایاں تھا، جھاڑیاں پھیلتی ہوئی تاریکی کی وجہ سے اور گھنی لگ رہی تھیں اور لیونگ اپنی ٹھوڑی ہاتھ سے رگڑتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

میں نے بائن کی وجہ سے تمہیں بلایا ہے"۔

" کیا مطلب؟"۔

وہ اپنی تھوڑی رگڑتا رہا، اس کا جبڑہ مضبوط اور چوکور تھا، مجھے یاد آیا کہ جن دنوں اس نے داڑھی بڑھالی تھی تو کتنا خوش شکل لگتا تھا۔ اس کی داڑھی کارل مارکس سے مشابہ تھی۔ کارل مارکس ہمارے سکول کی کتابوں کا موضوع تھا، اس کا خیال ہر روز ہماری ہمت بڑھاتا اور ہمارا عزم راسخ کرتا۔

لیونگ نہیں جانتا تھا کہ اس کی داڑھی نے اسے سب پر برتری دی ہے اور اس سے اس کی شان دوبالا ہوئی ہے۔

"بائن پاگل ہو گیا " کل وہ لوگ مجھے بتانے آئے تھے۔

"تم کیا کہہ رہے ہو، بائن پاگل ہو گیا ہے، ناممکن، بھلا یہ کوئی ماننے والی بات ہے۔ میں چیخنے لگا۔

"آرام سے آرام سے، جو یہ خبر لائے ہیں، وہ معتبر لوگ ہیں، بائن کو سب سے الگ رکھا گیا ہے۔ ابھی یہ فیصلہ ہونا باقی ہے کہ کیا واقعی اس کے دماغ میں کوئی خرابی ہے۔ اگر یہ ثابت ہوا تو اسے کسی نفسیاتی ہسپتال میں جانا ہوگا۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔ اگر یہ ہونا ہی تھا تو اس وقت ہوتا جب اس پر ملیریا کے کئی حملے ہوئے تھے، جن کی وجہ سے اس کا دماغ تقریبا خراب ہو چکا تھا"۔

لیونگ خموش ہو گیا، اسے اپنے خیالات چھپانا آتے تھے، مگر میری طرح اسے بھی اس خبر کی صداقت میں کچھ شک تو ہوگا۔ ہم تینوں بچپن کے دوست تھے ہم اکٹھے بھینسیں چراتے، مچھلیاں پکڑتے اور آپس میں کشتی لڑتے تھے، ایک ہی سکول میں پڑھتے تھے اور اپنے ٹیچر باک کا نام پاگل باک رکھ چھوڑا تھا، جس پر وہ ہمارے کان مروڑتا اور مختلف سزائیں دیتا۔ بائن میرے گھر سے تین گھر پرے گاؤں کے کنارے رہتا تھا، وہ میرا ہم عمر مگر قد میں مجھ سے لمبا تھا، اس کا وزن 155 پونڈ تھا، اتنا زور والا تھا کہ 442 پونڈ دھان بانس سے لٹکا کر کندھے پر رکھ لیتا۔

MashalBooks.org

بھرتی کے دن ہمیں ایک جیسی خوشی ہوئی تھی۔ سرخ جھنڈوں نے کمیٹی کے احاطے میں روشنی سی پھیلا دی تھی اور ہم دیواروں پر لکھے سلوگن پڑھ رہے تھے۔

"اپنے ملک کے لئے مجاہدوں کو سلام تئین کے نوجوان اپنے بزرگوں کی روایات کے امین ہیں۔ ان کے نا قابل شکست ارادوں کو سلام"۔

صبح سے دو پہر تک فوجی بینڈ پر جنگی ترانے بجتے رہے، ہماری عزت افزائی کے لئے گاؤں کی سب سے حسین لڑکیاں جمع کی گئیں جنہوں نے گلابی اور نیلے سکارف پہن رکھے تھے اور گا رہی تھیں۔

"الوداع میرے حبیب اس یقین کے ساتھ جاؤ کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں"۔

ہم لائن بنا کر روانہ ہو گئے ہماری مائیں زار و قطار رو رہی تھیں، رو رو کر ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں بعض کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں آہیں اور سسکیاں تھیں کہ تھمنے کا نام نہ لیتی تھیں مگر ہماری مائیں اپنے اوپر جبر کر کے ہنس بھی رہی تھیں کہ گاؤں کے چوھدری برا نہ مان جائیں۔

"جی انکل ہمیں فخر ہے کہ وہ جنگ کرنے جا رہے ہیں"۔

"ہم بہت خوش ہیں کہ ہمارے بہادر بیٹے۔۔۔۔"

پھر وہ ہمارا نعرہ دہراتیں "ایک ہاتھ میں ہل اور دوسرے میں رائفل، محاذ پر ہم اپنے پیاروں کی شان بڑھائیں گے۔

میں آٹھ برس کا تھا، جب میری ماں فوت ہوئی۔

مگر میں دیکھ چکا تھا کہ دوسری مائیں اپنے بیٹوں کی جدائی میں کس طرح رات بھر روتی اور سسکتی ہیں، ترسی ہوئی بے بس مائیں اور ان کی سوجی آنکھیں، میں دن کی روشنی میں اچھی طرح دیکھ چکا تھا اور ہم جوانی کے نشے میں سرشار، سمجھ رہے تھے کہ ہم شاندار مستقبل کی سمت قدم بڑھا رہے ہیں اور ہم خوش نصیب ہیں کہ کوئی بہت بڑا مشن پورا کرنے کے لئے چنے گئے ہیں۔

دوسری جنگوں کی طرح جارحیت کے خلاف یہ ایک اور جنگ نہیں تھی بلکہ ہمارے لئے نئے دوڑ کا آغاز تھا نئی زندگی کی نوید تھی۔ یہ کردار ادا کرنے کے لئے تاریخ نے ویت نام کا انتخاب کیا تھا۔ جنگ کے بعد ہمارا ملک جیت جائے گا ہماری قوم نئے امتیاز اور افتخار کے ساتھ جی سکے گی ہماری عزت ہو گی وقار ہو گا اور دنیا بھر ہماری عظمت کو سلام کرے گی۔

یہ ہمارے خواب تھے، جن کی خاطر ہم نے اپنی ماؤں یعنی اپنی کمزوریوں سے چھٹکارا حاصل کیا تھا۔

دس برس گذر چکے تھے، ہم سب چپ تھے مگر یہ باتیں بھولے نہیں تھے۔ جنگ جتنی شدید ہوتی، ہمیں روز اول کے خواب اور زیادہ یاد آتے۔ اپنی بے حسی پر رونا آتا تو وہ آنسو بہت یاد آتے

تھے جو ہماری ماؤں نے ہمارے لئے بہائے تھے۔ فتح حاصل کرنے کے لئے ہم نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔

لیونگ نے میری یادوں کا سلسلہ توڑ دیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم جا کر دیکھو کہ بائن کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، میں نے ڈویژن کمانڈر اور پولیٹیکل افسر کے نام خط لکھ دیئے ہیں۔ جب یہ معاملہ طے کر لو تو کچھ عرصے کے لئے رخصت پر چلے جاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ کل تم اپنی کمان کھیو کے حوالے کر دو، وہ برا آدمی نہیں ہے، میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری غیر حاضری میں وہ ٹھیک کام کرے گا"۔

میں حیران رہ گیا، مجھے رخصت پر بھیجنا تو میرے ساتھ بہت بڑی بھلائی تھی۔ میں نے اپنی خوشی چھپاتے ہوئے کہا، "بہت زیادہ سفر کرنا ہوگا چھٹی کا وقت ہی نہیں ملے گا"۔ "تم جاؤ باقی سب میں دیکھ لوں گا، سوائے اس کے کہ تم فرار نہ ہو جاؤ"۔ لیونگ ہنسنے لگا۔

"سنو لیونگ تم مجھے رخصت پر کیوں بھیج رہے ہو"۔

"بائن کی وجہ سے"۔

لیونگ اچانک کھڑا ہوا اور کیمپ واپس جانے لگا، میں بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چل دیا۔ راستے میں اس کی قمیض پکڑتے ہوئے پوچھا۔ " کیا خیال ہے لیونگ، جنگ لمبے عرصے تک جاری رہے گی"۔

لیونگ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"بات صرف تمہارے اور میرے درمیان ہے، بتاؤ کیا خیال ہے تمہارا "لیونگ رک گیا کچھ دیر خموش کھڑا رہا اور پھر چل دیا۔

اب ہم جنگل میں سے گذر رہے تھے، مرجھائے پھولوں اور پتوں کی مہک چار سو پھیلی ہوئی تھی، حبس کا عالم تھا اور تاریکی نے ہمارے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ لیونگ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر پوچھوں کہ۔۔۔ مگر میں رک گیا اب وہ پہلی سی بات نہیں رہی تھی، وقت ہم دونوں کے درمیان حائل ہو چکا تھا، اب ہم ایک جیسے نہیں رہے تھے، ننھے بچے نہ ہم رتبہ دوست۔

☆ ☆ ☆

دماغی لائن پار کرتے ہوئے مجھے انیس دن لگ گئے، بیسویں دن لائیزن ایجنٹ نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا۔

"اس وادی کے رستے تم تنہا جا سکتے ہو۔ راستے میں تمہاری ضرورت کی چیزیں تمہیں ملتی رہیں گی۔ مجھے کیمپ واپس جانا ہے۔ نفسیاتی جنگ کے ماہرین کا وفد میرا منتظر ہوگا۔ یہاں سے k زون تک کا رستہ واقع خطرناک ہے، لو یہ نقشہ پکڑو۔

"اچھا تمہارا شکریہ، ہم شاید پھر کبھی ملیں"۔

"ضرور ملیں گے میں واپسی پر تمہیں اپنے ساتھ لوں گا۔ میں بہت سخت جان ہوں۔ مجھے موت مشکل سے ہی آئے گی۔ میں پہلے ہی بموں کے تین سو پچاس حملوں کا سامنا کر چکا ہوں"۔

اپنے تھیلے میں سے میں نے گوشت کا ایک ڈبہ نکالا اور لیزن ایجنٹ کو پکڑا دیا"یہ آخری ہے تم لے لو"

اس نے بڑی حیرانی سے ڈبہ دیکھا"عام سپاہی کے لئے تو یہ عیاشی ہے۔ اچھا پھر ملیں گے"۔

☆ ☆ ☆

سورج آگ کا انگارہ بنا ہوا تھا لائزن ایجنٹ درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گیا تو میں نے اپنے آپ کو گھاس پر گرا دیا۔ ٹھنڈی اور سبز گھاس دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس پر لوٹنے سے میری آنکھوں کی حدت اور جسم کی تھکاوٹ دور ہوئی تو میں نے اپنے آپ کو ایک ایسی کیفیت کے سپرد کر دیا جسے میں عرصہ ہوا کہ فراموش کر چکا تھا، آخر مجھے جنگلوں کی جان لیوا گھٹن سے نجات تو ملی۔

میرے اوپر پھیلی ہوئی آسماں کی بے کراں وسعت، میرے سامنے سر سبز و شاداب کیاریاں، ہری بھری گھاس کا دور دور تک پھیلا ہوا فرش اور بچپن کی یادیں۔

☆ ☆ ☆

پاگل باک، میرا ٹیچر، میرے کان کھینچ رہا ہے۔

"ہوا سرد ہے چاند تنہا ہے اور گانٹ، میری نازک اندام محبوبہ، دور کی سرزمینوں میں اداس اور مایوس بھٹک رہی ہے، بچو اسے یاد کرو اور دوسری مثال سنو، ویت نام اے حسین سرزمین، اے چار ہزار سال پرانے کلچر کی امین، ہمارے محنت کش ہاتھوں کا انتظار کر، یہ سبق کا پہلا فقرہ ہے ویت نام میرے وطن، سمجھ میں آیا؟ نہیں میں تمہیں نہیں پیٹوں گا ورنہ تمہاری ماں روئے گی۔

☆ ☆ ☆

میں اپنا چہرہ زمین پر رگڑتا ہوں، "میرے استاد، میرے رہنما، مجھے اپنا سبق یاد ہے"۔

میں پاؤں پھیلائے گھاس پر لیٹا ہوں اور میری نظریں گہرے نیلے آسمان پر جمی ہیں سورج کی حدت آہستہ میری سارے وجود میں سرائیت کر رہی ہے۔ سورج گویا روشنی کا سیلاب بن کر میرے پاس آیا ہے۔ کتنی ہی پیاری صورتیں، کتنے دلفریب مناظر، بیزار کرنے والے لمحے آنسو اور قہقہے، میری یادوں میں ابھر آئے ہیں۔ میں جانتا ہی نہیں تھا کہ آزادی کیا ہوتی ہے، خوشی کسے کہتے ہیں، مگر کہنے نہ کہنے سے کیا ہوتا ہے لفظوں کا کیا بھروسہ، وہ کب ہاتھ آئیں اور کس لمحے

بکھر جائیں مگر یہ دلفریب گھاس اور میرے اوپر پھیلا آسمان فریب نظر نہیں، حقیقت ہے۔

میں بہت دیر تک اسی طرح لیٹا رہا۔ حدت بڑھ رہی تھی دھند کے بادل چھٹ رہے تھے اور گھاس کا رنگ بھی بدل گیا تھا۔ فضا میں کسی جہاز کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ کوئی پرواہ نہیں کہیں پناہ لینے کہیں چھپنے کی ضرورت نہیں، گولی لوگوں تک آنے میں غلطی کرسکتی ہے، مگر لوگ آتی ہوئی گولی سے نہیں بچ سکتے، گھاس کے فرش پر میں نے ایک نظر ڈالی دس برس سے میں اس حسن اس روح پرور شادابی سے محروم ہوں، مگر کیا یہ معجزہ نہیں کہ زمین کے اس خوبصورت خطے نے کئی ہوائی حملوں کا سامنا کیا مگر مسخ نہیں ہوا۔ جہازوں کا ایک اور حملہ ہوا مگر میں اونچی گھاس میں بیٹھا رہا، حملہ آور جہاز جنوب کی سمت چلے گئے تھے، جانے سے پہلے انہوں نے زمین پر بموں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔

کچھ کھا پی کر میں روانہ ہوا تو مجھے گھاس کے ایک وسیع سمندر سے گذرنا پڑا شام تک میں ایک فٹ پاتھ پر پہنچ گیا تو ایک بورڈ دیکھا جس پر "پناہ " لکھا تھا، تین چار سو قدم چلنے کے بعد فٹ پاتھ ایک احاطے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

" کوئی ہے؟"۔ میری آواز سے جنگل کا سکوت ٹوٹ گیا۔

"ایک منٹ ٹھہر جاؤ"۔

فوراً جواب ملنا خوش نصیبی کی بات ہے، میں نے رومال سے اپنا منہ صاف کیا اور انتظار کرنے لگا۔ دس منٹ گذر گئے۔ کچھ دیر بعد بھاری قدموں کی آواز آنے لگی، ایک سایہ سا چلتا ہوا میری طرف آرہا تھا۔ تاریکی پھیل چکی تھی، اس لئے میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا اسے سلام کر کے میں نے کہا۔

"میں محاذ کی تیسری لائن سے آیا ہوں، یہاں ایک رات کے لئے مجھے پناہ مل جائے گی، صبح میں چلا جاؤں گا"۔

"تم مفرور بھی ہو سکتے ہو۔ مجھے اپنے کاغذات دکھاؤ "اس نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں مفرور نہیں ہو، میں مغرور نہیں ہوں، مجھے کسی کام سے "K" زون جانا ہے، یہ میرے کاغذات ہیں"۔

اس نے روشنی میں کاغذات دیکھے تو میری نظر اس کی صورت پر پڑی۔ پھنسیوں سے اٹا ہوا بھدا چہرہ موٹے موٹے ہونٹ اور اس کے میلے دانت، اس نے اچانک ٹارچ بند کی تو پھر اندھیرا ہو گیا، اس نے میرے کاغذات واپس کرتے ہوئے کہا۔ "میرے پیچھے آؤ بڑے بھائی"۔

ایک عورت مجھے کمرے کی طرف لے جارہی تھی۔

"احتیاط کرنا۔ لاؤ کائی سے آیا ہوا، ایک مہمان کچھ دن پہلے یہاں گرا تو اس کے چار دانت ٹوٹ گئے"۔

"شکریہ کامریڈ"۔
لکڑی کے ایک دروازے سے ہم اندر داخل ہوئے۔
"ایک منٹ ٹھہرو، میں نے لائٹر یہیں کہیں رکھا تھا "وہ ٹٹولتے ہوئے بولی یہ رکھا ہے یہاں"۔
اس خاتون نے ایک اور لیمپ جلایا تو ہر طرف روشنی پھیل گئی۔"روشنی بہت زیادہ ہے جہاز ہمیں آسانی سے نشانہ بنا سکتے ہیں"۔
"ہرگز نہیں، ہم یہاں بالکل محفوظ ہیں"۔
وہ کمرے کے پیچھے چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد گولہ بارود کی خالی پیٹیاں لئے واپس آئی، کامریڈ تم کیا کر رہی ہو"۔
"تمہارا بستر۔ جتنی پیٹیاں چاہو میں لا دیتی ہوں"۔
"شکریہ " مگر میرے پاس میرا اپنا بندوبست ہے میرا ہیمک ۔۔۔۔"
"ہیمک، جب تک تم یہاں ہو ہیمک میں سونا بے وقوفی ہے، ہیمک جنگل کے لئے ٹھیک ہے"۔
اس نے پٹیاں جوڑ کر ایک ہموار سطح بنا دی۔
مجھے لکڑیاں لانے کے لئے غار میں جانا ہے"۔
" کیسی غار"۔
"اس عمارت کے پیچھے ہے، ایک طرح کا سٹور ہے "وہ تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی، اس کا بھاری بھرکم جسم تاریکی میں غائب ہو گیا"۔
میں نے اپنی رائفل کمرے کے کونے میں رکھی اور بیڈ پر بیٹھ گیا، میں تھک کر چور ہو چکا تھا، لکڑیوں کا گٹھا لئے وہ خاتون دروازے میں پھر نمودار ہوئی۔
میں نے روشنی میں اس کی شکل دیکھی تو کانپ اٹھا اتنی بھیانک!
"میں ایک برتن میں چاول ڈال کر جا رہی ہوں، اسے آگ پر رہنے دو، مگر ان کا خیال رکھنا، میں دریا میں نہا کر جلدی آ جاؤں گی"۔
"یہ وقت ہے نہانے کا؟ "میں نے گپ اندھیرے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
"مجھے اس کی عادت ہے۔ کپڑے بھی دھونے ہیں"۔
اس کے لباس پر میری نظر پڑی۔"تمہارے لباس پر دھبے کیسے ہیں، کیا یہ خون ہے؟"
"ہاں خون کے دھبے ہیں، دوپہر سے اب تک میں تین لاشیں ٹھکانے لگا چکی ہوں"۔
" کیا مطلب ہے تمہارا"۔

"میں 22 قبرستان کی انچارج ہوں، اس علاقے میں لاشیں جمع کرنا میرا کام ہے، کچھ اجنبی اور نو دارد پہاڑی کے اس پار ہیں۔ وہ سب گوریلے ہیں، آج صبح کی بمباری میں تین گوریلے مارے گئے۔ مجھ اکیلی نے ان تینوں کو دفن کیا ہے"۔

اس نے مڑ کر المونیم کے برتن کا ڈھکنا ہٹایا، اس میں تھوڑا پانی اور ایک ڈبے سے نکال کر کوئی پاؤڈر ڈالا، "چاول دھونے نہیں ہیں ورنہ ان کی غذائیت جاتی رہے گی، پھر اگر تمہیں خارش کا مرض ہو گیا، تو سمجھو کام تمام ہوا۔ یہاں علاج معالجے کی بات نہ سوچنا"۔

اس نے بیڈ کے نیچے سے چند کپڑے نکالے اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ میں نے چیڑ کی ایک چھوٹی لکڑی لی اور آگ روشن کر لی اس پر چند اور لکڑیاں رکھیں اور برتن پر نظریں جما کر بیٹھ گیا۔ پانی کھولنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ کم ہو رہا تھا۔ جب تک وہ خاتون واپس آئے چاول پک چکے تھے۔ اس نے صاف کپڑے پہن لئے تھے، بال بنائے ہوئے، اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالی، " کوئلے " بکھیر دو ورنہ راکھ ہو جائیں گے"۔

اس نے اپنے گیلے کپڑے باہر تار پر جا کر ڈال دیئے۔ کمرے میں عجیب قسم کی بو پھیل گئی۔ میں نے بو سونگھنے کی کوشش کی تو اس نے سر ہلایا اور بال اپنے کندھوں پر ڈال لئے۔

" تین مہینوں سے مجھے صابن نہیں ملا۔ صابن کے بغیر خون کی بو سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں آگ تیز کرو۔ دھوئیں سے خون کی بو چلی جائے گی۔

دھند کمرے میں آ گئی تھی، کچھ ذرے تاریکی میں منڈلا رہے تھے۔ وہ خاتون میرے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کے چمکیلے نرم بال لہروں کی صورت اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے ایک چھوٹا سا برتن آگ پر رکھا اور اس میں بھی سبزی ڈال دی۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم سبزی بھی چکھو، آج صبح اس وقت مجھے کچھ سبزیاں مل گئی تھیں، جب وہ حرامزادے ہم پر بمباری کر رہے تھے"۔

اس نے برتن میں مٹھی بھر جنگلی مرچیں اور تھوڑا نمک ڈالا اور چمچے کے ساتھ اسے زور زور سے ہلایا۔

"سبزی اپنے برتن میں ڈال لو"۔ اس نے برتن آگ سے اتار کر کہا میں بچوں کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ اچانک وہ اٹھی اور غار سے گوشت کا ڈبہ لے آئی۔

"یہ چین سے آیا ہے۔ اس انڈسٹری میں وہ سب کے سرتاج ہیں۔ تم نے اسے چکھا تو ہوگا۔ اس میں چربی بالکل نہیں ہوتی"۔

میں نے ڈبہ پہچان لیا تو میرا دل ڈولنے لگا، یہ وہی ڈبہ تھا جو میں نے آج صبح لائیزان ایجنٹ کو دیا تھا۔

"یہ ڈبہ تم نے کہاں سے لیا؟"

اس نے مجھے حیرانی سے دیکھا۔"شاید تم نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا، مجھے کہا گیا ہے۔ کہ جو چیز بھی ہلاک ہونے والوں سے برآمد ہو تم اسے لے سکتی ہو۔تم دیکھنا، وہ درجنوں کپڑے اور رومال جنہیں وہ اپنی محبوباؤں کے لئے جمع کرتے رہے۔ ہر سپاہی دوسرے سے مختلف ہوتا ہے جہاں تک ان سے ملنے والی ڈائریوں کا تعلق ہے تو وہ زیادہ تر جھاڑیوں میں ہیں۔آؤ کھانا کھائیں مجھے بھوک لگی ہے"۔

اس نے گوشت کا ڈبہ کھول کر میرے سامنے رکھا ایک برتن میں چاول نکالے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اس میں رکھ دیا۔ جیسے بیویاں کرتی ہیں۔ میں نے منمناتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کر دیا۔مگر خیال ہے کہ وہ میری طرف سے گرم جوشی کی امید رکھتی تھی۔ہم دونوں خموشی سے کھانا کھاتے رہے اور وقت گذرتا گیا مجھے اس کا احساس لکڑیاں جلنے کی آواز سے ہوتا رہا۔"تم صرف سبزیاں کیوں کھا رہے ہو، گوشت کھانا کیا تمہاری شان کے خلاف ہے؟"

"وہ کچھ عرصے سے میرا پیٹ خراب ہے، اس لئے میں صرف چاول پر گذارہ کرتا ہوں"۔

اس نے میرے برتن میں کچھ اور چاول ڈالے رفتہ رفتہ ماحول دوستانہ ہو رہا تھا۔

"تم مرد کاہل ہوتے ہو، ورنہ جہاں سے تم آئے ہو وہاں سبزیوں کی کمی نہیں ہے"۔

تم سچ کہتی ہو، ہم مرد سپاہی واقعی نکمے ہوتے ہیں"۔

"اور ہمیں تم کیا کہتے ہو نسوانی سپاہی؟ کتنے حرامزادے ہو تم لوگ، ویسے تمہارا نام کیا ہے؟"

" کوآن، میرا نام کوآن ہے"۔

" کتنا پیارا نام ہے میرا نام وینگ ہے، چاول اور دوں؟ یا پیٹ بھر گیا ہے "جتنا کھاتے ہو، اس کے لحاظ سے تو تم جنگ میں کوئی نمایاں کام نہیں کر سکتے۔ میں تم سے دگنا کھاتی ہوں"۔

"تھینک یو کامریڈ"۔

"تھینک یو یہ تھینک یو وہ کیا منافقت ہے، کہیں تم ہنوئی کے رہنے والے تو نہیں ہو"۔

"میں ڈونگ ٹیین کا رہنے والا ہوں"۔

" مگر تم دیہاتی لگتے تو نہیں ہو۔ سچ یہ ہے کہ تم نے اپنی جڑیں کاٹ دی ہیں، یہ چاولوں کا جوس چکھو بہت اچھا ہے، برتن یہیں رہنے دو کل دھولوں گی۔ اب سو جائیں میں بہت تھک چکی ہوں"۔

اس نے اپنے حصے کا جوس پیا اور لیٹ گئی فوراً ہی خراٹے لینے لگی۔ اس کا سر ایک چھوٹے سے سفید تکیے پر ٹکا ہوا تھا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور دانتوں کا رخ آسمان کی طرف تھا۔ میرے دل میں اس کے لئے رحم اور خوف کے ملے جلے جذبات پیدا ہوئے۔ میں دروازہ بند کر کے اپنے بیڈ پر

MashalBooks.org

چلا گیا اور فوراً ہی سو گیا۔

میں گہری نیند سو رہا تھا کہ اچانک آواز آئی کوآن، کوآن، میں سمجھا خواب ہے۔ مگر جلد ہی کسی نے میری بیلٹ پکڑ کر مجھے جھنجوڑا۔ میں نے اندھیرے میں آنکھیں کھولیں تو ایک بھاری بھر کم سایہ میرے آس پاس منڈلا رہا تھا۔ میرے دل میں کئی وسوسے آئے مگر میں نے بہتر یہی سمجھا کہ آنکھیں موندے چپ پڑا رہوں جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

" کوآن "میں بہت تنہا ہوں کوآن آنکھیں کھولو، میری بات سنو"۔

مجھے آنکھیں کھولنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

"میں بتانا چاہتی ہوں کہ میں کتنی تنہا ہوں"۔

"وہ اس لئے کامریڈ ویگ کہ تم بالکل اکیلی رہتی ہو "میں نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا، نیند کا بہانہ کرنے کا بھی کیا فائدہ جب وہ مجھے مسلسل ڈرا رہی تھی۔

"میں سونا چاہتا ہوں، مجھے صبح پھر نئے سفر پر جانا ہے"۔

" کچھ دیر ہو سکے تو سو جاؤ "مجھ سے کہہ کر وہ لیٹ گئی اور جلد ہی خراٹے لینے لگی۔

میری نیند اڑ چکی تھی، میں نے آگ میں کچھ لکڑیاں اور ڈال دیں اور انہیں جلتے دیکھتا رہا۔

یہ عورت جنگ کے دور کی پیداوار ہے۔ ذہنی طور پر یہ اسی دور میں رہتی ہے اور اسی دور نے اس سے دغا کی ہے صرف اتنی سی بات نہیں کہ وہ بدصورت تھی اس لئے میں نے اس کی بات نہیں سنی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میں بزدل ہوں، میں اپنے آپ سے ڈرا ہوا تھا۔ میں سچ سے بھاگ رہا تھا، یہ جنگ دس سال سے جاری ہے اور میں اس کے کئی نشیب و فراز دیکھ چکا ہوں۔ فتح کی سربلندیاں دیکھی ہیں اور شکست کی ذلتیں بھی دیکھی ہیں۔ اس خاتون سے ملاقات شاید اس لئے بھی ضروری تھی کہ میں اپنے آپ کو بہتر طور پر سمجھ سکوں۔

مجھے دراصل شروع میں ہی مار پڑ گئی تھی۔ اٹھارہ سال کے جس بچے نے اپنے آپ کو جنگ کی آگ میں جھونکا تھا۔ وہ آج بھی بچہ ہی ہے کٹی ہوئی پتنگ کی طرح آوارہ، بے سمت اور فضا کی پہنائیوں میں کھو جانے والا بدنصیب بچہ۔ میں نے جنگ کی تمنا کبھی نہیں کی تھی، میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ ہری بھری فصلیں اجاڑ دی جائیں اور بچے قتل ہو جائیں۔

آگ کی روشنی تیز ہو کر کمرے کے کونے کونے میں پھیل گئی تھی۔ وہ خاتون سو رہی تھی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ سچے دل سے میں نے اسے دعا دی کہ وہ خوش رہے۔ یقیناً دنیا میں کہیں تو وہ لوگ ہوں گے جو اس خاتون کی طرح جنگ کی پیداوار ہیں اور یقیناً وہ اسے ایسی خوشی دے سکیں گے۔ جو اس کی شایان شان ہو۔

میں نے شکریے کے چند الفاظ اس ڈائری میں لکھے جس میں قتل ہونے والوں کے سامان

MashalBooks.org

کی تفصیل درج تھی۔ اپنا سامان اکٹھا کر کے ساتھ لیا اور وہاں سے چل دیا۔ صبح چار بجے کا عمل تھا۔ سردی کے مارے رات ٹھٹھری ہوئی تھی۔ میں نے نقشہ پر ایک نظر ڈالی اور اس کا موازنہ جب اپنے حافظہ میں محفوظ رستوں سے کر لیا تو تاریکی میں راستہ ٹٹولتا ہوا روانہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

بھوک کے مارے میرا برا حال تھا۔ کمزوری سے گھٹنے کانپ رہے تھے۔ دو دنوں سے جیسے میں ایک دائرے میں گھوم رہا تھا۔ ایک ایسی وادی میں جو سرخ پھولوں سے لدی ہوئی تھی۔ میں صبح سے چل رہا تھا اور لگتا تھا کہ میں وہیں آ گیا ہوں۔ جہاں سے چلا تھا۔ آدھے گھنٹے تک میں آرام کرتا رہا اور پھر ایک اور سمت میں روانہ ہو گیا۔

دو گھنٹے چلنے کے بعد میں پھر وہیں پہنچ گیا۔ جہاں سے چلا تھا تو یہ وادی کیا جادونگری ہے یا بد روحوں کا مسکن ہے۔

میں نے پھر ہمت کی اپنی آس پاس نظر دوڑائی اور کچھ سوچ کہ شمال کی جانب روانہ ہو گیا۔ سو قدم چلنے کے بعد میں نے پھر اپنے آپ کو سرخ پھولوں کے جنگل میں پایا۔ ان کے پودے دو دو گز اونچے تھے۔ مجھے جستجو ہوئی کہ اندر دیکھوں۔ میں نے پوری طاقت سے ایک بڑی جھاڑی کو کاٹا تو وہ دھڑام سے نیچے آ گئی۔ چند قدم آگے چل کر دیکھا۔ تو بڑے بڑے پتھروں کو احتیاط سے جوڑ کر رکھا گیا تھا۔ میں نے جھاڑی کی ٹہنیاں اٹھا کر ایک طرف پھینک دیں تو ایک گھر سا بنا نظر آیا جس کی چھت نہیں تھی۔ وسط میں دو درختوں کے درمیان ایک جھولا تھا۔ جس میں ایک انسانی ڈھانچہ پڑا تھا لگتا تھا کہ سو رہا ہے، اس کی ہڈیاں صحیح سلامت اور ان کا رنگ بالکل سفید تھا، تو یہ تم تھے میرے دوست، جس نے مجھے آگے نہیں جانے دیا۔

اس کے دانت سیدھے اور چمکدار تھے اور مسکراہٹ کا تاثر دیتے تھے ظاہر ہے کہ وہ دانت کسی نوجوان کے تھے جو میری طرح ہی اس پراسرار وادی میں کبھی بھٹکتا پھرا ہو گا، کوئی وقت آیا کہ اس کی طاقت جواب دے گئی اور آس ٹوٹ گئی ہو گی۔

وہ مجھ سے کہیں زیادہ ہمت والا، خوش شکل اور مضبوط ارادے کا مالک ہو گا، ورنہ اپنے لئے یہ اوپن ائیر مقبرہ کیسے تعمیر کر سکتا تھا۔ اسے کیونکر سوجھتی کہ وہ اپنے جسم کو جانوروں سے اس طرح محفوظ کر لے کہ وہ اسے بگاڑ نہ سکیں۔ کیا ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اس طرح موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکیں !

میں جانتا ہوں میرے دوست، کہ یہ جگہ کتنی ویران ہے، کتنی ویران اور کتنی بھیانک۔ ہم دونوں کی سزا ایک ہے لیکن اس کی سزا کے بعد ہم پر کیا گذرے گی اسے کوئی نہیں جانتا۔

دھند زمین پر اتر آئی اور میرے بازوؤں اور گلے سے لپٹنے لگی۔ میں نے بانسری کی آواز

MashalBooks.org

سنی، دیہات کی شام کا گیت ایک خواب ناک کیفیت کے ساتھ میرے کانوں میں آ رہا تھا۔

سورج پہاڑوں پر آ گیا ہے۔
دریا کا پانی چمک رہا ہے اپنی دائمی چمک لئے۔
آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مویشی واپس لوٹ رہے ہیں۔

یہ پرانا گیت پہلے مجھے کبھی اتنا اچھا نہیں لگا تھا۔ مرا ہوا نوجوان بدستور ہنس رہا تھا۔ اس کے بازوؤں اور ٹانگوں کی ہڈیاں تیر کی طرح سیدی تھیں۔ مجھے سکول کے زمانے کے وہ انسانی ڈھانچے یاد آنے لگے۔ جو پلاسٹر سے بنائے گئے تھے۔ ہمارا ٹیچر گھورتا ہوا ہمیں کہتا۔ "دیکھو، انہیں اچھی طرح دیکھو مگر انہیں چھونا نہیں ہے۔ غور سے دیکھ کر یہ جان لو کہ ہڈیوں کی ترتیب کی کیا صورت ہوتی ہے۔ کھوپڑی کی ہڈی، ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں، کو آن بدمعاشی نہ کرو"۔ ان کی ایک اور صورت ان کے دو ڈھانچوں میں سے ایک ڈھانچہ پچھلے سال ٹوٹ گیا تھا۔

وہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ میں نے انسانی ڈھانچہ دیکھا تھا۔ آج دوسرا موقعہ ہے۔ کہ اسے دیکھ رہا ہوں پلاسٹر کا ڈھانچہ تو یونہی سا تھا، مگر یہ ڈھانچہ بہت معقول لگتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہمارے ماں باپ اعلیٰ کوالٹی کی پیداوار کے اہل تھے۔

میں نے جھولے میں پڑے ہوئے ڈھانچے پر نظر ڈالی اور سوچنے لگا:

اس نوجوان نے رفتہ رفتہ اپنے ہوش وحواس کھوئے ہوں گے اور پھر اسے کیسا لگا ہوگا کہ جب اس کا خون گاڑھا ہو کر گوند کی شکل اختیار کر رہا ہوگا، جب اس کا خون سرخ سے بھورا ہو رہا ہوگا اور جب اس کی پوری زندگی ایک لمحے میں سمٹ کر ایک خواب کی طرح اس کے سامنے آئی ہوگی۔ اس نے امن کے خواب دیکھے ہوں گے، نفرت اور محبت کو سمجھا ہوگا اور اس کے بچپن کے خواب، اس دنیا سے جاتے ہوئے اس نوجوان کے خواب، ہی اس کے لئے آخری دلاسہ ثابت ہوئے ہوں گے، پھر دل کی شریانوں میں خون جمنا شروع ہوا ہوگا اور اس کے سارے خواب ٹوٹ کر خاک میں مل گئے ہوں گے۔

اس کے بعد چیلوں، کوؤں اور گدھوں نے کیسی دعوت اڑائی ہوگی۔ چیونٹیوں اور کیڑے مکوڑوں نے اس کے گوشت میں سے اپنا حصہ وصول کیا ہوگا۔ زور کی بارش کے ساتھ اس کی لاش سے ڈھل کر اترنے والے اجزا کھاد کی شکل اختیار کر گئے ہوں گے۔ تاکہ پھول پتیاں اس کے جسم کی کھاد سے مکمل غذائیت حاصل کر کے خوب پھلیں پھولیں۔ اس جسم سے کہ جو تخلیق کا شاہکار ہے۔

اس دھلے دھلائے انسانی پنجر نے ہنستے ہوئے گویا مجھ سے کہا: "میں ٹوٹ کر بکھرا نہیں ہوں، میں بالکل سالم ہوں، بالکل سالم اور عظیم الشان، کیوں دوست ہے نا یہ بات؟ "نائیلن کا

MashalBooks.org

جھولا اب بھی بڑی اچھی حالت میں تھا، ہماری پلاسٹکی تہذیب نے اس دور میں بڑے معرکے مارے ہیں۔

کچھ بھی ہو میرے بھائی، یہ تنہائی تمہیں مبارک ہو، مجھے تو ابھی بہت کچھ کرنا ہے، ایک نوجوان میری راہ دیکھ رہا ہے، کہتے ہیں وہ دیوانہ ہے اگر اسے نفسیاتی کیمپ میں بھیج دیا گیا تو سمجھو اس کا کام تمام ہوا۔ میرا باپ ابھی زندہ ہے اور میرا ایک چھوٹا بھائی ہے وہ بھی لڑنے چلا گیا ہے، کیا پتہ کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں تم ایک بہادر کی طرح جیئے ہو، میری دعا ہے کہ بہادری کی موت مرو۔

میرے دل کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا۔ مرنے والے کی روح نے ضرور میری باتیں سنی ہوں گی، مگر میرے اپنے گھٹنوں کا برا حال تھا، سردی کے مارے وہ لکڑی کی طرح سخت ہو گئے تھے۔ مگر نہیں ابھی کچھ اور بھی کرنے کو ہے کوئی ناتمام خواہش۔۔۔۔۔۔

ایک شخص جس نے اتنے وقار سے اذیت سہی ہو کوئی وجہ نہیں کہ اس نے اپنی کوئی مقدس نشانی، کوئی تبرک پیچھے نہ چھوڑا ہو، میں نے گھاس پیچھے ہٹائی، بیلیں کاٹ کر الگ رکھ دیں، جھولے کے پاس کھوپڑی کے بالکل نیچے ایک پتھر نظر آیا، میں نے دوسرے پتھروں کو آس پاس سے ہٹا کر زمین کھودنا شروع کر دی۔ تقریبا ۱۵۲ انچ گہرائی میں جا کر میرا چاقو نائیلن کی کسی چیز میں پھنس گیا، میں نے گڑھے کا منہ اور بڑا کر کے نائیلن کا تھیلا باہر نکالا، تو اس میں سے ایک مشین گن اور اس کی گولیوں کے دو اڑھائی پیکٹ نکلے۔ ایک کارڈ نکلا، جس پر لکھا تھا کہ جس کامریڈ کو بھی یہ بیگ ملے وہ مہربانی کر کے اسے میری ماں تک پہنچا دے، شکریہ۔ ان کا پتہ: میڈم ڈان تھی لو، عمر ۸۶ برس، ایم مو ہمیلٹ پھونگ کمیون۔

بیگ کے اندر تین وردیاں تھیں، ایک خزاں اور موسم سرما کے لئے، جبکہ دوسری موسم بہار اور گرمیوں کے لئے تھیں، ان کپڑوں میں ایک بڑی عمدہ بانسری بھی تھی۔ ایک ڈائری بھی تھی، جس میں جنگ کے متعلق اس کی یادداشتیں درج تھیں۔ پہلے صفحے پر ایک دیہاتی لڑکی کی تصویر تھی، جس کی صورت واجبی سی تھی، کوئی ایسی جوان بھی نہیں تھی، دوسرے صفحے پر ایک نوجوان کی تصویر تھی، جو بمشکل ۲۰ برس کا ہوگا۔ اس نے فوجی وردی پہن رکھی تھی، اس کی بھرپور امیدیں اس ہنسی میں سے پھوٹ رہی تھیں، جو تصویر بنواتے وقت اس کے چہرے پر بکھری ہوئی تھی۔ میری وہ تصویر جو بھرتی کے موقع پر میں نے اتروائی تھی، وہ اس نوجوان کی تصویر سے بہت ملتی جلتی تھی۔ وہ بینڈ کی پرکیف آواز ہوا میں سرور بن کر ناچ رہی تھی۔ ہمارے اردگرد ہر طرف سرخ جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ہم اس امید کے نشے میں جھوم رہے تھے کہ فتح ہمارے قدم چومے گی اور اس وقت کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے جب ہم محاذ جنگ پر روانہ ہوں گے۔ میں نے دیکھا کہ محاذ جنگ پر دھوئیں کے غبار میں ان بہادروں کے چہرے ابھر رہے ہیں جنہوں نے شاندار کارنامے سرانجام دیئے

MashalBooks.org

تھےاور جن کے سینوں پران کے میڈل جھول جھول کران کی کامیابیوں کی گواہی دے رہے تھے۔

میں زمین پر بیٹھ گیا اور اس فوجی کی وردی ٹٹولنے لگا۔ جگنوؤں کی ایک ٹولی نے میرے چہرے کے بالکل سامنے چکر کاٹنے شروع کر دیے، ان کی دمیں چمک رہیں تھیں، اچانک میری نظر ستاروں پر پڑی تو میں انہیں گننے لگا۔ بھوک بھی سخت لگی تھی، میں نے اپنا سر گھٹنوں میں دے کر آنکھیں بند کر لیں اور کوئی خوشگوار بات یاد کرنے کی کوشش میں لگ گیا، مگر وہی خیالات بار بار آنے لگے جن سے میں بھاگنا چاہتا تھا۔ وہی لیسدار چاولوں کی پلیٹیں، سویوں سے بھری ٹوکریاں اور نہ جانے کیا کیا۔ میری حالت لی جیسی ہو گئی تھی، آنکھوں کے سامنے کھانوں کی مختلف ڈشیں رقص کر رہی تھیں۔ بھوک میری نس نس میں سما گئی تھی۔ آخر میں ٹوٹ کر زمین پر لیٹ گیا اور مرنے والے کے چند کپڑے اوڑھ کر سونے کی کوشش میں لگ گیا۔ آہستہ آہستہ وقت میرے ہاتھوں سے نکل رہا تھا اور میں ہوش، بے ہوشی کے دوراہے پر حیران کھڑا تھا۔ کوئی ہاتھ میرے گال سہلانے لگا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو پتہ چلا کہ میرا سر مرنے والے کے بیگ پر ہے اور میں ٹانگیں پھیلائے ہوئے ہوں۔

سورج نکل آیا تھا۔ اس کی سکون پرور حرارت میں سے گویا زندگی پھوٹ رہی تھی۔ میرا جسم گرمانے لگا، خون پھر سے میرے جسم میں دوڑنے لگا، میرا دل ان یادوں کے بوجھ تلے دب گیا جو میری زندگی کا سرمایہ تھیں، دم گھٹنے لگا، مجھے محسوس ہوا کہ شاید میرے دل کی حرکت بند ہو جائے، ہمیشہ کے لئے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ زندگی مجھے بہت پیاری ہے، میں نہیں جانتا کہ میرا انجام، آخر کار کیا ہوگا، مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔

میں نے اپنے حواس جمع کئے۔ مجھے محسوس ہوا کہ میری طاقت واپس آرہی ہے۔ مجھے جینا ہے۔ ابھی اور جینا ہے۔ میں اٹھا تو میرا سر مرنے والے کی کھوپڑی سے ٹکرا گیا۔ "میرے بھائی، تمہاری کھوپڑی اتنی سخت ہے کہ میرے سر میں درد ہونے لگا ہے"۔

میں نے اپنی چیزیں اکٹھی کرنی شروع کر دیں، مرنے والے کی ڈائری زمین پر کھلی پڑی تھی، لکھا تھا: "ماں"۔ اور وہی چیخ میرے اندر بلکہ پوری وادی میں گونج اٹھی۔ سورج آنسوؤں اور دھند کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ "میری ماں میں مر رہا ہوں۔ میں اب کبھی گھر واپس نہیں آؤں گا۔ گھر کی چھت ٹھیک کرنے کے لئے تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہوگا"۔

میں نے اس کی ڈائری پر ایک اور نظر ڈالی۔ دراصل میں اور وہ انسانی پنجرہ اب ایک ہو چکے تھے۔ ہمارے مشترکہ دکھ اور شاید مشترکہ انجام نے ہمیں ایک کر دیا تھا۔ ہم دونوں ایک ہی عورت کے عشق میں مبتلا تھے، وہ عورت کہ جسے ماں کہتے ہیں۔

میرے تصور میں میری ماں کا دلآویز تبسم ابھرا۔ اس کے لمبے لہراتے ہوئے بال، خوشبو اور

پسینے کی ملی جلی مہک، سب مل کر مجھ پر چھا گئے۔

ڈائری میں نے کپڑوں میں رکھ لی، بانسری کو احتیاط سے پیک کر کے الگ رکھ لیا، میں نے اس کا بیگ اپنے بیگ کے ساتھ باندھ لیا۔ مشین گن اور اس کے کارتوس بھی لے لئے۔ "یہ کس حرامی کی ایجاد ہے؟ "میں نے سوچا۔

samh\lihsamd:\work\ edulcni$[2-hml]

یہ فائیل چیک ہو چکی ہو اس کا دوسرا پروف نکلنا ہے 14/7/01

مشین گن کا وزن اناج صاف کرنے والی مشین کے برابر تھا، کہتے ہیں کہ مشین گن کا وزن صرف پندرہ پونڈ ہے۔ بالکل غلط کہتے ہیں، اس نامراد کا بوجھ تو سو پونڈ سے بھی زیادہ لگتا ہے۔ کارتوسوں کا بوجھ الگ ہے۔ میں اسے کہاں لئے پھروں گا، میں نے مشین گن جھاڑیوں میں پھینک دی اور کارتوسوں کو ٹھڈا مار کر کہیں اور دفع کیا۔ کچھ عرصے میں زمین انہیں کھا جائے گی اور انسانی گوشت اور خون پر پلنے والے اس جنگل کی جگہ ایک نیا جنگل ابھر آئے گا، جس میں نئے خوش رنگ پھول کھلیں گے۔

"اچھا تو میں تم سے رخصت ہوتا ہوں، میرے بھائی"۔ میں نے جاتے ہوئے اس کے پنجرے پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ اب اس کی کھوپڑی مجھ پر مسکرا نہیں رہی تھی، بلکہ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔

"راضی برضا ہو جاؤ، زندگی اسے ہی کہتے ہیں"۔

آخر میں، ہم سب ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے، میں تمہارا سامان تمہاری ماں کے حوالے کرنے جاؤں گا، اگر بدقسمتی سے وہ اس دنیا میں نہ ہوئی تو میں اس کی قبر پر جاؤں گا اور تمہاری ڈائری الف سے ی تک اسے سناؤں گا۔ ایک لفظ بھی نہیں چھوڑوں گا کہ شاید اس کی روح تسکین پائے۔

ہم بیٹے اپنی ماؤں کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ جب وہ زندہ ہوتی ہیں تو انہیں اذیتیں دیتے ہیں، مر جاتی ہیں تو ان کی پرچھائیوں کو دلاسے دیتے ہیں۔

میں نے ٹوپی پہنی اور چل دیا، سہہ پہر تک ٹھیک ٹھاک چلتا رہا، وادی کا سفر ختم ہوا تو ایک وسیع علاقے میں قدم رکھا، اس علاقے میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں، جھاڑ جھنکار کی فراوانی تھی اور کافور کے درخت اگے ہوئے تھے۔ لگتا تھا کہ لاؤس کی ہوا ان پہاڑیوں میں بھی چل رہی ہے، ویسی ہی جھلسا دینے والی اور جسم کا پانی نچوڑ لینے والی ہوا۔

میں کھائے پئے بغیر، لڑکھڑاتا ہوا چلتا رہا۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ میں کتنی پہاڑیاں عبور کر

آیا ہوں۔سورج پہاڑیوں کے پیچھے چھپنے لگا تو اچانک ایک کمرہ سانظر آیا۔مجھ میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ کسی کو آواز دے سکوں، میں اس کی طرف بھاگا اور وہاں گر کر بے ہوش ہو گیا۔

"انکل اٹھو انکل!"

بار بار ننھی سی آواز میرے کانوں پر گونجتی رہی۔میں سونا چاہتا تھا مگر مجھے پکارنے والی آواز بھرا گئی تھی۔میں نے ذرا آنکھیں کھولیں تو دو دمکتی ہوئی ننھی آنکھیں مجھ پر جھکی ہوئی تھیں۔

"انکل مجھے ڈرانا نہیں انکل"۔میں کچھ پوچھنا چاہتا تھا، مگر میری زبان نے میرا ساتھ نہ دیا۔بچی سمجھ گئی۔"میں کتنی دیر سے تمہیں جگا رہی ہوں۔میری آواز بھی بیٹھ گئی ہے، تم اس طرح بے سدھ پڑے رہے، جیسے کوئی مر گیا ہو۔چلو خیر گزری اٹھو، اب کچھ کھاؤ پیو"۔

وہ بھاگتی بھاگتی گئی اور ایک پیالے میں چاول بھر کر لے آئی، ساتھ ہی ایک ٹوٹا ہوا چمچہ بھی تھا۔اس نے میرا سر اپنی گود میں لے لیا اور چمچے بھر بھر کر چاول میرے منہ میں ڈالنے لگی۔

"سفید چاولوں میں ماں کے دودھ جیسی طاقت ہوتی ہے"۔مجھے اپنی ماں یاد آنے لگی۔

"ایک تو اور لو انکل ایک چمچہ اور"۔

"انکل تم بہت بیمار تھے، تمہیں بہت سخت بخار تھا، مگر اب تم ٹھیک ہو، پیٹ بھر کر کھاؤ یہ پورج نئے چاولوں سے بنی ہے، تمہارے لئے بہت اچھی ہے"۔

میرے بھوکے پیٹ نے فوراً ہی کچھ چاول ہضم کر لئے، میری حالت بہتر ہونے لگی۔بچی نے اندازہ کر لیا کہ میں آسانی کے ساتھ کھانا کھا رہا ہوں۔"کچھ اور کھا لو، کوشش کرتے رہو، بس ختم ہونے والے ہیں"۔بچی چمچے کے ساتھ پیالہ کھرچ رہی تھی۔بچی نے اپنی قمیص کے کونے سے میرا منہ صاف کیا اور برتن لے کر چلی گئی۔میں نے سگریٹ سلگایا ہی تھا کہ وہ پھر آ گئی۔

"انکل سونے سے پہلے شہد کی چائے پی لو اور اپنا سر پیچھے رکھو، میری گود میں پہلے کی طرح"۔

چائے میں شہد کے علاوہ اس پتی کی خوشبو بسی ہوئی تھی، جو چائے کے بدل کے طور پر دریافت ہوئی تھی۔اس علاقے میں لوگ اسے چائے کی جگہ استعمال کرتے تھے۔فوجی اس کی ٹہنیوں کی آڑ لے کر دشمنوں سے چھپنے کی کوشش کیا کرتے۔مجھے اس گرم اور میٹھے مشروب سے بہت سکون ملا۔میں نے اپنی آنکھوں بند کر لیں اور بچی کی گود کی نرمی محسوس کرتے ہوئے سونے لگا۔اس کی توجہ اور بے چینی سے مجھے خیال ہوا کہ وہ ایک ننھی سی ماں ہے، میری دوسری ماں۔اس نے پھر اپنی قمیص کے کونے سے میرا منہ صاف کیا اور مجھ پر پیرا شوٹ سے بنی ایک چادر ڈال دی۔

"بس یہ ٹھیک ہے، اب سو جاؤ اور اچھی نیند سوؤ اور بہت کروٹیں نہ لینا ورنہ چادر اتر جائے گی، میرے دادا ان دنوں بہت مصروف ہیں، ان کے پاس گھر صاف کرنے کا وقت نہیں ہے۔

MashalBooks.org

اس نے مجھے چادر سے اچھی طرح ڈھانپ دیا، بڑی احتیاط سے چادر میرے پاؤں تلے، میرے پیٹ کے آس پاس دبا دی، اپنا ننھا ہاتھ میری پیشانی پر رکھ کر بخار کی کیفیت معلوم کی، میں ابھی بات کرنے کے قابل نہیں تھا۔

وہ چھ برس کی ہوگی، اس نے پھولدار پتلون پہن رکھی تھی، جس پر کہیں کہیں کالا کپڑا ٹانکا گیا تھا، اس کی قمیص نیلی تھی مگر اس کا رنگ خراب ہو چکا تھا، اپنی تانبے جیسی رنگت اور پتلے پتلے ہونٹوں کے ساتھ وہ ایک ننھی سی ماں لگتی تھی، ننھی سی ماں اپنی ننھی سی تصویر میں۔

وہ بہت خوش لگتی تھی کہ اس نے مجھے موت سے بچالیا ہے۔ اپنی جیب سے آئینے کا ایک ٹکڑا نکال کر سامنے رکھ لیا اور ہوائی جہاز کے ٹکڑے سے بنی ہوئی کسی چیز سے اپنے بال بنانے لگی۔ اس کے کالے بالوں کے سرے سورج کی تمازت سے ہلکے سرخ ہو رہے تھے، جسے دیکھ کر مجھے کنواری مریم کے آس پاس رہنے والے ایک فرشتے کا خیال آنے لگا۔ اتنے میں دور کسی گرجے سے گھنٹیوں کی صدا آنے لگی۔

بوڑھا پادری بھورا لبادہ لہرا رہا تھا، میرے چھوٹے بھائی کی پیدائش سے ایک روز پہلے وہ ہمیں پادریوں کی قیام گاہ پر لے گیا۔ مقدس باپ میرے نانا نانی کا دوست تھا۔ ایک بار ہمیں جب کچھ رقم کی ضرورت پڑی تو اس نے بندوبست کر دیا تھا۔ مگر یہ بہت پہلے کی بات ہے۔ مجھے آج بھی اس بچے کی فرشتوں جیسی صورت یاد ہے۔ بالکل اسی بچی جیسی تھی جس نے میری جان بچائی ہے۔ نئی پرانی یادیں آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں، میں تھک کر بے سدھ ہو گیا۔

ایک اچھے سکون پرور خواب کے بعد ایک خونخوار خواب شروع ہوا۔ افق سے اٹھتی ہوئی ایک قیامت خیز لہر میں سب کچھ ڈوب جاتا ہے۔ جنگل، پہاڑ، ندیاں، نالے، شہر اور دیہات مشرقی محاذ، مغربی محاذ، قومیت کے نام پر لڑنے والے اور ہم کہ جو سوشلزم کے لئے لڑ رہے تھے، چڑیاں اور مختلف پرندے خرگوش، لومڑ، گدھ اور کیڑے مکوڑے۔ وہ کالی لہر کہ جس نے تمام سرحدیں ملیامیٹ کر دی ہیں۔ کتابیں، نظریات، مینی فسٹو سارے تضادات سب کچھ نیست و نابود کر دیا ہے۔

"داداجان آ گئے ہو؟"

اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ ایک عمر رسیدہ شخص کمرے کے وسط میں کھڑا تھا، میری طرف اس کی پشت تھی، بچی نے باہیں اس کے گرد ڈال دیں۔

" کہاں تھے تم مجھے فکر لگ گئی تھی، ہمیشہ اس طرح کیوں چلے جاتے ہو؟ "بچی رونے لگی، دادا نے اسے دلاسہ دیا۔

"آؤ اب آؤ چپ کرو، رونا نہیں۔ مجھے معافی دے دو"۔ بچی زور زور سے رونے لگی۔

دادا زمین پر بیٹھ گیا اور بچی کا سر دونوں ہاتھوں میں لے کر اسے پیار کرنے لگا:"سنو میں

انکل کی ان کے پاس گیا تھا۔ان کی بیوی بچے مارٹر کے گولے سے مارے گئے تھے۔ان کے کفن دفن میں مدد ضروری تھی، اس کے بعد میں آنٹی ہیونگ کے گھر گیا، اسے بچوں کے لئے کچھ چاول دینے تھے۔اچھا پھر میں شہد کی تلاش میں جنگل گیا، دیکھو شہد کا پورا چھتہ لے آیا ہوں، خوب دعوت اڑائیں گے"۔

بچی اب بھی سسکیاں لے رہی تھی، اس نے اپنا سر دادا کی گود میں رکھا تھا، دادا بڑے پیارے سے اس کے گال سہلا رہا تھا۔احتیاط بھی کر رہا تھا کہ کہیں اس کے کھردرے ہاتھوں سے بچی کے نازک گالوں کو تکلیف نہ پہنچے۔

" کچھ کھایا ہے؟"

"چاولوں کا سوپ لیا تھا"۔

"چاول کھاؤ نا، پکا کے رکھے ہیں"۔

"میں سمجھا تم نے مہمان کے لئے پورج بنائی ہے، بے چارہ بیمار ہے"۔

"جی ہاں"۔

"اب کیا حال ہے اس کا؟"

" کل رات سوپ بنانے کے لئے میں سبزیاں چن رہی تھی کہ میں نے دیکھا کہ وہ کیلے کے پاس جھکا ہوا تھا۔میں نے بہت آوازیں دیں، مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا، تب میں آنٹی لائی کے پاس گئی، انہوں نے اسے گھسیٹ کر لانے میں میری مدد کی، پھر اس کے سر میں مالش کر کے چلی گئیں۔آپ واپس نہیں آئے تو میں نے ساری رات بتی جلائے رکھی۔"][" تمہیں ڈر لگ رہا تھا؟"

"یہ کہ کہیں وہ مر نہ جائے، مرنے والے جا کر واپس نہیں آتے، میرے ابا کی طرح"۔

"ہاں، ہاں"۔

"اس نے آنکھیں ہی نہیں کھولیں، مجھے رات بھر سونے کی ہمت نہیں ہوئی"۔

"شاباش، میری بچی شاباش تم بہت اچھی ہو، میں تمہیں پہلے سے بھی زیادہ پیار کرتا ہوں"۔

بچی اور اس کا دادا کمرے کی صفائی میں لگ گئے، کھانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔دادا کے پیار نے سے کچھ بگاڑ دیا تھا، وہ دادا سے باتیں کرتی ہوئی بہت سا شہد چٹ کر گئی۔دادا اس کے بال بنا رہا تھا، دو لمبی لمبی چوٹیاں وہ جب چاہتی ڈانٹ بھی دیتی۔"اس طرح نہیں ایسے، ہاں ایسے"۔

"خاموش تم اسے جگا دو گی، سنو۔۔۔۔

"میں جاگ چکا تھا۔اس بزرگ نے مجھے چاول کی پورج کھلائی، اس میں شہد بھی ملا ہوا تھا۔اس نے زور دے کر مجھے جڑی بوٹیوں سے بنی ہوئی ایک دوا پلائی تو میں پسینے میں نہا گیا، مگر

MashalBooks.org

میری طبعیت بہت بہتر ہوگئی۔ کچھ دیر بعد مٹی کی انگیٹھی میں کوئلے جلا کر لے آئے۔

"جب تمہارے کپڑے سوکھ جائیں گے، ذرا بن سنور کر بیٹھو گے میرے بیٹے، تو تمہاری سوچ بہت بہتر ہو جائے گی"۔

اب بنکر (جسے کمرے کے طور استعمال کیا جارہا تھا) ذرا گرم ہوا، طبعیت اور بہتر ہوئی تو میں امن کے خوابوں میں کھو گیا۔

میری آنکھ کھلی تو میں لوگوں میں گھرا ہوا تھا۔ زمین پر پیراشوٹ بکھرے ہوئے تھے، ٹینکوں پر ڈالنے کے لئے ترپال بھی تھیں۔ پناہ کے نام سے جو محفوظ مقامات بنائے گئے تھے یہ انہیں میں سے تھا۔ مگر جنگ سے کہیں پناہ نہیں ہے، کوئی مقام محفوظ نہیں ہے اور لوگ بھی جاگنے لگے، میرے بائیں طرف والینٹر بریگیڈ کی تین نوجوان لڑکیاں تھیں اور دائیں طرف دو لائیزن ایجنٹ تھے۔ بنکر کے تہہ خانے میں میری محسن اور اس کے دادا سو رہے تھے۔

ہوا کی حرارت سے دم گھٹنے لگا تھا۔ لوگ بے چین ہو رہے تھے۔ لڑکیوں نے اپنے بال تو بنا لئے مگر ان کے کپڑوں کی حالت اچھی نہیں تھی۔ وہ انہیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھیں۔ لائزن کے ایجنٹ مسلسل بک بک کر رہے تھے۔ انہیں لڑکیوں کی طرف سے کوئی رعایت ملنے کی توقع تو نہیں تھی مگر جوان عورتوں اور مردوں کے یکجا ہونے سے ماحول میں گداز ضرور پیدا ہوا تھا۔

محاذ جنگ زیادہ دور نہیں تھا، وہاں سے بم پھٹنے کی آواز مسلسل آرہی تھی۔

"پیٹ بھر کے کھانا میرے بچو، تمہیں بہت دور جانا ہے"۔ وہ بزرگ آلو وغیرہ پکا کر لے آیا۔ میری محسن بھی مختلف قسم کے برتنوں میں کھانا لے کر آ گئی۔ بعض برتن تو چینی المونیم اور پتھروں کے تھے۔ مگر کچھ برتن ایسے بھی تھے جنہیں B- 52 بمبار کے ملبے سے بنایا گیا تھا۔ بمباریوں میں شیشے وغیرہ کے برتن تو پہلے ہی ٹوٹ گئے تھے۔

پرانے فوجیوں کو کھانا دیتے ہوئے لڑکیاں انہیں تنگ بھی کر رہی تھیں۔ "بڑے بھائی، جی بھر کے کھاؤ، اگلی چوکی بہت دور ہے، بہت چلنا ہوگا"۔

"خوش رہو ننھی بہنو، ہمیں یقین ہے کہ تم ہماری دفاعی لائن ہو، ہماری فتح کی ضمانت ہو۔ ہم فتح یاب ہو کر واپس آئیں تو کیا ہمیں شاندار دعوت۔۔۔۔"

"پہلے فتح حاصل کرو، پھر سوچیں گے کہ تمہارے پیٹ کیا نرم نرم مینڈکوں سے بھریں"۔ کھانے کے دوران وہ مذاق کرتے رہے، قہقہے لگاتے رہے، مگر جب میزبانوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اٹھے تو ان کی آوازیں بموں کے دھماکوں میں دب گئیں۔

"اچھا بڑے بھائیو، گڈ بائی، ہماری دعا ہے کہ تم کامیاب لوٹو"۔

"گڈ بائی، گڈ بائی"۔

MashalBooks.org

"ہم سے خفا تو نہیں ہو، ہم یونہی تمہیں ذرا تنگ کر رہی تھیں"۔

"نہیں ہرگز نہیں"۔

مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میری پیشانی پر ہاتھ پھیر رہا ہے، ایک لفافہ میرے قریب رکھا گیا۔

" گڈ بائی دادا جان، میں دودھ کا ایک ٹین مریض کے لئے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اس سے کہنا کہ ہم سب اس کے لئے دعا کرتے ہیں، امید تو ہے کہ وہ جلد ہی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا"۔

اب لڑکیوں کی باری تھی۔ "دادا میں رات اس کے قریب ہی سوئی تھی، اب یہ تو قسمت کی بات ہے۔ بہر حال اسے کہنا میرا نام یاد رکھے اور میرے گاؤں کا نام بھی یاد رکھے، فتح کے بعد اسے بہت سے تحفے لے کر وہاں آنا ہے، تاکہ منگنی کا اعلان کیا جا سکے"۔

لڑکیاں رخصت ہو گئیں۔ ان کی ہنسی دیر تک سنائی دیتی رہی۔ سارا دن سونے جاگنے میں گزر گیا۔ جب بھی ہوش سنبھالتا ایک خوبصورت نسوانی ہنسی میری یادوں میں تیرنے لگتی۔ شام تک میرا بخار اتر گیا تھا۔

اگلی صبح اپنے میزبان کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ انہوں نے میرا تھیلا پکڑ لیا۔ تم نہیں جا سکتے ابھی نہیں"۔

" مجھے "K" زون پہنچنا ہے، بہت ضروری ہے"۔

" مگر وہاں پیدل جانے کے لئے تمہیں دریائی بھینسے کی طاقت چاہیے، تمہیں پتہ ہی نہیں کہ وہ کتنی دور ہے۔ میں اس علاقے سے واقف ہوں، ہم گھوڑے پر جایا کرتے تھے، کبھی کبھی تو یہ بھی ہوتا تھا کہ گھوڑا تھک کر راستے میں گرا اور گر کر مر گیا"۔

"اوہو، مگر میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے، دیر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

"یہ جنگ ابھی بہت وقت لے گی"۔ ان کے لہجے میں سختی آ گئی تھی۔

" تمہیں اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے، لوگوں کی امیدیں تم جیسوں سے وابستہ ہیں"۔ میں چپ ہو گیا۔

" کچھ دن اور ٹھہرو، مجھے اپنا خیال رکھنے دو، کل ہی میں نے شہد کی ایک بوتل دے کر تمہارے لئے ایک مرغی لی ہے، تاکہ تمہیں اس کی یخنی دے سکوں۔ کل ندی پر جا کر کچھ مچھلیاں پکڑ لاؤں گا، انہیں بھون کر چٹنی کے ساتھ تمہیں کھلاؤں گا، تو تم پہلے جیسے ہو جاؤ گے۔ پھر تم بڑے شوق سے "K" زون چلے جانا"۔

وہ کوئی چیز لینے بنکر کے پیچھے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک ٹوٹا پھوٹا پرانا پنجرہ تھا۔ اس نے پنجرہ زمین پر رکھا اور مرغی اس میں بند کر دی۔ میں نے اپنی ہتھیلیوں پر سر رکھ کر اوپر چھت کی طرف دیکھا تو کئی پرندوں کے گھونسلے نظر آئے۔ مچھر بھی موجود تھے، ان کے

MashalBooks.org

لئے تو جنگ ایک بڑی نعمت ہے۔ٹھیک ہے کہ وہ ہمارا خون پیتے ہیں مگر جنگ کے مقابلے میں ان کی کیا بساط ہے۔ بمباری تو ہم سب کا صفایا کر دیتی ہے۔

باہر دیکھا تو منظر دلفریب تھا۔ گہرا نیلا آسمان۔ بادلوں کا نشان بھی کہیں نہیں تھا، میرے جی میں آئی کہ ہمت کروں اور سفر پر روانہ ہو جاؤں۔ کیا پتہ کہ اس وقت لیونگ کو میرا خیال آیا ہو۔

لائنزن ایجنٹ نے جو نقشہ مجھے دیا تھا، وہ بس یونہی سا تھا۔ اس کی مدد سے تو میں کبھی بھی زون "K" نہیں پہنچ سکتا تھا۔ خیریت گزری کہ نی چینگ سے میری ملاقات ہوگئی، وہ ندی کے کنارے بیٹھا گیلے خطوط دھوپ میں پھیلا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"میرا پاؤں پھسل گیا تو ڈاک والا تھیلا سب بھیگ گیا، تم کہاں جا رہے ہو؟"

"زون"۔"K"

"اچھا اکٹھے چلتے ہیں، میں ان کی ڈاک لاتا ہوں"۔

"کتنے میل دور ہے؟"

"میل کیا ہوتا ہے"۔

"اوہ، کتنے دن لگیں گے، ایک کہ دو"۔

"کیا تم گھوڑے کی رفتار سے چلو گے، گھوڑا بھی تین دن اور تین راتوں میں وہاں پہنچتا ہے"۔

ہم اکٹھے روانہ ہوئے، دو جنگلوں میں سے گزرے اور ایک بہت چوڑی ندی عبور کی۔ اس رات ہم ایک چھوٹی سی غار میں ٹھہر گئے جو ہم دونوں کے لئے بہت کافی تھی، صبح ہوئی تو میں چونک کر اٹھا، غار میں بھی روشنی در آئی تھی، میں نے اپنے رفیق سفر کو جگانے کی کوشش کی۔

"کچھ دیر اور سو لیں، میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ اس حالت میں میرا چلنا ممکن نہیں"۔ وہ سو گیا تو میں بھی اس کے ساتھ لگ کر لیٹ گیا۔ مجھے نیند تو نہیں آ سکی مگر میں مختلف خیالات میں کھویا رہا۔ غار میں آنے والی روشنی، میرا خیال ہے کہ سرخی مائل تھی، یہاں کہ ریت بھی سرخی مائل ہے، پتہ نہیں اس نے کتنی نسلوں کا خون پیا ہے۔

"چینگ چینگ اب جاگ جاؤ"۔

وہ آنکھ ملتا ہوا بیٹھ گیا۔

"سورج اوپر آ گیا ہے"۔

"سارا دن اسی طرح رہے گا۔ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں"۔

"تمہارا رنگ اتنا پیلا کیوں ہے؟ کیا بیمار ہو؟"

"میری طبعیت ٹھیک نہیں"۔

"میں کوئی دوا دوں؟"

"نہیں شکریہ"۔

اس جوانی پر ہمیں کتنا غرور تھا، دس سال پہلے جب ہم محاذ پر روانہ ہوئے تو میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہمیں تو یہ لگن تھی کہ فتح حاصل کریں اور فتح کے گیت گائیں۔ مشین گنوں، سنگینوں اور مائنز کو ہم کیا سمجھتے تھے۔ بموں اور توپوں کی کسے پرواہ تھی۔ فتح حاصل کرنے کے لئے ہم سب کچھ کر سکتے تھے۔

اب میں ۸۲ برس کا ہوں۔ میری کنپٹیاں سفید ہو رہی ہیں۔ ان میدانوں، ان کھیتوں میں بھٹکتا پھرتا ہوں۔ جو ہماری فتح سے منسوب ہیں، جنہیں میرے بزرگوں نے اس مقدس مقصد کے لئے وقف کر دیا تھا، کئی سو سال پہلے میرا کوئی بزرگ اس سمت آ نکلا ہوگا۔ اپنا تنکوں کا ہیٹ پہنے، اپنی بندوق کندھے پر لٹکائے، ہاتھ میں تلوار لئے، فتح کے گیت گاتا ہوا۔

"آؤ نا اب چلیں"۔ میں نے تھیلا اٹھایا اور خموشی سے اس کے پیچھے چلنے لگا۔ بڑی احتیاط سے میں اپنے پاؤں ریت میں رکھتا، یہاں تک کہ وہ اس میں دھنس جاتے، شاید اس لئے کہ میں اعتماد سے قدم اٹھا سکوں، آسمان پر بادلوں کے جو چند ٹکڑے تھے وہ بھی سرخی مائل ہو رہے تھے، ریت تو خیر پہلے ہی سرخ تھی۔

میں اپنی جوانی یاد کرنے لگا، وہ بھی کیا دن تھے، جو بے رحم اور سفاک زمانے کی نذر ہو گئے۔ یہ بھی کیا زندگی ہے، کیسی قسمت ہے، درد کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ، یہ سب کچھ کیا میرے لئے ہی تھا۔

میرا رہبر اچانک رک گیا۔

"وہ دیکھو کتنا خوبصورت ہے، وہ اس ٹیلے کے پیچھے"۔ اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں وہ چیم ٹمپل تھا، بہت خوبصورت اور باوقار"۔

جب میں "K" زون پہنچا تو وہاں ڈویژن کمانڈر ہاؤ اور سیاسی مشیر لائی ایٹ دونوں موجود نہیں تھے۔ میں نے اپنے آپ کو خواہ مخواہ تھکایا۔ وہ بارہ روز پہلے کسی اہم میٹنگ میں شریک ہونے کے لئے جا چکے تھے۔ میری ملاقات کمانڈر ٹی این سے ہوئی۔ کمانڈر ٹی این کی عمر پچاس برس سے کچھ اوپر ہوگی۔ قد چھوٹا، سر گنجا اور گرجتی ہوئی آواز، اس نے لیونگ کے دونوں خط پڑھے۔

"ہم تینوں بھائیوں کی طرح ہیں، تم خود اس کیس کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اس کا کوئی حل بھی بتاؤ۔ کامریڈ ہاؤ اور کامریڈ لائی ایٹ جو بھی فیصلہ کریں، مجھے منظور ہوگا"۔

میں بائین سے ملنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔لیکن کسی عجلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"نو دنوں کا مسلسل سفر بہت تھکا دیتا ہے۔ پہلے کچھ آرام کرو۔ بائین کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا"۔اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

مجھے اس کی ہنسی شر انگیز لگی۔ میں نے وہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا اور گیسٹ ہاؤس چلا گیا۔ وہ جب میرے کمرے میں آیا تو میں نے مچھر دانی اٹھانے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔

"چائے پیو گے"۔

"ضرور"۔

"میں کہیں سے بہت اچھی پتی لایا تھا۔ بہت عمدہ چائے بنتی ہے اس سے،لو پی کر دیکھو۔"

"شکریہ"۔

"اس کے لئے شکریہ۔اس کے لئے شکریہ کیا تکلفات ہیں،تمہارا تعلق کہیں ہنوئی سے تو نہیں؟"

"نہیں میرے گاؤں کا نام ڈونگ لی ین ہے"۔

" مگر تم اپنی عادات سے ہنوئی والے لگتے ہو"۔

" لگتا ہوں مگر اوپر ہی اوپر سے۔ یہ بات لوگوں کو بیوقوف بناتی ہے"۔

" ٹھیک ہے مگر جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ باطن بھی ظاہر کے ذریعے ہی سامنے آتا ہے۔ ویسے اس ڈویژن میں میری شہرت یہ ہے کہ میرے اندازے مشکل سے ہی غلط ثابت ہوتے ہیں"۔

"اچھا تو اپنے مشاہدے کا کمال دکھاؤ"۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

وہ بھی ہنس پڑا۔

" کامریڈ یہ بتاؤ کہ تمہاری عمر کیا ہے؟"

"اٹھائیس برس"۔

"جتنی میرے چھوٹے بھائی کی ہے، وہ چاہتا تھا کہ ڈاکٹر بنے مگر میں نے سے سمجھا بجھا کر فوج میں جانے پر تیار کیا"۔

"ڈاکٹر معاشرے کی خدمت کرتے ہیں، اگر فوج میں نہ جائیں تو بھی ہم انسان تو ہیں، میری یونٹ میں ہیونگ ہے، اعلیٰ درجہ کا لڑاکا، پیشہ ور قاتل مگر۔۔۔۔۔۔"

ٹی ین نے ہاتھ کا اشارہ کر کے مجھے چپ کرا دیا۔

"بہت ہو گیا، تمہارے دلائل مجھے زبانی یاد ہیں، میں جانتا ہوں، تم کیا کہنے والے ہو، میرے بھائی نے ان کے ذریعے میرا دماغ خراب کر دیا تھا۔ ہماری نئی نسل کے اندازے غلط ہیں،

وہ اپنی ناک آگے دیکھ ہی نہیں سکتی۔نو جوانوں کو اپنا مفاد عزیز ہے، پارٹی ان کا مسئلہ نہیں ہے"۔

خبیث بوڑھا اپنا بوسیدہ سبق مجھ پر تھوپے گا، میں بور ہونے لگا۔

"ہم نو جوان سوچنے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔تعلیم یافتہ بھی نہیں ہیں، اچھا خیر، شروع ہو جاؤ، میں سن رہا ہوں"۔

"میرا مذاق نہ اڑاؤ، میں ان نو جوانوں سے خوب واقف ہوں"۔

میں نے چائے کا ایک گھونٹ لیا، اس امید پر کہ شاید پرسکون ہو جاؤں۔

"میں بالکل ہمہ تن گوش ہوں۔میری ساری توجہ تمہاری طرف ہے۔آخر یہ دعوی کون کر سکتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے، پھر یہ کہ سب کے اپنے گمان ہوتے ہیں، پسند ناپسند ہوتی ہے۔میری نسل نے بالغ ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ حب الوطنی کے جذبہ کے تحت فوج میں شامل ہوگئی، ہماری رگوں میں ویت نام کا خون دوڑ رہا ہے =۔ہم اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ آخری حملہ آور ہماری سرزمین سے چلا نہیں جاتا۔تر ان بھی اسی جذبے سے منگولوں کے خلاف لڑے تھے۔اس نے سر ہلایا اور جیب سے ایک سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔

"یہ سچ تو ہے مگر آدھا سچ ہے، تم نو عمر ہو، تم لوگ سیاست کا مطالعہ نہیں کرتے، ہمارے بزرگ بہادر تو تھے، مگر ہماری طرح خوش نصیب نہیں تھے۔تاریخ نے جو کردار ہمیں سونپا ہے وہ اس سے محروم تھے۔تم ٹھیک کہتے ہو کہ تر ان نے شاندار جنگیں لڑیں، مگر ان جنگوں کی نوعیت دفاعی تھی۔ان کا مقصد اپنا ملک بچانا تھا۔مگر ہمارا مقصد عظیم ہے، ہماری فتح سامراجی طاقتوں کے خلاف کسی چھوٹے ملک کی فتح ہی نہیں بلکہ مارکسزم کی فتح ہے، صرف مارکسزم کے ذریعے ہی ہم دنیا میں کمیونزم لا سکتے ہیں، وہی ہمارے خواب کی تعبیر ہے"۔

"ہاں مجھے یاد آیا، دنیا میں انسانیت کے لئے جنت"۔

ٹی آن نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا:

" کیا تم اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہو"۔

" کیوں نہیں ورنہ میں دشمن کا راستہ روکنا کیسے سیکھتا، توپخانہ کیسے کام میں لاتا؟ ہماری دلچسپی ان باتوں میں تھی، باقی سب کچھ تو ہم بھول گئے ہیں"۔

داؤ کی آنکھیں سکڑ گئیں۔" تم کیا کہہ رہے ہو، کمانڈر ہو کر بھی تم نظریاتی مطالعے سے دور رہے"۔

"ہاں، پھر بھی ہماری یونٹ خوب لڑتی ہے۔صرف یہی نہیں بلکہ ہم سے بہت اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ہمیں سیاسی لیکچر نہیں دیئے جاتے، بلکہ لڑائیوں کے باوجود ہم تاش کھیلتے ہیں اور شکار پر جاتے ہیں، اس سے بوریت کم ہو جاتی ہے"۔

" کتنی عجیب بات ہے"۔اس نے افسردہ ہوکر کہا۔

" تمہارا چھوٹا بھائی شاید میری ہی طرح ہے،اس عمر میں بھول جانے کی عادت ہوتی ہے، یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں"۔

" مگر آئیڈیالوجی تو بنیادی چیز ہے۔اسے بھلا نہیں سکتے"۔

" بھولنے کی بیماری کی کوئی آئیڈیالوجی نہیں ہوتی"۔

" کامریڈ میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی"۔

"شاید شاید یہی وجہ ہے"۔

ہم دونوں اداس ہوکر چپ ہو گئے۔

میں اسے کیوں تنگ کرتا ہوں۔ یہ برا آدمی نہیں ہے، میرے ساتھ س کا سلوک بھی اچھا ہے اور بائین کے معاملے میں یہی مدد کرسکتا ہے۔

" تمہاری چائے بہت اچھی ہے"۔

"یقیناً ہے مگر اس چائے کا مقابلہ نہیں کرتی جو شمال کے بالائی علاقے میں ملتی ہے"۔

"واقعی وہ چائے کمال کی ہے"۔

" مجھے وہ لیموں کی طرح پیلی چائے یاد آنے لگی۔ پہلی دفعہ میں نے سے ہنوئی میں ایک دوست کے گھر چکھا تھا۔شدید بیماری کے دنوں میں جب شہر خالی ہورہے تھے، وہ میری خالہ کے گاؤں آ کرر ہا تھا۔تو بھی اس چائے کے دور چلتے رہے۔

" تمہارے بھائی کا کیا نام تھا؟،

" داؤ کھین ، جب وہ پیدا ہوا تو میرے والد نے اس کا نام داؤ پریش کھین رکھا، مگر جب بڑا ہوا تو اس نے اپنے نام میں سے پریش نکال دیا تھا۔اس کا خیال تھا کہ وہ غریب آدمی ہے۔اتنا قیمتی لفظ افورڈ نہیں کرسکتا۔

" وہ کس ڈویژن میں ہے"۔702۔ Z وہ تھری او کس وادی کی طرف بڑھ رہے ہیں"۔

" کون سا ڈویژن؟"

"702۔ 2 میرے بھائی کا کردار اس ڈویژن کے کردار سے ملتا جلتا ہے۔ میں خاموش رہا۔زید، 702 زیڈ 702 بہت دنوں تک یہ نمبر ہمارے لئے مسئلہ بنا رہا۔تین مہینے پہلے ہمیں دشمن کے ایک اچانک حملے کا سامنا کرنا پڑا تھا۔دشمنوں کی تعداد ہم سے تگنی تھی اور ان کا اسلحہ بھی ہم سے بہتر تھا۔ جنگ صبح سے آدھی رات تک جاری رہی۔ ہماری طرف سے زخمی ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، انہیں ساتھ لے کر پیچھے ہٹنا ممکن نہ تھا۔ یہ بڑی مایوس کرنے والی حالت تھی، لیکن ہم اپنی مایوسی نئی طاقت اور جرأت کے ساتھ کام میں لائے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ہم نے

فیصلہ کرلیا تھا کہ ہم دشمن کو نیچا دکھائیں گے اوراس کا نقصان ہمارے نقصان سے کسی طور کم نہ ہوگا۔ ان کی تعداد بے شک زیادہ ہو، مان لیا کہ ان کا اسلحہ بھی جدید ہے مگر ان کے لاڈ پیار میں پلے ہوئے موٹے تازے فوجی ان بے جگروں کا کیا مقابلہ کریں گے جو سر ہتھیلی پر لے کر آئے ہیں، جن کے لئے آخری دم تک لڑنا سب سے اہم جنگی حکمت عملی ہے۔

مکمل تاریکی چھا چکی تھی، اس کے باوجود دشمن کا توپ خانہ ہم پر گولے برسا رہا تھا، دنیا میں شاید ہی کوئی فوج ہو جو حوصلے، ثابت قدمی اور ایثار میں ہماری ہمسر ہو۔

"ایک گھونٹ پانی دینا"۔

"بوتل خچر پر ہے"۔ یہ فصین تھا۔ اس نے بوتل لی اور غٹ غٹ پانی پینے لگا۔

"کوآن، سنو میرا خیال ہے ہمارا نشانہ ٹھیک ہے"۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"ایسے کہ میرے کان اس یونٹ کمان میں سب سے حساس ہیں، بس اتنا کرنا ہے کہ ان کی سانس لینے اور سانس روکنے کی آواز پوری توجہ سے سننی ہے، اچھا تمہیں کیسے پتہ چلتا ہے کہ وہ کہاں ہیں؟"

"سونگھنے سے"۔

"سونگھنے سے؟"

"ہاں سونگھنے سے، میں ہر چیز کا پتہ چلا لیتا ہوں"۔

"اچھا جلدی کرو، جا کر پوزیشن لو، جلد ہی وہ۔۔۔۔۔ "توپ کا گولہ میرے قریب آ کر پھٹا۔ اس کے ساتھ ہی گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ ہم فوراً زمین پر لیٹ گئے، اسی صبح دو بجے دشمن کی طرف سے فائرنگ بند ہوئی۔ گولہ بارود تو ان کے پاس بہت تھا، مگر اپنے ساتھیوں کی لاشیں بھی بہت تھیں۔ ہم نے اپنے فوجی گنے تو پتہ چلا کہ ہمارے ایک فوجی کے مقابلے میں ان کے سات فوجی مارے گئے ہیں۔ اپنے اور دشمن کے نقصان میں توازن بگڑنے نہ دینا بہت بڑا فن ہے۔

"ایک سگریٹ دینا"۔ تھائی نے سرگوشی کی۔

"ذرا ٹھہر جاؤ"۔

"تم تو فولاد کے بنے ہو"۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دراصل خاموشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میری آنکھ لگ گئی تھی۔ بنکر سے کمر لگا کر رائفل دونوں ٹانگوں میں رکھ کر میں ذرا سو گیا تھا۔ اس طرح سو جانا میرا معمول تھا۔ لڑائی بے شک جاری ہو، میں آنکھ جھپکنے کی گنجائش نکال ہی لیتا تھا۔ پانچ سات یا پندرہ

منٹ بہت کافی ہوتے، اتنی دیر میں ٹینشن سے نجات مل جاتی۔ بس یہ کرنا ہوتا تھا کہ ساری سچویشن سمیٹتے ہوئے اپنے آپ کو رنگین خوابوں کے حوالے کر دوں۔ چند لمحوں بعد مجھے لگتا تھا کہ میں پھر سے جی اٹھا ہوں۔ اپنے خوابوں میں، کبھی اپنے گاؤں میں، دھان کی لہلہاتی فصلیں دیکھتا، کبھی دوستوں کے ساتھ فٹ بال کھیلتا، کبھی دھان کے ننھے پودوں کی مہک سے طبعیت خوش ہو جاتی۔

فوراً ہی مشین گن کی گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی، پھر ایک اور بوچھاڑ اور تھائی کا چلانا۔

"ان کتوں کی کمک آ گئی ہے"۔

"شور نہ کرو"۔ میں بیٹھ گیا اور صورت حال سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"وہ بہت زیادہ ہیں۔ ہم فائرنگ شروع کر دیں تو وہ ڈر جائیں گے۔ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ ہم تھوڑے سے ہیں تو وہ ہمیں خاک میں ملا دیں گے، آؤ ہم اپنی مشین گنوں کے منہ کھول دیں"۔ تھائی نے مجھے تھپکتے ہوئے کہا۔

"نشانہ خیال سے لیا تو وہ تنکوں کی طرح گریں گے"۔

ایک اور گولیوں کی بوچھاڑ، ایک عجیب سے ادھورے خیال نے مجھے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔

" کوآن"۔

" کیا ہوا؟"

" کوآن فائرنگ بند کر دو، میرا خیال ہے، ہم سے غلطی ہو گئی ہے"۔

میرے دل کی حرکت جیسے بند ہو گئی ہو۔ تیر کی طرح ایک خیال میرے ذہن میں آیا۔ مجھے پتہ چلا کہ مجھے کسی چیز نے جکڑ رکھا تھا۔

" کیوں"۔ میں چیخا، اگرچہ مجھے پہلے ہی احساس ہو چکا تھا۔

چھین نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا:

"ہمارے ہی ساتھی ہیں، یہی ہتھیار ہیں ان کے پاس، کوئی توپ نہیں ہے"۔

اچانک میں نے فائرنگ بند کرنے کا حکم دیا۔

پہلے تھائی نے فائرنگ بند کی پھر اوروں نے، وہ اپنی خموش زبانوں سے اس کی وجہ پوچھ رہے تھے۔

"شاید وہ ہمارے ساتھی ہیں، ہماری مدد کو آئے ہیں"۔ میرا گلہ خشک ہو رہا تھا۔

سب چپ رہے

آخر لی کی آواز سے یہ سکوت ٹوٹا:

"تو یہ بات تھی۔ میں بھی حیران ہو رہا تھا کہ میرے ہاتھ کیوں کانپ رہے ہیں"۔

تھائی نے پوچھا کہ اب کیا ہو، کیا صبح کا انتظار کریں"۔

ہم جانتے تھے کہ اگر ان کے ہیلی کاپٹر ان کی مدد کو آ گئے تو ہم مارے جائیں گے۔

" کوئی فیصلہ کرو"۔

"ہم پھر فائرنگ شروع کرتے ہیں، انہیں پتہ ہے کہ ہمارے پاس توپیں نہیں ہیں، جس طریقے سے ہم نے انہیں پہچاننے کی کوشش کی ہے، اسی طریقہ سے وہ ہمارے متعلق جان سکتے ہیں اور اگر وہ ہمیں فوکس میں لے کر اپنا نشانہ نہ بنائیں تو ہمیں یہاں سے نکل جانا ہوگا، ہم جنوب کی طرف جائیں گے۔ ہر سپاہی اپنا ایک زخمی یا اپنے ساتھی کی لاش اٹھائے گا۔

اس فوری تجربے نے مجھے ذہنی الجھن سے نجات دی۔ اب میں بہتر طور پر سچویشن کا اندازہ کر سکتا تھا۔ ہماری فائرنگ کے چند لمحوں بعد جنوب سے مسلسل فائرنگ شروع ہو گئی، وہاں سے گولیوں کی تابڑ توڑ بوچھاڑ نے دشمن کو گھیرے میں لے لیا۔

دشمن کی طرف سے کوئی مؤثر جوابی حملہ نہ ہوا، کبھی کبھار ایک توپ گرجتی، ایک مشین گن سے چند راؤنڈ فائر ہوتے اور پھر وہ بھی خاموش ہو جاتی۔ ایک گھنٹہ اور ۵۲ منٹ بعد دشمن کے کیمپ میں خاموشی چھا گئی۔ ہم نے اپنے سپاہی گنے، زخمیوں کو ساتھ لیا اور پیچھے ہٹنے لگے۔ اس وقت صبح ہونے والی تھی، جب ہم جنگل میں اپنی کمک سے ملے۔ ڈویژن 502 زیڈ، میری یادوں میں سے سب سے بد یاد تھی۔

میں نے کمانڈر تائین کو غور سے دیکھنا شروع کیا اور اپنے زخمیوں اور ہلاک ہونے والوں کی صورتیں یاد کرنے لگا کہ شاید ان میں سے کوئی تائین سے مشابہ ہو۔

عمر ۸۲ برس، پیدائش بندر سال ۔۔۔۔۔شاید وہ اسی خوفناک رات کو مارا گیا۔ ہلاکت کے بعد ہر شکل بگڑ جاتی ہے۔ دھوئیں، کیچڑ اور خون میں لتھڑی ہوئی موت، انہیں ایک سا کر دیتی ہے، کوئی فرق نہیں رہتا۔ اچانک داؤ تائین نے مجھ سے سوال کیا:

" محاذ جنگ سے جو تازہ بلیٹن آیا ہے، تم نے پڑھا ہے؟"

" جی ہاں !" میں نے یونہی جھوٹ بول دیا۔ ایک وقت تھا کہ محاذ جنگ سے آنے والا ہر نیوز بلیٹن باقاعدگی سے پڑھتا تھا، ایک مرتبہ محض اتفاق سے کیمپ میں کمیونسٹ پارٹی کا اخبار مجھے مل گیا، اس میں B3 محاذ پر بڑی شاندار کامیابیاں حاصل کرنے کا ذکر تھا۔ ۱۹۶۸ یعنی بندر سال میں، خود میں وہاں موجود تھا، میں نے اپنے ان ہاتھوں سے بے شمار ساتھی قبر میں اتارے تھے۔ چھوٹے ہوآ نگ کی لاش میں خود محاذ سے گھسیٹ کر لے گیا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ پارٹی کا اخبار پھاڑ کر میں نے اس کے پرزے ندی میں پھینک دیئے تھے، اگرچہ اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا، اس وقت مجھے پتہ چلا کہ جھوٹ کا سکہ تو ہر جگہ چلتا ہے اور

انسانوں میں سب سے اچھا تو وہی سمجھا جاتا ہے جو بے دریغ جھوٹ بول سکے۔اس وقت سے میں نے اخبار ہی پڑھنا چھوڑ دیا۔بلیٹن کی تو خیر کیا حیثیت ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ اب بھی جو لوگ ان کی حقیقت سے واقف نہیں انہیں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ جبکہ مجھے اخبارات کے ذریعے اس ہوس کا اندازہ ہوتا ہے جسے فتوحات حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے سینے میں پالتے ہیں۔ان کے اندھے یقین نے انہیں غیر معمولی طاقت عطا کی ہے۔

کامریڈ داؤ نے انگڑائی لی: "چلو کچھ دیر سو جائیں،کل بائین کے معاملے کا فیصلہ کریں گے۔روشنی بجھا دوں کیا؟"

"رہنے دو"۔ "گیس بند کرنا بھولنا نہیں، ورنہ گیس ضائع ہوگی"۔

اگلی صبح کامریڈ داؤ نے ہی مجھے جگایا، ظاہر ہے کہ وہ بور ہو رہا تھا اور کسی سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔وہ مجھے لنچ پر لے گیا۔ مجھے چاول اور سبز پپیتا کھانے کو ملا۔کھانے کے بعد شکر قندی بھی ملی۔

"تم سگریٹ پیتے ہو، بہت عمدہ سگریٹ ہیں، میرے پاس"۔

میں نے بڑھ کر ایک سگریٹ لے لیا۔داؤ تائین نے میرا سگریٹ سلگایا۔کسی اور سے یہ سلوک وہ شاید ہی کرتا۔میں نے معذرت چاہتے ہوئے اس سے کہا:

" کل کی باتوں کا مجھے افسوس ہے، مجھے وہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں تھیں،مگر تم جانتے ہو کہ ہم سپاہی لوگ بکواس کرنے سے باز نہیں رہتے"۔

"تم مجھے اہمیت نہیں دیتے مگر کامریڈ تم ہمارے وطن کا مستقبل ہو۔ ہمارا فرض ہے کہ تمہاری حوصلہ افزائی کریں اور آنے والی نسلوں میں حب الوطنی کی تڑپ پیدا کریں،ہمیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم نوجوانوں کو اہمیت نہ دیں"۔

"جی ہاں"۔

"میرے بھائی کی مثال لو، جب اسے جھوٹ سچ کی تمیز ہوگئی تو وہ کالج چھوڑ کر فوج میں شامل ہو گیا،فوراً ہم دونوں میں صلح ہوگئی، کیونکہ ہم دونوں یہ سمجھنے لگے تھے کہ اگر ہم نے اس وقت اپنے ملک کے مقدس مشن میں اس کا ساتھ نہ دیا تو ہماری کوئی حیثیت نہیں ہوگی"۔

"بالکل"۔میں مکڑی ہوا میں اڑتی دیکھ رہا تھا۔دھن کے مقدس مشن میں شامل ہو جاؤ،تاریخ میں اپنا مقام بناؤ، یہ نعرے دس سال پرانے ہیں،مگر اب بھی ان کی کشش قائم ہے۔ وہ اب بھی لوگوں کی آرزوؤں کا محور ہیں۔اپنی پہلی محبت کی آغوش میں بھی میں ایسا مدہوش تو نہیں ہوا تھا"۔

"اس واقعے کا تعلق وسطی ویت نام میں ہماری ایک مہم سے ہے۔ وہ علاقہ بہت رومان پرور ہے، وہاں کی لڑکیاں اچھی دوست اور میزبان تھیں، قدم ملا کر ساتھ چلتیں تو محسوس ہوتا کہ رومان اور محبت کی ایک دنیا پہلو میں ہے۔انہی میں سے ایک لڑکی میرے ہاتھ میں دے کر چلتی رہی، پتہ

نہیں چلتے ہوئے کیا بک بک کر رہی تھی۔

سچ یہ ہے کہ اس کا ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آ تا تھا۔لیکن اچانک اس سے ملاقات مجھے بہت اچھی لگی۔ہم دونوں نے اچھی اچھی باتیں کیں اور جدا ہو گئے"۔

خون خرابے میں خوار ہوتے ہوئے کئی سال اور مہینے گزر گئے تھے۔فتح اور سرفرازی کے اس عبرت ناک کھیل میں مجھے جو حاصل ہونا تھا وہ ہو گیا۔میں نے بیزاری سے سوچا۔ میں دور دور تک خالی نظروں سے دیکھتا رہا، یہ جانے بغیر کہ مجھے کس چیز کی تلاش ہے۔ایک مکڑی میری گردن پر آ بیٹھی تو مجھے لگا کہ جیسے اس نے اپنے کانٹے میری گردن میں گاڑ دیئے ہوں۔میں نے بڑی سختی کے ساتھ اسے دفع کیا، داؤ تائین ہنس پڑا۔

" کیا تمہارے ہاں مکڑیاں بہت ہوتی ہیں؟"

" نہیں زیادہ نہیں"۔

"ہمارے ہاں بھی زیادہ نہیں ہوتیں، میری بڑی بہن ان کی بہت شوقین تھی، مگر مجھے ان سے گھن آتی تھی"۔

"اوہو غریب کا بیٹا اور رئیسوں کے نخرے"۔میری ماں مجھے چھیڑا کرتی۔

"رئیس نہ سہی مگر رئیس بننے کا خواب تو دیکھ سکتے ہیں"۔

"ہاں خواب دیکھنے سے تو کوئی نہیں روک سکتا"۔

کامریڈ داؤ نے گھڑی پر نظر ڈالی اور مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔

"آ ؤ چلیں اس وقت ڈاکٹر بھی وہاں ہوں گے"۔میں اس کے پیچھے چل دیا۔ پہاڑی پر جھونپڑوں کی ایک لمبی قطار گزر جانے کے بعد ایک تنہا گھر کے پاس ہم پہنچے تو میں نے پوچھا:

" کیا یہ ڈویژن انفنٹری ہے"۔

"ہاں۔ پہلے ہم نے سوچا تھا کہ کیمپ کے ساتھ بنائیں مگر خوش قسمتی سے پولیٹکل افسر نے اسے یہاں بنوا دیا، ورنہ بعض مسائل پیدا ہو سکتے تھے"۔

" کیسے مسائل؟"

"ملیریا کے مریضوں میں اکثر دیوانگی کے دورے پڑتے ہیں، کبھی ناچتے ہیں، کبھی چیختے چلاتے ہیں، جہاں تک بائین کا تعلق ہے تو واقعی پاگل ہے"۔

" کبھی کوئی مرا بھی ہے؟"

" کئی لوگ ملیریا اور بعض بکٹیریا کے ہاتھوں مرے ہیں۔ ہمارے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا کہ انہیں اٹھا کر لائن میں لے جائیں۔بس ان کی موت کی رپورٹ لکھتے ہیں اور انہیں وہاں پر دفن کر دیتے ہیں"۔

میں نے اس طرف نظر دوڑائی، جدھر وہ اشارہ کر رہا تھا۔ جھاڑیوں میں سے چند قبریں دکھائی دے رہی تھیں، ان کے آس پاس جنگلی گھاس پھیلی ہوئی تھی۔ قبرستان اور انفنٹری کے درمیان خاردار تار لگا دی گئی تھی۔ جنگلے کے اور ٹین کے خالی ڈبے لٹکائے گئے تھے، بہت واہیات منظر تھا۔

"اور یہ ٹین کے ڈبے کس لئے ہیں؟"

"ہمیں مغروروں کے متعلق چوکنا کرنے کے لئے، وہ بیوقوف بے تحاشہ بھاگتے ہیں، تو سیدھے جا کر جنگلے سے ٹکراتے ہیں، ڈبے بجنے لگتے ہیں تو ہمیں خبر ہو جاتی ہے"۔

میں نے مزید کوئی سوال نہیں پوچھا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے چلتا رہا۔ ہم آخری کمرے کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ بائین کو اسی میں رکھا گیا۔ دس گز دور ہی سے غلاظت کی بدبو آنے لگتی تھی۔ کمرہ لکڑی کے تختوں سے بنایا گیا تھا۔ اس میں بس ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ میں نے وہاں جا کر اندر جھانکا۔ ایک کونے میں دبکا ہوا، برہنہ اور غلیظ بائین گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا ہوا تھا۔ آہٹ سنی تو مڑ کر دیکھا، سورج میرے پیچھے تھا، شاید وہ مجھے پہچان نہیں سکا۔ اس کی آنکھیں دھندلائی ہوئی اور ہر جذبے سے عاری تھیں۔ اس کا چہرہ سوکھا ہوا اور ہڈیاں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ سر کے بال جھاڑ جھنکار بنے ہوئے تھے۔ وہ غلاظت میں لتھڑا ہوا تھا، وہ میرے اور لیونگ کے بچپن کا دوست تھا۔ "بائین "میں اسے آواز دے کر ایک طرف ہو گیا تا کہ دھوپ میرے چہرے پر پڑے۔ بائین سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے دیکھا تو اس کی گول آنکھیں اپنائیت کے جذبے سے چمکنے لگیں۔ اسی لمحے میں جان گیا کہ وہ پاگل نہیں بلکہ ایک نارمل آدمی ہے۔ فورا "ہی وہ دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔ سر گھٹنوں میں دے دیا اور سسکیاں لینے لگا۔ پھر اچانک گانے لگ گیا۔

چائے کے باغ پر چاند چمک رہا ہے
ایک پرانے مکان میں ہم اکٹھے رہ رہے ہیں
ریشم کے کیڑوں کے لئے پتے جمع کرتا ہوں
اور تمہارے لئے، میں زہر کے گھونٹ پیتا ہوں

اور پھر وہ چیخا:

"حملہ کرو، چلو دوستو آگے بڑھو، حملہ کرو، فرسٹ کمپنی میرے پیچھے آئے، سنگین تان لو، دست بدست جنگ ہونی ہے"۔ پھر اچھل کر اس نے دیوار کو ٹکر ماری تو اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ داؤ تائین کہنے لگا:

"یہ کچھ بھی نہیں، اگر ہم سوچیں کہ قید ہونے سے پہلے وہ کیا کرتا تھا، وہ خاردار تاروں کے جنگلے پر کود کر اس پر لوٹنے لگتا، نتیجہ یہ کہ لہولہان ہو جاتا، دیکھنے والے اپنا منہ پھیر لیتے، کیونکہ یہ منظر

برداشت نہیں کر سکتے تھے"۔

"آؤ چلیں"۔ میں نے اس کا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔

"اسے پوری نگرانی میں رکھنا چاہیے، کیا خیال ہے تمہارا"۔

"پاگلوں کی زندگی میں بھی ایسے لمحات ہوتے ہیں جب ان سے معقول بات کی جا سکتی ہے۔ میں اس سے بات کروں گا، شاید وہ مجھے پہچان لے"۔

"وہ تمہارا ہمسایہ تھا؟"

"ہاں"۔

"ان کے خاندان میں دیوانگی کی کوئی اور مثال بھی تو ہوگی"۔

"نہیں، یا شاید ہو، میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ اس کی ماں کے خاندان میں شاید کوئی ایک واقعہ ہوا ہو"۔

"یاد کرنے کی کوشش کرو، مجھے یقین ہے کہ اگر باپ کے خاندان میں نہیں تو ماں کے خاندان میں ضرور کوئی پاگل ہوا ہوگا"۔

"ممکن ہے، ہوا ہو"۔

"ممکن کی بات نہیں، یقین کی بات ہے۔ اچھا، میں تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ میرے گھر کے قریب ایک شخص رہتا تھا، کوئی عام آدمی نہیں بلکہ ایک ذمہ دار ٹیچر، جو اپنے علم اور حسن سلوک کی وجہ سے الگ پہچانا جاتا تھا۔ ایک روز اسے بخار ہوا تو وہ پاگل ہو گیا، وہ گلیوں میں رینگتا پھرتا، کتوں کی طرح بھونکتا، گاؤں کے لوگ بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کے بھائی نے کسی کا خون کیا تھا۔ میں، تم جانتے ہو کہ ایک حقیقت پسند ہوں، اس لئے میں ان باتوں میں نہیں آیا، جب میں نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ یہ خرابی اس کی ماں کے خاندان میں ہے"۔

"شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ بائین کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے"۔

"پہلے تو مجھے اس پر شک تھا کہ وہ مکر کر رہا ہے"۔

"مگر کیوں؟"

"اس کی صحت بہت اچھی تھی۔ کبھی کبھار وہ اکھڑا سا رہتا تھا، مگر اس سے زیادہ کوئی بات نہیں تھی۔ ایک رات وہ خواہ مخواہ ہی اصطبل میں چلا گیا، وہاں اسے کسی گائے نے لات مار دی، بے ہوشی کی حالت میں اسے اٹھا کر لایا گیا۔ ایک روز بعد وہ پاگل ہو گیا۔ سخت سردی تھی، مگر وہ بالکل ننگا ہو کر ناچنے لگا۔ کبھی کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر ہوا میں لہراتا اور چیختا کہ "جھنڈا قلعے پر لہرا دو"۔ کبھی چھری لے کر اپنے آپ کو مارنے لگتا۔ بعض ساتھیوں کا خیال تھا کہ پاگل ہو گیا ہے، کچھ لوگ کہتے تھے کہ مکر کر رہا ہے"۔

MashalBooks.org

" بکواس کرتے ہیں"۔ مجھے یاد آیا، بائین کی ایک خالہ میں ذہنی خرابی تھی۔ "افسوس کی بات ہے کہ بائین اپنے باپ پر نہیں گیا۔ اس کے باپ دادا بہت محنتی تھے، شاید ہی انہوں نے کبھی کسی کام میں غفلت کی ہو"۔

" تقدیر کا لکھا کون مٹا سکتا ہے"۔

مجھے ایسا لگا کہ شاید میں اس کے دل میں بائین کے لئے تھوڑی سی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گیا ہوں، ہم دونوں جھاڑ جھنکار میں سے گزر رہے تھے کہ ایک جھاڑی نے داؤ کی پتلون پکڑ لی، اسے چھڑانے کے لئے وہ جھکا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنی عمر کی وجہ سے کبڑا ہو رہا ہے۔ اس پر چربی کی تہہ جمنے لگی ہے، مجھے خیال آیا کہ اسے اپنے بیوی بچوں سے ملے ہوئے کتنا عرصہ ہو چکا ہوگا۔ یہ سوال اس نے اپنے آپ سے کبھی پوچھا ہے، کبھی اسے وہ یاد آئے ہیں یا وہ ایک مشین کی طرح ہے، جسے احساسات اور جذبات سے کوئی واسطہ نہیں۔ کیا وہ شہرت اور کامیابی کے نشے میں سب کچھ بھول گیا ہے۔

" موسم بہت خراب ہے"۔

" ہاں ہر وقت بدلتا ہی رہتا ہے۔ اس کا کچھ پتہ نہیں ہوتا"۔

" ہمارے کتنے ہی آدمی تو بخار کی وجہ سے مر گئے ہیں"۔

" چلو کچھ کھائیں اور تم تو آرام کرو۔ تمہاری عمر ایسی نہیں کہ صحت سے لاپرواہ ہو سکو۔ سہ پہر کو میں اسے اکیلا ہی ملوں گا"۔

ہم نے پھر چاول کھائے۔ سبز پپیتا جنگلی مرچوں کے ساتھ کھایا، مگر شکر قندی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس کی بجائے جنگ کی باتیں ہوتی رہیں۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ داؤ تائین بور ہو رہا ہے۔ وہ باتیں کرنے کے لئے موضوع ڈھونڈھ رہا تھا جو اسے نہیں مل رہا تھا۔ اس کی حیثیت یہاں ایک لیڈر کی تھی، سو یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنے جونیئر افسروں یا عام سپاہیوں کے ساتھ بے تکلف ہو۔ اسے میں نے وہیں چھوڑا اور گیسٹ روم چلا گیا۔ اس وقت میری گھڑی میں بارہ بج کر تین منٹ تھے۔ میں بیڈ پر گر گیا، ابھی ایک گھنٹے سے زیادہ انتظار کرنا تھا۔ اس کے بعد ہی میں بائین کے پاس جا سکتا تھا۔

یہ خیال مجھے کبھی نہیں آیا تھا کہ میں بائین کو اس حال میں دیکھوں گا۔ غلاظت میں لتھڑا ہوا اور۔۔۔۔۔۔ وہ میری زندگی کا حصہ رہا تھا۔ میرے اس وقت کا حصہ، جب دنیا ابھی خوب صورت تھی۔ فصل کٹنے کا موسم، خزاں کی ہوائیں، سفید بادلوں کو چیرتی ہوئی ان میں سے گزرتی ہیں۔ اناج کے گٹھوں پر ٹانگیں پھیلائے، ہم لیٹے ہیں اور محبت کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

" بائین تم نے اتنی پیاری "ہی این" سے کیوں منہ موڑ لیا"۔

MashalBooks.org

"میں نے اس سے منہ نہیں موڑا تھا بلکہ اس نے مجھے اس پر مجبور کیا تھا"۔

" مگر این تو کہتی تھی کہ تم نے اسے چھوڑ دیا ہے"۔

"یہ سچ نہیں"۔

" تمہارا کہنا ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں"۔

" تم نہیں وہ جھوٹ بول رہی ہے"۔

" یہ تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ وہ ہمیشہ تمہارے خواب دیکھتی رہی ہے، اس کا کہنا ہے کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے"۔

" ہی این کی ایک بہن بھی تھی، جس کا نام ہوآ تھا، مجھے اس سے دلچسپی رہی ہے، دونوں بہنیں نازک، شرمیلی اور پاکدامن تھیں"۔

ہی این سے محبت میں بائین کے جذبے کی شدت اس کی اپنی سمجھ سے باہر تھی، وہ سادی سی خوبصورت لڑکی اس شدت کو کیا سمجھتی۔

بائین گاؤں میں سب سے بھاری بھرکم جوان تھا، وہ ہر روز چاول کی سوٹو کریاں اٹھا کر لے جا سکتا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وہ ساری ٹوکریاں دوڑتے ہوئے لے جاتا۔ صبح سویرے وہ چاول کے پانچ ڈونگے کھاتا۔ دوپہر کو اسے آٹھ دس کی ضرورت ہوتی اور شام کو بھی وہ اتنے ہی ڈونگے صاف کر دیتا، کبھی کبھار ہم رات کو اکٹھے گھومنے جاتے، واپسی پر سونے سے پہلے وہ اپنا پیٹ شکر قندیوں سے بھر لیتا۔ اس کا جسم بڑی مہارت سے تراشے ہوئے بت کی مانند تھا۔ سرخ ہونٹ موتیوں کی طرح چمکتے، دانت اور بال اتنے گھنے کہ ایک لٹ سے پوری مٹھی بھر جائے۔

مسٹر بواو اور میڈم نہان اس کے والدین تھے۔ دونوں میاں بیوی ایک غیر معمولی جوڑے کے طور پر پورے علاقے میں جانے جاتے تھے۔ دونوں کے جسم پہلوانوں جیسے تھے، مسٹر بواو کے بال کالے، گھنی داڑھی اور جسم تانبے جیسا تھا۔ میڈم نہان کی رنگت سفید، بال لمبے اور آواز گونجتی ہوئی تھی۔ دونوں خوب محنت کرتے اور بے شمار پیسہ کماتے۔ پیاز کی ایک فصل سے وہ اتنا کما لیتے کہ چاول کی دس فصلوں سے نہ کما سکتے۔ پھر انہوں نے پیاز چھوڑ کر ٹماٹر اگانے شروع کر دیئے، تو ان کے وارے نیارے ہو گئے۔ عین اس وقت کہ جب سب لوگ پیاز اور ٹماٹر اگانے میں لگ گئے تو انہوں نے الکوحل میں اپنا کمال دکھانا شروع کر دیا اور بات یہیں ختم نہیں ہوتی وہ سولہ بچوں کے ماں باپ تھے۔ سولہ بچے پالنا، اور عمدہ طریقے سے پالنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ دونوں میاں بیوی کی محبت گھر کی دیواروں تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ اس کا اظہار سرعام کرتے اور اس بے باکی سے کرتے کہ دیکھنے والوں کی مت ماری جاتی۔ میری آنکھ کھلی تو دو بج چکے تھے۔ میں اٹھا اور بائین کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں لوگوں نے مجھے کمانڈر داؤ کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ اس لئے کوئی روک ٹوک

نہیں ہوئی۔ میں بڑے گیٹ کی طرف بڑھا تالہ کھول کر اندر گیا تو بائین سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔ میں نے ہر حرف پر زور دیتے ہوئے کہا:

"آج صبح تم نے اپنی کھوپڑی میں جو سوراخ کئے ہیں وہ ابھی بھرے نہیں، بے شک تم میں دریائی بھینسے جتنی طاقت ہوگی، مگر تمہارا دل ڈوب بھی سکتا ہے۔ اس کی حرکت بند ہو سکتی ہے"۔

وہ چپ بیٹھا زمین گھورتا رہا۔

"آؤ کہیں باہر چلیں، یہاں کی بدبو مجھ سے برداشت نہیں ہوتی"۔

وہ آس پاس دیکھنے لگا۔

"میں اکیلا ہوں آؤ چلو"۔

وہ چپ چاپ میرے پیچھے آنے لگا۔

کچھ نرسوں نے ہمیں گردنیں اونچی کر کے دیکھا۔ سمجھتی ہوں گی کہ میں کوئی باکمال ماہر نفسیات ہوں۔

ہم بہت دیر تک چلتے رہے، کلینک ندی سے دو میل دور تھا۔ ندی میں پانی کی سطح کچھ زیادہ نہیں تھی، مگر پانی صاف ستھرا تھا۔

"جاؤ اور اچھی طرح نہاؤ"۔ میں نے اسے صابن اور نیکر دی۔

"اور جلدی کرو تمہارا کمانڈر کسی وقت بھی آ سکتا ہے"۔

بائین پانی میں اتر گیا اور خاموشی سے نہاتا رہا۔ صابن اکثر اس کے کیچڑ بھرے بالوں میں اٹک جاتا تو بڑی مشکل سے صاف ہوتا، اس کا جسم زخموں سے بھرپور تھا۔ پتہ نہیں کتنی بار وہ خاردار تاروں پر لوٹا تھا یا گھسیٹا گیا تھا، اس کی پسلیاں باہر نکلی ہوئی تھیں، یہ وہ بائین تو نہیں جو میرا دوست تھا۔ مجھے یاد آیا کہ وردیاں ملنے سے پہلے ہم سب قمیص پہنے بغیر کھڑے تھے۔ تندرست اور جوان جسموں کا ہجوم تھا، مگر ان سب میں بائین کا جسم الگ تھا۔ اتنا مضبوط اور شاندار جسم کسی اور کا نہیں تھا مگر وہ جسم اب کہاں ہے۔

"اپنی گردن اچھی طرح رگڑو"۔ میں نے مڑ کر بائین سے کہا:

"بہت میلی ہے"۔ فرمانبردار بائین نے گردن، کندھے اور پسلیاں زور زور سے رگڑنی شروع کر دیں۔

"کب سے انہوں نے تمہیں یہاں لانا چھوڑا ہے"۔

"دو مہینے ہو گئے ہیں"۔

اچانک بائین کی نظریں میرے کندھوں سے ٹکراتی دور نکل گئیں، میں سمجھ گیا کہ کمانڈر داؤ کہیں قریب ہی ہے۔ واقعی وہ لڑکھڑاتا ٹھوکریں کھاتا ہوا آ رہا تھا۔

"پاگل ہی بنے رہنا"۔ بائین نے اثبات میں سر ہلایا۔

میں نے کمانڈر سے بڑھ کر ہاتھ ملایا۔ وہ خوش باش نظر آ رہا تھا۔ شاید خوب سویا ہو۔

"کمال ہے، مگر تم اسے یہاں کیسے لائے؟"

"پاگلوں پر بھی ایسا وقت آتا ہے جب وہ پاگل نہیں ہوتے، اس وقت کے دوران کا تعین ذرا مشکل ہے، مگر وہ وقت آتا ضرور ہے۔ چند سال پہلے میں نے ذہنی امراض پر ایک کتاب پڑھی تھی، اس سے میں اتنا تو سیکھ گیا ہوں کہ صحیح وقت پر مریض سے بات کر سکتا ہوں"۔

"پھر بھی خیال رکھنا، بائین بہت طاقتور ہے، جب اسے دورہ پڑتا ہے تو ہمارے پانچ سات آدمی بھی اسے سنبھال نہیں سکتے"۔

"ایسے لوگوں کو سنبھالنے کے لئے طاقت سے زیادہ ہوشیاری کام آتی ہے"۔ داؤ ہنس دیا۔

"تم بھی میرے بھائی کی طرح بہت سمجھدار ہو۔ بندر سال پیدا ہونے والوں کی یہ خصوصیت ہے، ان کی زندگی میں مشکلات تو ہوتی ہیں، مگر وہ ہمیشہ ٹھیک سوچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں"۔

" مگر پھر بھی میں ایک رسی ساتھ لایا تھا۔ شاید اس کی ضرورت پڑ جائے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کم وبیش آدھ گھنٹے تک اسے پھر دورہ پڑ جائے"۔

میں نے جیب سے پیراشوٹ کی رسی کا ایک ٹکڑا نکالا اور اسے ندی میں پھینکا، جب میں اس کے ذریعے بائن کو ندی سے باہر لے آیا تو اس نے صاف کپڑے پہنے۔ جب میں نے اس کی کلائیاں باندھ دیں تو اس نے بڑے افسوس کے ساتھ مجھے دیکھا، کبھی کبھی وہ احمقوں کی طرح مسکرا بھی دیتا۔

گیسٹ ہاؤس واپس آتے ہوئے میں نے کامریڈ داؤ سے کہا:

اس کے پاس نیند کی گولی ہو تو بائین کے لئے دے۔

"اس سے کچھ نہیں ہوگا، نرسوں نے اسے ایک پوری شیشی کھلا دی تو بھی اسے کوئی اثر نہ ہوا"۔

"اثر ہوتا ہے اگر ساتھ نفسیاتی علاج بھی ہو رہا ہو"۔

داؤ نے مزید کچھ نہ کہا اور نیند کی دوا لینے چلا گیا۔ میں اس کی سادہ دلی پر حیران تھا۔ بناوٹ اور خوشامد کے چند الفاظ نے اس پر بہت اثر کیا تھا۔ اس رات کھانے پر مجھے اپنے خطیبانہ کمالات دکھانے کا بہت موقعہ ملا، یہ کہ بائین کا ماحول بدلا جائے، اسے کسی ایسی یونٹ میں بھیج دیا جائے، جہاں اس کا ذہنی علاج ہو سکے اور اگر وہ واقعی لا علاج ہے تو اسے فوج سے رخصت کر دیا جائے۔

داؤ مکمل تعاون کر رہا تھا۔ "تم جو رستہ چاہو اختیار کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں"۔

"تھینک یو کامریڈ"۔

"بائین کے باپ دادا نے یقیناً اچھے کام کئے ہوں گے کہ اسے تمہارے جیسا دوست میسر آیا ہے"۔ داؤ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہم بچپن کے دوست ہیں، لڑائیوں میں بھی ساتھ رہے ہیں اور اکٹھے یعنی ایک ہی دن بھرتی ہوئے ہیں"۔

"اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم اس کی محبت میں مبتلا ہو جاؤ"۔ تائین نے مجھے ٹوک دیا۔

"میرا بھی ایک دوست تھا، ہم دونوں ایک ہی دن بھرتی ہوئے تھے، مگر جب ہمارا محاصرہ ہوا تو وہ میرا ساتھ چھوڑ گیا، کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ لے گیا تھا"۔

"میں اور تم دونوں ہی جانتے ہیں کہ اچھے لوگوں میں بھی کمزوریاں تو ہوتی ہیں"۔ ہنستے ہوئے میں نے کہا۔

"ہاں میں جانتا ہوں یا شاید نہیں جانتا"۔

"پتہ نہیں"۔

میں نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا، مجھے اس کی صاف گوئی بلکہ اس کی جذباتیت بھی پسند آئی، شاید وہ ساری زندگی سچی دوستی کے خواب دیکھتا رہا تھا۔

"تمہارے جیسا آدمی "میں نے نرمی سے کہا۔ "جلد یا بدیر تمہیں تمہاری پسند کا دوست مل جائے گا۔ بائین نے کیس کے سلسلہ میں شمال کو جا رہا ہوں۔ کیا میں تمہارے خاندان کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں؟"

اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔" تمہیں تکلیف تو نہیں ہوگی؟"

" کیا باتیں کرتے ہو؟"

"آج رات میں خط لکھوں گا۔ تمہارے جانے سے پہلے ہماری ایک ملاقات تو ہونی ہے"۔

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اگلے دن داؤ نے مجھے ایک بھاری سا لفافہ دیا۔ ایئر کرافٹ کے ٹکڑے سے بنی ایک کنگھی دی، اپنی بیٹی کے لئے۔ اپنی بیوی کے لئے پیراشوٹ کا سکارف دیا اور تین مختلف رنگوں میں ایک امریکی بال پوائنٹ اپنے بیٹے کو بھیجا۔

سپاہیوں نے میرے لئے کھانے کی مختلف چیزیں تیار کیں، تاکہ سفر میں کام آئیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام داؤ کے حکم سے ہوا۔

نصف میل تک داؤ میرے ساتھ چلتا رہا، جب مجھ سے ہاتھ ملایا تو میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"تم میری بیوی سے ملو گے؟"

"ضرور ملوں گا"۔

"اچھا اپنا خیال رکھنا"۔

وہ سر جھکائے واپس چلا گیا۔ شاید وہ ان لوگوں میں سے تھا، جو زندگی کے دکھ برداشت کرتے ہیں اور ثابت قدم رہتے ہیں۔ بہت دور تک میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تو میں نے بائین سے کہا کہ آؤ چلیں۔

ہم خاموشی سے چلتے رہے اور بہت دیر تک چلتے رہے، پہاڑیاں بنجر تھیں۔ ادھر ادھر چھوٹے کیمپ تھے، بڑا کیمپ کہیں نہ تھا، شاید شفٹ ہو گیا تھا۔

بعض کھیتوں میں فصلیں لہلہا رہی تھیں۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ ہماری نگرانی کرنے والے بہت پیچھے رہ گئے ہیں تو میں نے بائین کی کلائیاں کھول دیں۔ رسی کی رگڑ سے وہ سرخ ہو رہی تھیں، میں اسے گلے لگا کر رونے لگا۔ روتے ہوئے میں نے یاد کیا کہ کتنا طویل وقفہ ہے، اپنی ماں کے مرنے کے بعد آج میں پہلی مرتبہ رویا ہوں۔

گاؤں کے قبرستان میں قبریں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ کئی لوگ مجھے دیکھنے آتے، میں نے اپنا سر ہاتھوں میں لے رکھا تھا اور ٹوٹ کر رو رہا تھا۔ کفن دفن میں مصروف ہونے کے بعد انہوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ اس رونے میں میرے نئے پرانے سارے دکھوں کا رونا شامل تھا۔ میری یتیمی، بے آسرا بچپن اور وہ عورت، کہ جو دنیا میں مجھے سب سے پیاری تھی، کہ جس کے لئے میں کتنا ہی روؤں دل کی بھڑاس نہیں نکلتی، میں روتا رہا۔ یہاں تک کہ میرے آنسو ختم ہو گئے، سورج غروب ہو گیا اور ستاروں کی طرح چمکتے جگنو جھاڑیوں سے نکلنے لگے۔

یہ بیس سال پہلے کی بات ہے، اس وقت میں آٹھ سال کا تھا۔

آج میں پھر رویا تھا۔ میں اپنے کندھے پر بائین کے آنسو محسوس کر رہا تھا، وہ اس کوشش میں تھا کہ اس کی سسکیاں سنائی نہ دیں۔ خاموشی۔۔۔۔۔۔آنسوؤں میں تر ایک لمبی خاموشی۔

"بیٹھ جاؤ"۔

ہم دونوں پتوں کے فرش پر بیٹھ گئے۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟ "میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تمہیں پتہ ہے کہ میں یہاں تمہارے لئے آیا ہوں، مجھے لیونگ نے حکم دیا تھا"۔

بائین کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"وہ حرامزادے، ہاؤ اور لی ریت۔ انہوں نے بتایا ہو گا اسے"۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟ "وہ قمیض کی باہوں سے آنسو پونچھ رہا تھا۔

" گاؤں جا کر شادی کرلو، وہ تمہاری گانے والی چیو تو شاید اتنا انتظار نہ کر سکی ہو، مگر عورتوں کی کیا کمی ہے ان دنوں۔ ایک کی بجائے تین مل سکتی ہیں"۔ بائین نے انکار میں سر ہلایا دیا۔ مگر میں نے اپنی کوشش جاری رکھی۔

" کیا تم یہ سوچ رہے ہو کہ لوگ کیا کہیں گے تمہیں۔ برا سمجھیں گے تو یہ سمجھ لو کہ لوگ غداری کو برائی سمجھتے ہیں، میدان سے بھاگ جانے والوں سے نفرت کرتے ہیں، مگر تمہاری بات اور ہے، تم تو بیماری میں ضائع ہوئے ہو، چلو فتح اور کامرانی نہ سہی نارمل زندگی تو گزار سکو گے"۔

" نہیں یہ میری برداشت سے باہر ہے"۔

" مگر کیوں؟"

" گاؤں واپس چلا جاؤں؟ میں انہیں کیا منہ دکھاؤں گا۔ کیا جواب دوں گا"۔

"اوہ جواب دینے کی کیا بات ہے، خوب محنت سے کام کرو اور اپنا منہ بند رکھو"۔

" مگر یہ ممکن نہیں"۔

میں خاموش ہو گیا۔ بائین آخری دم تک لڑنے والا تھا، ہم اکٹھے ہی فوج میں گئے تھے۔ لیونگ اس وقت تک کمانڈر بن چکا تھا، میں اپنے مشکل مزاج کے باوجود، تین سال سے کیپٹن تھا۔ بائین ابھی تک سارجنٹ تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نامراد لوٹے۔ اس نوجوان کسان کے دل میں فتح اور کامرانی کی خواہش اب بھی موجود تھی وہ جدوجہد کے میدان سے باہر نہیں ہونا چاہتا تھا تاکہ میدان جنگ میں ہماری جیت ہو اور وہ ہمارے ساتھ فتح و کامرانی کے نشان لہراتا ہوا گاؤں میں داخل ہو۔

وہ چاہتا تھا کہ اس کی بے کیف، بے رنگ اور بے نام زندگی میں فتح اور کامیابی کے رنگ بھر جائیں۔ کامیابی کے میڈل اس کے چوڑے سینے پر سجے ہوں اور فتح اس کی پہچان بن جائے۔

"اچھا تو میں تمہیں ہیو کی یونٹ میں بھیجتا ہوں۔ M -O-S5 وہ سپیشل مشن کے انچارج ہیں"۔

" سپیشل مشن؟"

" میں اس کے متعلق نہیں جانتا، انہوں نے اس کا سرسری سا ذکر کیا تھا۔ مگر میں لیفٹیننٹ ہیو کو ایک عرصے سے جانتا ہوں۔ میں تمہیں اسی وقت "ایف " زون لے چلتا ہوں، باقی باتیں وہاں ہوں گی"۔

" خطرہ تو ٹل گیا ہے نا، اب کچھ کھانے کو دو، بہت بھوک لگی ہے"۔

کھانا نکال کر ہم دونوں نے کھایا، ایک لمحے کے لئے میں نے اس کی طرف دیکھا تو لگا کہ یہ تو وہی سرخ گالوں والا لڑکا ہے جو اپنی کمر پر اناج کی سو ٹوکریاں لاد سکتا ہے۔

گھر واپس آنا بڑی نعمت ہے، یہ زمین یہ بو باس، یہ فضا ہے جو پردیس میں رہ رہ کر یاد آتی ہے۔ یہی ہمارے ہونے کا جواز ہے۔ اور یہی ہمارے لئے شفقت اور محبت کا سرچشمہ ہے۔ میں اپنے جذبات کا اظہار کس سے کروں۔ ماں ایک عرصہ ہوا کہ مر چکی ہے اور میرا باپ میرے لئے ہمیشہ ایک اجنبی رہا ہے۔ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے جب میں اس کے ساتھ پکوڑا گیا تھا اور وہ درد کے مارے تڑپ رہی تھی، اس کے بال مٹی میں اٹے ہوئے تھے اور اس کی چیخیں۔۔۔۔۔۔ "تم کہاں چلے گئے ہو۔ تم نے ہمیں اس عذاب میں تنہا چھوڑ دیا ہے"۔ میں جانتا تھا کہ وہ میرے باپ کو آواز دے رہی ہے۔

اس وقت سے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میرے دل میں اس کے لئے حسد، اسے جاننے اور شاید اس کے فخر کرنے کے ملے جلے جذبات تھے۔ مجھے شک تھا کہ میری ماں مجھ سے زیادہ میرے باپ سے محبت کرتی ہے۔ میں جب گاؤں کے بچوں سے لڑتا تو انہیں دھمکاتا کہ ذرا انتظار تو کرو اور دیکھو تمہارے ساتھ کیا ہوتا ہے، میرے باپ کے پاس چھ گولیوں والا پستول ہے، وہ تم سب کی ایسی تیسی کر دے گا۔ کوآ نگ میرا چھوٹا بھائی بھی لڑائی میں میرا ساتھ دیتا۔ کوآ نگ ڈیڑھ سال کا تھا، جب فرانسیسیوں کے خلاف جنگ ختم ہوئی۔ ہمارا گاؤں آزاد علاقے میں تھا۔ دعوتیں ہو رہی تھیں، جشن منائے جا رہے تھے، روس، ویت نام اور چین کی باہمی دوستی کے گیتوں سے فضا گونج رہی تھی۔

ایک رات وہ واپس آیا، میں نے ایک سایہ سا دیکھا کہ پیٹھ پر تھیلا لادے ہوئے ہے۔ اس نے کپڑے کی ٹوپی پہن رکھی تھی اور اس سے پسینے اور تمباکو کی بو آ رہی تھی۔ میری ماں اسے دیکھتے ہی چیخ مار کر روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"روؤ نہیں پلیز نہ روؤ"۔

میں نے کوآ نگ کا ہاتھ دبایا، ہم دونوں دروازے کے سامنے کھڑے تھے کہ اچانک آواز آئی:

" کوآن کوآن اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لاؤ۔ آؤ آ کر اپنے باپ سے ملو"۔ ماں نے بتی جلا دی۔

ایک ہاتھ سے اس نے کوآ نگ کو اٹھا لیا، دوسرے ہاتھ سے میرا کندھا پکڑ کر کہا: "آؤ، آؤ، اپنے پاپا سے ملو"۔ اب بھی اس سے پسینے اور تمباکو کی بو آ رہی تھی، میں نے اپنے آپ کو اس سے چھڑا لیا۔

"آؤ نا، ڈرتے کیوں ہو؟ ہمیں آپس میں دوستی کرنی ہے"۔ مگر میں تو گویا ایک بیرونی حملہ آور سے مصروف جنگ تھا۔

"اچھا اب آ جاؤ، میرے پاس جلدی سے"۔اس بار اس کا لہجہ دوستانہ تھا۔

3 edulcni$[-d:\work\mashil\hmas.hml]

یہ فائیل چیک ہو چکی ہے اس کا دوسرا پروف نکلنا ہے۔14/7/01

اس شام ہمارے گھر میں مہمان آتے رہے۔میری ماں ان کے لئے سبز چائے وغیرہ بناتی رہی، میرے باپ کے آنے کی خوشی میں خوب گہما گہمی رہی، ہنگامہ جاری تھا کہ میں اور میرا بھائی گہری نیند سو گئے۔

چندروز بعد میں نے دیکھا کہ میری ماں پھر رو رہی ہے۔مگر وہ آنسو خوشی کے نہیں تھے، شام کا وقت تھا۔میرے ماں باپ میز پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔میرے باپ نے اپنا لائٹر بڑے زور سے میز پر مارا۔غصے کے مارے اس کی شکل بگڑ رہی تھی۔میری ماں باتیں کرتے ہوئے اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔

" مگر سڑک بہت لمبی تھی اور کئی دشمن آس پاس منڈلا رہے تھے۔اس لئے اسے ساتھ لانا پڑا"۔

میرے باپ نے ایک بار پھر میز پر لائٹر مارا۔"اچھا اب چپ ہو جاؤ، بہت ہو گیا"۔میری ماں سسکیاں لینے لگی۔

"آخر وہ قصور کیا ہے کہ مجھے جس کی سزا مل رہی ہے"۔

کوآنگ ماما کے بازوؤں میں سویا تھا، شور سن کر جاگ اٹھا۔ماما اسے دلاسہ دیتی رہی اور آنسو بھی بہاتی رہی۔میرے باپ کے تیور بگڑ رہے تھے اور غصے سے ہونٹ کانپ رہے تھے۔میں ماما کی قمیص پکڑ کر اس کے قریب کھسک گیا۔اس نے مجھے اپنے پاس کھینچا اور چومنے لگی۔میرا چہرہ اس کے آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔

"میں نے کیا کیا ہے کہ یہ دکھ سہنے پڑے ہیں، تم ہمیں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔ہم نے غربت اور سارے دکھوں کا مقابلہ تنہا کیا ہے۔اب امن ہوا ہے تو تم نے جھگڑنا شروع کر دیا ہے۔میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں۔میں ماما کے گیلے گال پیار سے سہلاتا رہا۔میرا باپ غصے میں پاگل ہو رہا تھا، وہ بکتا جھکتا باہر نکل گیا اور میرے دل میں جو اس کی محبت پیدا ہونی شروع ہوئی تھی، وہ فوراً مر گئی۔میرا باپ بڑا ظالم اور بے رحم تھا۔

ان دونوں میں اور زیادہ لڑائیاں ہونے لگیں۔ماما بہت روتی تھی مگر آخر کار اس نے اونچی آواز میں رونا چھوڑ دیا۔چپکے چپکے آنسو بہاتی رہتی۔جو کام بھی کرتی آنسو بدستور بہتے رہتے، میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔میں بہت بے بس تھا کہ میری عمر ابھی صرف سات برس تھی۔

اگلے سال وہ ٹائیفائڈ سے مرگئی، لوگ کہتے تھے کہ زیادہ کام کرنے سے اسے ٹائیفائڈ ہوگیا تھا۔ میں نہیں مانتا کہ وہ مرگئی ہے، وہ میری یادوں میں ایک ایسی عورت کی طرح زندہ تھی، جس کا چہرہ حسین اور ہنسی دلکش تھی۔ بدترین حالات میں بھی اس کے چہرے کی رونق قائم رہتی تھی۔ اس نے ہمیں محبت کی زندگی کی سختیوں سے نمٹنے کی طاقت دی اور زندگی میں ہمارا ایمان راسخ کیا تھا۔

وہ اس روز سے مرنا شروع ہوگئی تھی، جب میرے باپ نے اس کے ساتھ لڑائی اور بدتمیزی کی تھی، جس کی وجہ سے ایک طویل دردناک اور صبرآزما موت اس کا مقدر بنی۔

اس کے بعد پاپا نے ہمیں پالا پوسا مگر اس میں محبت کی وہ حدت نہیں تھی، جس کے ہم عادی تھے اور شاید اسے یہ احساس بھی ہوگیا تھا کہ میرے دل میں اس کے لئے بیزاری اور نفرت ہے۔ ویسے ہمیشہ میں اس کی ہر بات مانتا رہا، اسے کبھی شکایت کا موقعہ نہ دیا۔ لیکن آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی طرف کبھی نہیں دیکھا۔

تین سال بعد میرے باپ نے ایک اور شادی کر لی۔ نئی بیوی کی عمر ۴۳ سال تھی۔ انہیں آپس میں محبت تو نہیں تھی، مگر کسی نہ کسی طرح پانچ سال گزر گئے۔ اس کے بعد میری سوتیلی ماں شہر چلی گئی۔ میں اس وقت سولہ برس کا تھا۔

بعد میں گاؤں کے لوگوں نے بتایا کہ میری ماں کے ساتھ میرے باپ کے تعلقات خراب ہونے کی وجہ کیا تھی۔ دراصل رقابت کے جذبے نے اس کا دماغ خراب کر دیا تھا۔

ہوا یہ کہ میری ماں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ گھر کیسے چلائے، اس کے پیٹ میں سات ماہ کا بچہ بھی تھا۔ پیسوں کے بغیر گزارہ ناممکن تھا۔ تو میری ماں نے یہ کیا کہ اپنے ہمسایوں کے پاس مجھے چھوڑا اور مقبوضہ علاقہ میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ تاکہ اپنے کسی رشتہ دار سے مدد لے۔ راستہ طویل اور خطرناک تھا۔ چور ڈاکو تو کہیں نہیں تھے مگر سارا علاقہ اجڑ اور بدتمیز سپاہیوں سے بھرا تھا۔ میری ماں نے اپنے کزن کوئین سے ساتھ چلنے کو کہا۔ کوئین یتیم تھا، غریب بھی بہت تھا مگر ذہین اور باہمت نوجوان تھا۔ وہ برے حالات میں میری ماں کی حفاظت کر سکتا تھا۔ میری ماں اسے ساتھ لے کر اپنے رشتہ داروں کے پاس گئی اور کچھ رقم لے آئی۔ گاؤں واپس پہنچنے پر اس نے کوئین کو چاولوں کی دو تین ٹوکریاں شکرگزاری کے طور پر دیں۔

بات اتنی سی تھی جسے میرے باپ کے ایک کزن نے سکینڈل بنا دیا۔ کبھی وہ میری ماں سے دھان مانگنے آیا تھا، مگر میری ماں نے انکار کر دیا، اس انکار کا بدلہ اس نے اس طرح لیا کہ گاؤں بھر میں میری ماں کے خلاف بکواس کرتا رہا، جھوٹ بکتا رہا۔ تو اس طرح جھوٹی باتوں سے لوگوں کی زندگی میں زہر ملایا جاتا ہے۔ مجھے اپنی ماں بہت یاد آنے لگی۔

جب میں فوج میں آیا تو اٹھارہ برس کا تھا۔ محاذ پر روانہ ہونے سے پہلے میرے والد نے مجھ

MashalBooks.org

سے کہا کہ " تمہیں یاد رہے تو جانے سے پہلے اپنی ماں کی قبر پر چند بتیاں جلا دینا"۔ میرا خون کھول گیا۔

"نہیں، بالکل نہیں"۔

میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ میری ماں بڑی بدنصیب تھی کہ اسے اس آدمی کے ساتھ زندگی گزارنا پڑی، ایسا آدمی جو جانتا ہی نہیں کہ محبت کیا ہے۔

میری ماما ہنوئی کی رہنے والی تھی۔ میرے نانا سکول میں پڑھاتے تھے اور نانی ایمبرائیڈری کا کام کرتی تھی۔ میں اور میرا بھائی، ہم دونوں صورت کے لحاظ سے اپنے والد سے افسوسناک حد تک مشابہ تھے۔ مجھے ان بچوں پر بہت رشک آتا جن کی صورتیں اپنی ماؤں جیسی تھیں۔ ایک رات میں قبرستان گیا، اپنی ماما کی قبر پر پھول چڑھائے اور بتیاں جلائیں، بتیوں کی سرخ روشنی میں گھاس تھرتھراتی نظر آئی، میرا جی چاہا کہ میں اپنا سر ایک بار پھر اپنی ماما کے بالوں میں چھپا دوں۔

میں گھر جانے کے لئے کھڑا ہوا تو میری نظر ایک سائے پر پڑی، جو مجھ سے ذرا دور تھا۔ میں چپ رہا، میرے والد نے بھی کوئی بات نہیں کی۔

صبح سویرے، ہم جدا ہو گئے، گاؤں فوجی بینڈ کی آواز سے گونج رہا تھا۔

میں جب گاؤں پہنچا تو رات ہو چکی تھی، میں نے اپنی ٹوپی اتاری اور گھر کا رستہ لیا۔ میری خواہش تھی کہ کوئی مجھے پہچان نہ سکے۔ خوش قسمتی سے گلیاں سنسان تھیں، بچے گھروں میں جا چکے تھے، عورتیں رات کا کھانا تیار کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔

گھر میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میرے والد نے ابھی تک روشنی نہیں کی تھی۔ میں نے اپنا بیگ ایک طرف رکھا اور باغیچے کی طرف بھاگا۔ ساری چیزیں اسی طرح تھیں، جیسی میں چھوڑ کر گیا تھا۔ باغیچہ، درخت اور پھول پتیاں، میں کنوئیں پر گیا اور اس میں سے پانی نکالنا شروع کیا، تاکہ صحن دھو سکوں۔

"تم ٹھیک ہو نا، کیا دھو رہے ہو؟ "میرے والد کی آواز آئی۔ میں خوش ہوا لیکن پانی نکالتا رہا، بالٹی کنوئیں کے ساتھ زور سے ٹکرائی۔

"اوہو، تم کنوئیں کا بیڑا غرق کر دو گے"۔

اپنے باپ کی کمزور آواز سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس کی صحت ٹھیک نہیں، ورنہ اسے بڑبڑانے کی کیا ضرورت تھی۔

میں نے اپنا تھیلا لیا اور گھر میں داخل ہو گیا۔ میرا باپ تاریکی میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

"پاپا"۔ اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا، کچھ دیر خاموش رہا۔"   ][یہ تم ہو کوآن، تم واپس آئے ہو؟"

"ہاں میں ابھی ابھی آیا ہوں، مگر بتی کیوں نہیں جلائی"۔

" کیا ضرورت ہے، میں ایسا کھانا کھا رہا ہوں جس میں مچھروں کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی"۔

میں چھوٹی میز پر بیٹھ گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ رات میرے اندر اتر رہی ہے۔ میں نے اپنے اندر تلخی کم ہوتی محسوس کی آخر وہ میرا باپ ہے۔

جب تک میری ماما زندہ تھی، گھر کے سارے کام خوش اسلوبی سے ہوتے تھے، وہ باغ کا خیال رکھتی، چاول کے کھیتوں میں کام کرتی اور اپنی دوستوں سے مل کر کاروبار بھی کرتی۔ اس کے بعد گھر برباد ہو گیا، میرے باپ میں کام کرنے کی خواہش تھی نہ طاقت۔ وہ ہمسایوں کی دیکھا دیکھی کھیتوں میں چلا جاتا اور کچھ کام کر لیتا۔ اسی لئے اب تک بھوکا نہیں مرا تھا۔

"تم بھی کمال کرتے ہو"۔ میں نے بگڑتے ہوئے کہا۔ "بتی تک نہیں جلائی"۔ وہ خاموش بیٹھا رہا، کچھ دیر کے بعد بولا:

" گھر میں تیل نہیں ہے، کئی دنوں سے۔ میری پنشن ابھی تک نہیں آئی"۔

مجھے اچانک خیال آیا کہ وہ اس تھوڑی سی پنشن میں گزارہ کر رہا ہے جو اسے فرانس کے خلاف لڑنے کی وجہ سے ملتی ہے۔

" کتنی پنشن ملتی ہے؟"

"ڈیڑھ گیلن مٹی کا تیل خریدنے کے لئے کافی ہوتی ہے"۔

"اچھا تم کھانا کھاؤ میں کسی ہمسائے سے لالٹین لاتا ہوں"۔

میں نے جلدی سے بال ٹھیک کئے اور سیدھا لیونگ کے گھر گیا۔

وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے۔ چھ سات افراد ایک بہت بڑی ٹرے گھیرے میں لئے ہوئے تھے، مجھے دیکھتے ہی لیونگ کے والد نے بچوں سے چاول اور چاپ سٹک لانے کو کہا۔ اس کی بیوی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ ہنس ہنس کر زور سے باتیں کرنے لگی۔ مجھے اپنے سفر کا حال پوری تفصیل سے سنانا پڑا، سارا گھر میرا ہر لفظ غور سے سنتا رہا۔

لیونگ ان کا بڑا بیٹا تھا۔ اس کے ماں باپ بھائی بہنیں سب اس کی عزت کرتے تھے۔ گھر میں نہ ہونے کے باوجود، وہی گھر کی روح رواں تھا۔ سو میں اسی کی باتیں کرنے لگا۔

میرے آنے کی خبر اتنی تیزی سے پھیلی کہ دس منٹ میں سارا گاؤں لیونگ کے گھر امڈ آیا۔ یہاں تک کہ میرا باپ بھی آ گیا اور باہر برآمدے میں ہی بیٹھ کر لی اور اس کی ماں سے باتیں کرنے لگا۔

لیونگ کے باپ نے گھر اور برآمدہ روشن کرنے کے لئے کئی لیمپ جلا دیئے، میرے گرد لوگ جمع ہو گئے اور سوالوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔

MashalBooks.org

اور میں نے مشرقی محاذ، مغربی محاذ، حساس علاقوں، خفیہ راستوں وغیرہ کے متعلق جو سنا تھا، دیکھا یا جانا تھا، سب اگل دیا۔ جنگ نے زمین کی ساری وسعتیں اپنے گھیرے میں لے لی تھیں۔ جنگ جتنی وسیع تھی، اتنی ہی انسانوں کے لئے تباہ کن تھی۔ اس گاؤں کے تمام لوگ کسی نہ کسی محاذ پر موجود تھے، وہ سارے ملک میں بکھرے ہوئے تھے۔

آدھی رات کے بعد گاؤں کے لوگ چلے گئے تو لیونگ کے ابا اور مجھ میں باتیں شروع ہوئیں۔

" تمہارا باپ بچوں جیسی حرکتیں کرتا ہے، کوئی کام نہیں کرتا، سارا دن ناریل کے درخت دیکھتا رہتا ہے، یا قبرستان میں بھٹکتا ہے۔"

"اسے کیا ہوا ہے؟ پچھلے سال کوآنگ نے مجھے لکھا تھا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے اور دھان کے کھیتوں میں کام بھی کرتا ہے"۔

لیونگ کے باپ نے گھبراتے ہوئے میری طرف اس طرح دیکھا کہ میں کانپ گیا۔ اس نے سر جھکالیا اور جیب سے ماچس نکال کر اپنا پائپ صاف کرنے لگا۔

" تمہیں شاید اس لئے پتہ نہیں چلا کہ تم محاذ پر تھے۔ تمہارا بھائی مارا جا چکا ہے، ہمیں اس کی اطلاع مئی میں ملی تھی"۔

"چلو کہانی ختم ہوئی"۔ اپنی ہنسی کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ میں نے لالٹین لی اور گھر چل دیا۔ بانس کی باڑ تک لیونگ کا باپ میرے ساتھ آیا۔

" کل میں تم سے ملنے آؤں گا"۔ کہہ کر چلا گیا۔

لیمپ لا کر میں نے میز پر رکھ دیا اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ میں لیمپ کے جھلملاتے ہوئے شعلے کو گھور رہا تھا جبکہ میرے دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

کہانی ختم ہوئی۔

کہانی واقعی ختم ہوگئی تھی، میں بار بار دہراتا رہا۔ مجھے لگا کہ میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں، پھر میری ٹانگیں میرے بازو اور سارا جسم گویا کہ شدت کا بخار ہو۔ بچے کو جنم دیتے ہوئے میری ماما کی چیخ، میرا کلیجہ چیر گئی۔ مٹی کا برتن، اس میں پانی چھلکنا اور ننھے پاؤں ہوا میں لہراتے ہوئے ٹھڈے مارتے ہوئے مگر یہ تم کیا کر رہے ہو۔ سنو، تم مر چکے ہو، خاک میں مل گئے ہو۔

میرا باپ خراٹے لے رہا تھا۔ میں اور شدت سے کانپا۔ سارے سپاہی اور کمانڈر میرے متعلق کہتے تھے کہ میرے پاس جذبات نہیں، انہیں مجھ پر ناز بھی بہت تھا اور مجھ سے ڈرتے بھی بہت تھے۔ میرے بڑے افسر بیک وقت مجھے پسند اور ناپسند کرتے تھے۔ میں بھوک پیاس، جنگ، بمباری کوئی چیز خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ مگر میرے جسم کو کیا ہوا کہ وہ مسلسل

کانپ رہا تھا۔ میں نے اپنے پاؤں پر نظر ڈالی۔ وہ میرے پاؤں نہیں تھے، اس لئے میری بات نہیں مانیں گے، میرے کہنے پر حرکت نہیں کریں گے۔

مزید خراٹے، اب انتظار ممکن نہیں تھا۔

"پاپا" میں نے اسے زور سے ہلایا۔

"جاگ جاؤ"۔

پتہ نہیں میں نے یہ رویہ کیوں اپنایا۔ لگتا تھا کہ ایسا نہ کروں تو شاید پاگل ہو جاؤں۔

"پاپا اٹھو اور مجھے جواب دو"۔

وہ اٹھ کر آنکھیں ملنے لگا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں، وہ ان لوگوں میں سے تھا کہ نیند جن کے حواس بگاڑ دیتی ہے۔ عمر رسیدہ لوگ اس طرح تو نہیں سوتے، اگر وہ تھوڑی دیر کے لئے سوئیں تو بھی بدحواس نہیں ہوتے، ان کا ذہن صاف رہتا ہے، گویا کہ زندگی کے آخری دور میں اتنے حساس ہوتے ہیں کہ آخری رخصت سے پہلے زندگی کا ہر اشارہ سمجھنے لگتے ہیں۔

"مجھے پائپ دو"۔ میں نے پائپ دیا تو اس نے ایک لمبا کش لیا۔ میں اسے گھور رہا تھا، اسے گھورتے ہوئے ایسا لگا کہ پتھر کی ایک دیوار میرے سامنے ہے، بے جان اور بے حس۔ میرے ہاتھ اور ٹانگیں بدستور کانپ رہے تھے۔ اپنے اوپر جبر کرتے ہوئے میں نے پرسکون لہجے میں پوچھا:

"میرے بھائی کی موت کا سرٹیفکیٹ کہاں ہے؟"

کچھ دیر کے لئے وہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا، پھر اٹھا اور دراز میں سے ایک لفافہ لا کر مجھے دے دیا۔

"یہ ہے"۔

لفافہ اتنا ہلکا تھا کہ جیسے خالی ہو"۔ میرا باپ بیٹھ گیا اور اپنا پائپ اٹھا لیا۔

"پائپ بہت دیر سے پی رہے ہو، پہلے میرے سوالوں کا جواب دو"۔

"بتاؤ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"تم اتنے لاپرواہ کیوں ہو رہے ہو؟"

"اچھا تو تم بتاؤ کہ مجھے کتنا لاپرواہ ہونا چاہیے"۔ میں چپ ہو گیا، یہ سوچ کر کہ اسے میری بات کی سمجھ نہیں آ سکتی۔ ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی رہے ہیں، جیسے ایک ہی کھیت میں دو تالاب تو ہوں، مگر انہیں آپس میں ملانے والی نہر نہ ہو۔ ہم دونوں کے درمیان کوآنگ آخری رشتہ تھا۔ اب تو وہ بھی نہیں رہا۔

"میرا خیال ہے تمہیں یہ تو پتہ ہوگا کہ کوآنگ فوج میں کیوں گیا تھا"۔

"اورتم۔۔۔۔۔۔۔تم جانتے ہو کہ تم فوج میں کیوں گئے تھے؟"

"میں وہ فرض پورا کرنے گیا تھا، جو میرے ملک کی طرف سے مجھ پر قرض تھا"۔

"تمہارا خیال ہے کہ وہ ایسی بات نہیں سوچ سکتا تھا"۔

"آزادی کی خاطر بہنے والے خون میں ہماری فیملی کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ میں بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے یہ فرض ادا کرنا چاہتا تھا، مگر اس کی بات اور تھی وہ بہت ذہین تھا، حساب کے صوبائی مقابلے میں اس نے سیکنڈ پرائز لیا تھا، وہ کمپیوٹر سیکھنا چاہتا تھا، اس سلسلے میں تمہیں خط بھی لکھا تھا میں نے کہ۔۔۔۔۔۔۔"

"کون سا خط؟ مجھے کسی خط کا علم نہیں"۔

"ہے، تمہیں پتہ ہے"۔

"تو تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو"۔

"میرے پاس کوآنگ کا ایک خط آیا تھا کہ وہ کمپیوٹر سیکھنا چاہتا ہے مگر یہ کہ تم اسے جنگ میں بھیجنا چاہتے تھے۔ تم نے اسے کہا کہ جنگ کے دنوں میں مستقبل ان کا ہوتا ہے جو جنگ میں حصہ لیتے ہیں۔ تم اس پارٹی میٹنگ میں بھی شریک ہوئے، جس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کوآنگ فوج میں جائے"۔ میرا باپ اپنا پائپ غور سے دیکھتا رہا، مگر کوئی بات نہ کی۔ میں بدستور بولتا رہا۔

"میں نے اس کے خط کا فورا جواب دیا، مگر شاید ڈاک کا سلسلہ ٹوٹ چکا تھا۔ میرا خط اسے نہیں ملا اور وہ فوج میں چلا گیا"۔

"اس کا حافظہ بہت اچھا تھا، وہ۔۔۔۔ "اچانک میری آواز رک گئی، الفاظ گلے میں اٹک گئے۔ پاپا سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں باغ میں جا کر ٹہلنے لگا۔ میرا بھائی میرے گلے میں باہیں ڈال کر میری پیٹھ پر لٹک جاتا اور میں اسے یونہی لئے ہوئے دور دور تک گھوم آتا۔ اس نے پاپا کی بات کیوں مانی، ظالم اور بے رحم پاپا کی بات۔

سارے خواب ٹوٹ گئے ہیں۔ سب کچھ برباد ہو گیا ہے۔ میرا خط راستے میں کہیں کھو گیا ہوگا، سیلاب سے وہ شاید سڑک ٹوٹ گئی ہو یا لائیزن ایجنٹ کی موت کی وجہ سے ادھر ادھر ہو گیا ہو۔ میں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ہمارے خاندان کی ایک نئی ابتدا ہوگی۔ میرا چھوٹا بھائی بہت ذہین تھا، وہ معاشرے میں اپنا ایک مقام بنا سکتا تھا۔ مگر اس کی قسمت کا فیصلہ اس وقت ہو گیا تھا، جب میرے باپ نے پارٹی میٹنگ میں ہاتھ کھڑا کر دیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے بیٹے کو فوج میں بھرتی کراؤں گا"۔ یعنی اپنا پورا خاندان جنگ میں جھونک دوں گا۔ میرے باپ کو بھی یہ شوق ہو گیا تھا کہ فتح کے اعزاز میں ہونے والی تقریب میں اس کا بھی ایک مقام ہو، ہے نا جہالت کی بات؟

صبح ہونے والی تھی، پہلے ایک مرغے نے اس کا اعلان کیا، پھر دوسرا، پھر تیسرا اور پھر نہ جانے کتنے ہی پرندوں کی آوازیں اس اعلان میں شامل ہوتی چلی گئیں۔

مجھے اپنی ماما یاد آنے لگی، اگر وہ آج زندہ ہوتی تو سارا نقشہ ہی اور ہوتا، میرے بھرتی ہونے کے بعد کوآنگ اپنے گھر میں رہتا۔ اپنی ماما کے پاس۔ ایک ماں کی نظر میں بڑی سے بڑی فتح بھی اتنی بڑی نہیں ہوتی کہ اس کی خاطر بیٹا قربان کر دیا جائے اور کوئی مقصد اتنا عظیم نہیں ہے کہ اس کے لئے خوشی اور مسرت کے لمحے غارت کئے جائیں۔

اگلے دن بائین کی ماں بہت سے تحفے لے آئی۔ کیلے، چاول، کیک وغیرہ، میں مشکل سے ایک گھنٹے سو سکا تھا کہ پاپا نے مجھے جگا دیا۔

"میڈم بوآ آئی ہے"۔

میڈم باہر ہی سے چلاتی ہوئی آ رہی تھی۔

" کوآن جاگ گیا ہے یا نہیں، میں اس کے لئے تحفے لائی ہو"۔

میں پھر سو جانا چاہتا تھا مگر میں نے بڑھ کر میڈم کا استقبال کیا۔

"اوہ میڈم اتنے تحفے ! یہ تو منگنی کے لئے بھی بہت ہیں"۔

"نہیں کچھ بھی نہیں ہیں، بس تمہارے ناشتے کے لئے چاول اور کیلے لائی ہوں۔ کیک وغیرہ تھوآ کی شادی کے لئے بنوائے تھے، کل اس کی شادی ہے، تم دونوں ضرور آنا"۔

" کیا؟ "میں حیران رہ گیا۔ "تھوآ کی شادی ہو رہی ہے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں اٹھارہ برس کی تو ہو گئی ہے اور اس کے سسرال بھی شادی جلدی چاہتے ہیں"۔

"حیرانی کی بات ہے، میں اور بائین جب گاؤں سے گئے تو وہ بہت چھوٹی تھی"۔

"حیرانی کی بات تو ہے مگر وقت کی رفتار بہت تیز ہے۔ ہفتے مہینے اور سال لمحوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ اپنا حال دیکھا ہے تم نے؟ شاید تمہیں پتہ ہی نہیں چلا اور بال سفید ہو گئے ہیں۔ اب شادی کر لو"۔

"بائین کی شادی ہونی چاہیے، اسکی فکر کرو، کیا پتہ کسی روز وہ چھٹی پر آ جائے"۔

" کوئی مشکل نہیں اسے بس اتنا کرنا ہے کہ گھر میں قدم رکھے تو سمجھو شادی ہو گئی"۔

"تمہارا مطلب ہے وین کے ساتھ؟"

"یقیناً تم خواب دیکھ رہے ہو"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔ "اس کی شادی کو آٹھ برس ہو گئے ہیں اور وہ اب چار بچوں کی ماں ہے"۔

"اتنے زیادہ؟ "میں ہنس دیا۔

"آٹھ برسوں میں چار بچے، اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔ اچھا یہ بات چھوڑو، بائین یاد آتا ہے، عرصہ ہو گیا ہے کہ اس کا خط نہیں آیا"۔

"ابھی گیارہ دن پہلے میں اس سے ملا ہوں"۔

میڈم کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ "کیا واقعی؟ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ اس نے کوئی پیغام بھیجا ہے؟"

"خط لکھنے کا تو اس کے پاس وقت نہیں تھا، مگر اس نے سلام کہا ہے اور یہ کہ میں سب کے لئے دعا کرتا ہوں"۔

میڈم تڑپ گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"اچھا تو آگ میں کود جانے والے ہمارے لئے دعا کرتے ہیں۔ ہمارے لئے فکر مند ہیں، کوئی پتہ نہیں کہ اسے کس وقت کیا ہو جائے اور یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ ہم اسے زندہ دیکھ بھی سکیں گے یا نہیں"۔

میڈم نے رونا شروع کر دیا۔ اسے تسلی دینے کے لئے میں نے فوجی زندگی کے قصے سنانے شروع کر دیئے۔ کب سوتے ہیں، کیا کھاتے ہیں اور کھانے کی بات تو یہ ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا ملتا ہے، تن پر کپڑے بھی ہوتے ہیں، ناچ گانا بھی ہوتا ہے، نہاتے ہیں، کھیلتے بھی ہیں، فوجی زندگی کے کتنے ہی خوشگوار پہلوؤں کا میں نے ذکر کیا تو اسے تسکین سی ہوئی اور میز پر کیک لگانے شروع کر دیئے۔

"مجھے بازار جانا ہے۔ آج شام ضرور آنا، بائین کا باپ تمہارا انتظار کرے گا"۔ اس نے گڈ بائی کہا اور اپنی باسکٹ لے کر چلی گئی۔

میں پھر سو گیا اور اتنا سویا کہ شام کے چھ بج گئے۔

"تمہیں کچھ کھانا ہے؟ تمہارے کھانے کے لئے کیا بناؤں؟" پاپا نے پوچھا۔

"میں بائین کے گھر جاؤں گا"۔

"تو اس صورت میں مجھے چان کے گھر جانا ہو گا"۔

"بہت اچھا"۔

"تالہ لگا کر چابی مجھے وہیں پہنچا دینا"۔

"اب اس گھر میں تالہ لگانے کے لئے کیا رکھا ہے؟"

"ان دنوں چوری کے کئی واقعات ہوئے ہیں، چور اب برتن بھی اٹھا لے جاتے ہیں"۔

"اچھا تو ٹھیک ہے میں چلتا ہوں، تالہ لگا کر چابی اپنے پاس ہی رکھ لو"۔

گھر سے نکل کر ہم دونوں کچھ دور تک خاموش چلتے رہے۔ ایک موڑ سے پاپا نے چان کے

گھر کا رخ کیا اور میں بائین کی طرف روانہ ہو گیا۔

بائین کا گھر گاؤں کے بہت اچھے گھروں میں سے تھا۔ مہمانوں کے آرام کے لئے سب چیزیں موجود تھیں، یہاں تک کہ کھانا بھی ایک بڑے کمرے میں دیا جاتا تھا، جس میں کئی روشنیاں تھیں اور خوب آراستہ تھا۔

"خوب دیر کر کے آئے ہو، میں تھوآ کو تمہاری طرف بھیجنے ہی والی تھی"۔ میڈم نے مجھے ملامت کرتے ہوئے کہا۔

"میں سو گیا تھا"۔

ستون کی آڑ میں سرخ گالوں اور چمکتی ہوئی آنکھوں والی ایک لڑکی کھڑی تھی۔

"کوآن تم کتنے بدل گئے ہو"۔

وہ بائین کی چھوٹی بہن تھوا تھی، میں اسے پہچان ہی نہ سکا۔

مجھے سلام کرنے کی بجائے اس نے اپنی زبان باہر نکال دی۔ "یہ کیا حرکت ہے، تم ابھی تک ننھی بچی بنی ہوئی ہو، جبکہ تمہاری شادی میں صرف دو دن رہ گئے ہیں"۔

"مذاق کی بات اور ہے"۔ اس کے گال اور سرخ ہو گئے۔

"شادی کا معاملہ یہ ہے کہ کوئی مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا، سو میں نے اس کی بات مان لی"۔ اسی وقت بائین کا والد آ گیا۔

"آؤ کوآن تم کیسے ہو؟ اور تم شریر لڑکی بڑے بھائی کا مذاق اڑاتی ہو؟ " تھوآ کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

تھوآ مجھے اشارہ کرتی ہوئی بھاگ گئی۔ اب وہ ایک بہت خوبصورت جوان لڑکی تھی۔ ہم تینوں کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔ بچوں کیلئے الگ ٹیبل لگایا گیا۔ کھانا پر تکلف تھا۔ چاولوں سے خاص قسم کی شراب کشید کی گئی تھی اور کراکری بھی شاندار تھی۔ ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ تفصیل سے بیان ہو سکے تو کسی چینی کلاسیک کی ضیافت کا گمان ہو۔ کھانا کھانے کا طریقہ بھی الگ تھا۔

"ہاتھوں سے کھانا کھائیں گے۔ میری بیوی بھی یہی طریقہ پسند کرتی ہے، یہ کیا کہ گوشت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بیٹھے کاٹتے ہیں اس کوشش میں گوشت کا سوپ بھی ضائع ہوتا رہتا ہے۔ چلو شروع ہو جاؤ، تکلف نہیں کرنا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے بطخ کی ٹانگ توڑی اور چٹنی میں ڈبو کر منہ میں رکھ لی۔

"ہم بہت دیر تک بیٹھے رہے اور ملکی اور مقامی مسائل پر بحث کرتے رہے۔ ایک بار بھی بائین کے باپ نے اپنے بیٹے کی بات نہیں کی۔ اس کے سولہ بچے تھے، چھ بیٹے اور دس بیٹیاں۔

بائین ان میں سب سے بڑا تھا، اس کے پیدا ہونے پر ایک بڑی شاندار دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔

ہم مزے سے باتیں کر رہے تھے کہ پارٹی کا سیکرٹری لی نامی شخص ڈائنگ ہال میں داخل ہوا۔

"ہیلو! بہت دنوں بعد ہمارا ایک ہیرو جنگ سے واپس آیا ہے"۔

مسٹر بوہو اس کی آمد پر بجھ سے گئے۔

"آؤ مسٹر لی تم بھی شامل ہو جاؤ"۔ انہوں نے اسے دعوت دی، پہلے تو مسٹر لی کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے، مگر فوراً ہی وہ مسکرانے لگا۔

"ضیافت تو بہت خوب ہے، مگر مجھے پارٹی کی ایک بہت اہم میٹنگ میں جانا ہے کوآن، تمہیں گاؤں سے گئے ہوئے دس سال ہو گئے ہیں، اب واپس آئے ہو تو میں چاہوں گا کہ تم پارٹی کے لوگوں سے ملو، باتیں کرو اور اس کے بعد گاؤں کے لوگوں کو اپنے خیالات بتاؤ"۔

" مگر مجھے تو پبلک جلسوں میں تقریریں کرنا نہیں آتیں، ہم سپاہی تو بس لڑنا جانتے ہیں"۔

لی نے شراب کا گھونٹ لیا، پھر بطخ کو چیرا، پھاڑا اور ہنسنے لگا۔"اسی لئے تو تمہاری تقریر دلچسپ ہوگی۔ پارٹی کے لوگ تو اپنی پرانی تقریریں دہراتے رہتے ہیں، تم بات کرو گے تو لوگوں کو یقین آئے گا۔ لوگوں سے اپنی فتوحات اور اپنی کامیابیوں کی بات کرو گے تو ان میں نئی امنگ پیدا ہوگی اور وہ آنے والی فصل کے لئے خوب محنت کریں گے۔ لی اپنی بطخ چبانے میں لگ گیا۔

"آج تو میں مسٹر بوو کی دعوت پر حاضر ہوا ہوں، ابھی ہم نے اپنے کپ اٹھائے ہی تھے۔ میں کوئی خبر سنانا چاہتا تھا، بائین اور میں بچپن کے دوست ہیں"۔

"میں جانتا ہوں"۔ لی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔"میں کل شام۔۔۔۔۔۔۔۔"

"پلیز سمجھنے کی کوشش کرو"۔ میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔"میں لڑنا جانتا ہوں، تقریریں کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے"۔

" فکر نہ کرو، ہم ضروری باتیں پہلے طے کر لیں گے، سب سے اہم بات پارٹی لائن کو سمجھنا ہے"۔

"یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں وطن کو سلام کرنے سے ابتدا کروں اور پھر تم اپنی تقریر شروع کر دو"۔

"اس کے متعلق میں غور کروں گا"۔

مسٹر بوہو نے بطخ کا ایک بہت بڑا ٹکڑا لیا اور لی کی پلیٹ میں رکھ دیا۔

"پلیز اسے چکھو تکلف نہ کرو"۔

میڈم نے اس کا پیالہ شراب سے بھر دیا۔"میں نے الکوحل میں جڑی بوٹیاں اور وٹامن

خوب ملائے ہیں"۔

دونوں میاں بیوی بے حس وحرکت بیٹھے تھے اور پارٹی کے سیکرٹری کا کھانا دیکھ رہے تھے۔

بدمزہ ہو کر میں نے اس کے ساتھ پینی شروع کر دی۔ ہمارے پاس ایک دوسرے سے کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ لی نے بطخ کا ایک اور بڑا ٹکڑا ہڑپ کیا اور کھڑا ہو گیا۔

"میں معافی چاہتا ہوں مجھے ایک بہت ضروری کام ہے۔ پارٹی کی سٹیڈنگ کمیٹی میرے انتظار میں ہے۔ کوآن میری تجویز پر غور کرنا، ہم کوئی صورت نکال لیں گے"۔ وہ مڑا اور صحن کی طرف جانے لگا، میڈم اس کے ساتھ بھاگتی ہوئی گیٹ تک اسے پہنچانے گئی۔

"میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی بونا ڈکٹیٹر اس بے شرمی کے ساتھ سر پر سوار ہو جائے"۔

"جانے دو، کوئی بات نہیں، ہم اپنی شام کیوں خراب کریں"۔

مگر مسٹر بو ہو نے اپنی بات جاری رکھی۔ "پہلے یہ ہوتا تھا کہ دس میں سے کم از کم سات ممبر ایماندار اور مہذب ہوتے تے، بدترین حالات میں بھی انہیں اپنی عزت کا خیال رہتا تھا۔ اب جنہیں اقتدار ملا ہے وہ بالکل جاہل ہیں۔ ان کا کوئی اخلاقی ضابطہ نہیں، کہنے کو وہ مارکسزم اور لینن ازم کا دعوی کرتے ہیں۔

"بس رہنے دو کوئی مصیبت نہ کھڑی کر لینا۔ حکومت ان کی ہے، ہم کیا کر سکتے ہیں۔" میڈم نے بطخ کا بازو توڑتے ہوئے کہا۔ بطخ کا بازو میڈم نے اپنے شوہر کی پلیٹ میں رکھ دیا۔ "اسے چکھو بہت عمدہ ہے"۔

ہم کھیتی باڑی فصلوں اور ان کی پیدوار کی باتیں کرتے رہے، کھانا ختم ہوا تو سب سے چھوٹا بیٹا باودآیا۔

"پاپا آج میری باری ہے کہ آپ بطخوں کی دیکھ بھال کریں گے"۔

"میری باری ہے تم اپنا ہوم ورک کرو اور دیر تک جاگنا نہیں ہے"۔ مسٹر بو نے میری طرف مڑ کر کہا۔

"بہت دن ہو گئے کہ تم نے اپنا گاؤں نہیں دیکھا، آج رات میرے ساتھ کھیتوں میں گزارو، وہاں ہم جو باتیں چاہیں گے کریں گے"۔ پھر میڈم سے کھانے پینے کی چیزیں پیک کرنے کو کہا۔

ایک گھنٹے کے بعد ہم کھیتوں میں تھے، ابھی میں اس چھوٹے سے خیمے کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ آواز آئی:

"پاپا کیا تم آئے ہو؟"

"ہاں میں ہوں، کہو تمہیں بھول لگی ہے؟"

"ہاں، مگر تھوڑی سی، تمہارے ساتھ کون ہے؟"

" کوآن ہے تم اسے پہچانتے ہونا؟ "اتنی دیر میں کوئی آ کر میرے گلے لگ گیا۔

"یہ تم ہو کوآن؟ "میں اس کے مضبوط بازوؤں میں جکڑا ہوا خاموش کھڑا رہا۔ میں نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اور پہچان لیا کہ وہ بنہہ ہے۔ تھوآ سے صرف ایک سال بڑا۔

"تم بڑے ہو گئے ہو"۔ وہ ہنسنے لگا۔ "بائین میرے بھائی سے ملاقات ہوئی۔ اب وہ کیسا لگتا ہے؟"

"بالکل میری طرح"۔ میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"بطخوں کے قریب نہ آنا، ان کے انڈے نہیں چرانے ہیں"۔

دراصل میں اور بائین بطخوں کے انڈے چرایا کرتے تھے۔ بازار میں انہیں بیچ کر ٹافیاں اور کریم وغیرہ خرید لیتے تھے۔ اس آمدنی سے تھوڑا سا حصہ بنہہ کو بھی مل جاتا تھا، وہ ان پیسوں سے اپنے کھیلنے کی چیزیں خرید لیتا تھا۔

" گھر جاؤ اور کھانا کھاؤ"۔

"میں جا رہا ہوں، مگر کل کا دن تم میرے ساتھ گزارو گے، ایک دن کم از کم"۔

میں اس وقت تک اسے دیکھتا رہا، جب تک کہ وہ دوڑتا ہوا تاریکی میں غائب ہو گیا۔

ہم دونوں ٹینٹ میں بیٹھ گئے، باہر کا موسم سرد اور مرطوب تھا۔ بہت دیر تک ہم خاموش بیٹھے چائے پیتے رہے۔

"بائین کا کیا حال ہے؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"میرا خیال ہے وہ کسی مصیبت میں ہے، ورنہ وہ خط ضرور لکھتا۔ سچ سچ بتاؤ، اسے کیا ہوا ہے؟"

" فکر کی کوئی بات نہیں، وہ زندہ ہے اور خوش ہے"۔

"میں اوروں کی طرح نہیں ہوں کہ اپنے بچوں کو بھرتی کروا دوں اور ان سے یہ امید وابستہ کروں کہ وہ فتح کے نشے میں سرشار واپس آئیں، ورنہ وہیں خاک میں مل جائیں۔ میں خودغرض نہیں ہوں، بزدل بھی نہیں ہوں، میں نے کبھی بچوں کو یہ بات نہیں سکھائی کہ وہ ملک کے معاملے میں اپنے فرائض پورے نہ کریں"۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جو باتیں تم نے میڈم کو بتائیں تھیں، اس نے ان کا ذکر مجھ سے کیا ہے، تم نے ٹھیک کیا کہ اسے کوئی بری خبر نہیں دی۔ عورتیں جھوٹی خبر کو بری خبر سے اچھا سمجھتی ہیں۔ مگر کوآن میں اس کا باپ ہوں"۔

ستاروں کی روشنی میں، میں نے اس کا پرعزم چہرہ دیکھا تو محسوس ہوا کہ میں اس سے کوئی بات چھپا نہیں سکوں گا۔ میں نے چائے کا کپ خالی کیا اور بات شروع کی۔

رات گزر رہی تھی اور ہر طرف سکوت کا عالم تھا۔ کبھی کبھی ہوا کی سائیں سائیں اور بطخوں کی آواز سے سکوت ٹوٹتا۔ میں بول رہا تھا مگر کیا میرے گلے سے نکلنے والی آواز میری ہی تھی، اس پر کسی اجنبی آواز کا گمان ہوتا تھا۔ بے جان آواز اور بے روح کہانی۔ کہانی سناتے ہوئے میں یادوں کے بھنور میں پھنس گیا۔ میں پانچ سال کا تھا کہ میں نے توپوں کی گرج سنی اور آسمان پر شعلے لپکتے دیکھے۔ پچیس برس کا ہوا تو خون اور کیچڑ میں لوٹنے لگا۔ میں اس عذاب کی اذیت سہہ رہا تھا اور دور کھڑا اپنا تماشہ بھی دیکھ رہا تھا۔ لاپرواہی کے ساتھ۔ جس لاپرواہی اور بے تعلقی سے میں نے بائین کی کہانی سنائی بائین کے والد کو بہت دکھ ہوا مگر وہ خاموش رہا۔

"تو وہ فوج سے جان کیوں نہیں چھڑا لیتا؟"

"وہ ایسا نہیں کرے گا، اسے بدنامی کا ڈر ہے"۔

"بے شک وہ ہمیں بدنامی سے بچانا چاہتا ہے۔ اسے کب قید کیا گیا ہے؟"

"وہ چھ سال سے قید میں ہے"۔

"میرا مظلوم بچہ، اس کی بھرپور جوانی۔۔۔۔کوآن، ہم گاؤں کے لوگوں نے اپنے آپ کو مار ڈالا ہے، اپنی خواہشوں کو کچل دیا ہے۔ مگر جرنیل جہاں بھی جائیں، شمال میں کہ جنوب میں وہ اپنی ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔ مگر کسی میں جرائت نہیں کہ انہیں ٹوکے یا ان کی بات کرے یہ جرئات مجھ میں بھی نہیں حالانکہ میرے مزاج میں بغاوت کی کمی نہیں۔ میں تمہیں یہاں اس لئے لے آیا کہ آزادی سے بات تو کریں۔ ایک زمانے سے ہم دکھ اور مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں، کتنے لوگ مارے جا چکے ہیں، کتنوں نے آزادی کے لئے اپنی جانیں قربان کی ہیں۔ سامراجی تو ویت نام سے چلے گئے ہیں، مگر ان کے جاتے ہی ہمارے بونے بادشاہ ہم پر مسلط ہو گئے ہیں۔

"یہ بات ٹھیک ہے"۔

" مگر کوآن، یہ بات ہم دونوں کے درمیان رہنی چاہیے۔ خبردار جو کسی سے کچھ کہا۔ کسی کا اعتبار نہ کرنا، اپنے بھی جاسوسی کرتے ہیں، جبھی تو ان کی صورتیں مسخ ہو گئی ہیں"۔

مرغابی ایک چیخ کے ساتھ پانی میں کودی اور نہانے لگی۔ دھند اور گہری ہو گئی، میں سردی سے کانپنے لگا۔

" کیا خیال ہے اس بار جاڑا جلدی آئے گا؟"

"یہی لگتا ہے"۔ بوہو نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس دھند سے فصلوں کو بہت نقصان پہنچے گا"۔

کچھ دیر کے لئے میں چپ ہو گیا۔ "مجھے اپنی ماما بہت یاد آتی ہے"۔

"ضرور یاد آتی ہوگی، بہت خوبصورت تھی اور بہت باوقار۔ بس تمہاری قسمت بری تھی"۔

تم شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ ہم دونوں میاں بیوی تمہارا ساتھ دیں گے"۔

"مجھے واپس جانا ہے"۔ میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

" کوئی نہیں جانتا کہ جنگ کب ختم ہوگی"۔

"شادی سے کیا حاصل ہوگا، سوائے اس کے کہ ایک اور عورت بیوی بن کر برباد ہو جائے"۔

"ایسا کیوں سوچتے ہو۔ جو عورت اپنائی نہیں جاتی وہ بھی اتنا ہی دکھ سہتی ہے جتنا کہ کسی کی راہ دیکھنے والی۔ شادی کر لو تمہارا بیٹا ہوگا جو وارث ہوگا اور کسی عورت کی زندگی کا سہارا"۔

"میں شادی نہیں کر سکتا"۔

" تمہیں کسی سے محبت تھی"۔

"ہاں مس ہوآ سے میری ملاقات رہتی تھی"۔

" مجھے یاد ہے ہائین کی بڑی بہن ہوآ۔ جانے دو وہ نہیں ہو سکے گا"۔

"اس کی شادی ہوگئی ہے کیا؟"

"شادی ہو جاتی تو اچھا ہوتا۔ وہ بے چاری پیاری سی لڑکی بہت خوار ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ماں باپ نے بھی اسے گھر سے نکال دیا ہے"۔ میں یہ سن کر کانپ گیا۔

"اس بنجر پہاڑی پر اس نے پناہ لی ہے"۔

" تمہیں سردی لگ رہی ہے؟ آؤ کچھ کھائیں پئیں"۔

میرا دماغ تو جیسے سن ہو گیا تھا، مگر الکوحل کے گھونٹ نے میرے اندر آگ لگا دی۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک ویران چھوٹا جھونپڑا بار بار آنے لگا۔ نیچے دریا بہہ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہم آئیڈیل لڑکی کے متعلق اکثر بات کرتے ہیں۔ شاید ہوآ ہی میرا آئیڈیل تھی۔ آئیڈیل نہیں تھی تو بھی میں اسے پیار تو کرتا تھا، گاؤں بھر میں اس جیسی حسین کوئی لڑکی نہیں تھی۔

مسٹر تائین نے سے وائلن کے ساتھ گانا سکھایا تھا، اس کے گیت اب بھی میرے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ اسکول میں وہ مجھ سے ایک سال جونیئر تھی۔ اسکول کے لڑکے اکثر مجھے چھیڑا کرتے۔ یہ کہتے کہ میں ہوآ سے شادی کروں گا۔ ہم دونوں کو بدنام کرنے کے نت نئے طریقے سوچتے، جس سے مجھے بڑی گھبراہٹ ہوتی تھی۔ آخر انہوں نے مجھے بلیک میل کر ہی لیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ میں ہوآ کے کپڑوں پر کوئی چیز پھینک کر انہیں گندا کر دوں تو انہیں یقین آ جائے گا کہ مجھے اس سے محبت نہیں ہے اور وہ ہم دونوں کی جان چھوڑ دیں گے۔ میں نے یہی کیا۔ ہوآ کے

MashalBooks.org

کپڑے خراب ہوئے تو ان بدمعاشوں نے زور زور سے قہقہے لگائے۔ ہوآ کی آنکھیں مجھ سے چار ہوئیں تو وہ سمجھ گئی کہ یہ حرکت میری ہے، اس احساس کے ساتھ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ہوآ نے اس وقت مجھے جن نظروں سے دیکھا تھا، انہیں میں کبھی فراموش نہیں کر سکا۔ آج بھی وہ نظریں یاد آتی ہیں تو دل ڈوبتا ہے۔ ان باتوں کے باوجود، ہم آپس میں محبت کرتے رہے۔ اگر ہوآ بہت شرمیلی تھی تو میں بالکل بدھو تھا۔ میں غریب تو تھا ہی مگر ماما کی موت نے مجھے اور غریب کر دیا۔

میں وہ رات کبھی نہیں بھول سکتا جو ہم دونوں نے دھان کے کھیت میں گزاری۔ رات بھر ہم باتیں کرتے رہے، وفا کے عہد و پیمان ہوئے، میں محاذ جنگ پر جانے ہی والا تھا۔

"تم مجھے خط لکھا کرو گے؟"

"ضرور لکھوں گا"۔

"تم کتنے ہی دیہات اور شہر گھومو گے، بہت سی عورتوں سے بھی ملو گے، تو مجھے بھول جاؤ گے؟"

"نہیں، میرے لئے تم ہی سب کچھ ہو"۔

وہ مجھ سے ذرا دور ہو کر بیٹھ گئی اور کچھ سوچ کر ہنسنے لگی۔ چاند نہیں نکلا تھا، ستارے بادلوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے، تاریکی کے باوجود اس کا چہرہ کندن کی طرح چمک رہا تھا۔ میری خواہشات میرے اندر تلاطم برپا کر رہی تھیں کہ اچانک اس کا چھوٹا سا خوبصورت ہاتھ میری طرف بڑھا۔

"نہیں پلیز نہیں ہماری شادی تو نہیں ہوئی ہے۔ میرے ماں باپ مجھے گھر سے نکال دیں گے"۔

اچانک میری آنکھوں کے سامنے ایک نوجوان خوبصورت عورت ابھری۔ اپنی بغل میں پیٹ دبائے۔ اداس، پریشان، لڑکھڑاتی ہوئی اور درد سہتی ہوئی۔۔۔۔ میں تو محاذ پر چلا جاؤں گا۔ وہ تنہا رہ جائے گی۔ وہ اسے اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیں گے، اس سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے اور قدم قدم پر اس عورت کی توہین ہوگی، جس سے مجھے محبت ہے۔ یہ سوچتے ہی درد کی ایک شدید لہر میرے دل کے پار ہوگئی، میں نے مضطرب ہو کر اسے گلے لگا لیا۔

"تو کب؟ ہم شادی کب کریں گے"۔

"جلدی کریں گے، جتنی جلدی ہو سکا، میں چھٹی لے کر آؤں گا۔ ہماری شادی بہت سادہ ہوگی"۔

"تم میرا انتظار کرو گی؟ "میں نے اس کا بازو سہلاتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گی"۔

دس سال گزر چکے تھے۔ "میں تمہارا انتظار کروں گی"۔ میں نے پہاڑی پر جانے کا فیصلہ کیا، میں جس لڑکی سے محبت کرتا تھا، اسے دنیا نے تنہا کر دیا ہے۔ مگر مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے نہیں۔

تمام دن میں لوگوں سے کتراتا رہا، میں نہیں چاہتا تھا کہ میرا وقت ضائع ہو اور میرے پروگرام میں کھنڈت پڑے۔

چاند آج رات بھی نہیں نکلا تھا۔ چند ستارے تھے بجھے ہوئے، دھندلے سے۔ میں دھان کے کھیتوں سے گزرا تو محسوس ہوا کہ میرے بچپن کی مہک چارسو پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ کئی چیزیں پہلے جیسی نہیں رہی تھیں۔ کیڑے مارنے والی زہریلی دواؤں سے دیہات اسی طرح اجڑے ہیں جس طرح بموں کی بارش سے۔

نصف گھنٹے کے بعد میں پہاڑی کے قریب پہنچا۔ آس پاس جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں، اس سے پہلے میں یہاں کبھی نہیں آیا تھا۔ تاریکی میں چلتے ہوئے میری آنکھیں تاریکی سے مانوس ہو چلی تھیں۔ میں راستہ ٹٹولتے ہوئے مرچوں کے کھیت میں سے گزرا۔ نیچے دریا بہہ رہا تھا۔ اس کا سکوت اور حسن دونوں دلآویز تھے۔ کبھی کبھی کوئی مچھلی پانی کی سطح پر نمودار ہوتی۔

میں پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میں ہوآ سے مل سکوں گا۔ دور سے ہی میری نظر ایک جھونپڑے پر پڑی تو میں نے طے کر لیا کہ وہ ہوآ کا ٹھکانہ ہے۔ وہاں کوئی روشنی تھی نہ آواز۔ میں نے ایک پتھر اس امید پر پھینکا کہ شاید اس کے جواب میں کتا بھونکے، مگر نہیں کوئی آواز نہیں، کوئی جواب نہیں تو کیا ہوآ یہ جگہ چھوڑ گئی ہے، وہ کہیں اور چلی گئی ہے۔ میں انہی وسوسوں میں الجھ گیا تھا، مگر مجھے یہ یقین بھی تھا کہ میں اسے یہیں کہیں ڈھونڈ لوں گا۔ اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ کہیں جا سکے، اس کے پاس مطلوبہ کاغذات نہیں تھے۔ کہیں اور جا کر رہنے کے لئے سرٹیفیکیٹ حاصل کرنا بھی ممکن نہیں تھا، سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے پاس پیسے بھی نہیں تھے۔ پہاڑی کے ساتھ زنجیروں سے بندھی ہوئی بے یارومددگار ہوآ۔

میں خاموشی اور احتیاط سے آگے بڑھا، راستہ بنانے کے لئے ٹوٹی اینٹیں دونوں طرف لگائی گئی تھیں۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے آہستہ سے کہا:

"ہوآ میں آیا ہوں"۔ میری ہلکی سی آواز رات کا سکوت توڑتی ہوئی پہاڑی میں بکھر گئی۔ کوئی جواب نہیں آیا۔ اپنی آواز میں بولتی ہوئی تنہائی نے مجھے اداس کر دیا۔

"ہوآ، میری بات سنو"۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" ایک مدہم آواز مگر تیز لہجے میں کسی نے پوچھا۔

ایک لمحے کے لئے جیسے میں سن ہو گیا۔ آواز کی سمت جاتے ہوئے میں نے پکارا:

MashalBooks.org

"ہوآ "میں اندھوں کی طرح ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا۔ اچانک میں نے اس کی آواز سنی:

"دفع ہو جاؤ یہاں سے"۔

اس کی آواز کمزور مگر بھری ہوئی تھی۔ میں رک گیا۔ کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر میں تیزی سے آواز کی سمت بڑھا۔ گو کہ یہ آواز اس لڑکی کی آواز جیسی نہیں تھی، جس سے میں محبت کرتا ہوں۔

کونے میں ایک سایہ سا سمٹا ہوا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا تو میرا ہاتھ ایک جسم سے ٹکرایا۔ ایک چیخ کی آواز آئی اور اس نے میرا ہاتھ ایک طرف دھکیل دیا۔ میں بانس کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ وہ سسکیاں لینے لگی۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے میں اسے بار بار کہتا۔

"ہوآ۔۔۔ چپ ہو جاؤ، چپ ہو جاؤ"۔ مگر اسے تو دس برس کی بھڑاس نکالنی تھی۔ میرے دلاسہ دینے نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑسکتا تھا۔ دس برسوں میں اس کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔

وہ روتی رہی اور میں بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ دس برس کے دکھوں کی کیا تلافی ہو سکتی تھی۔

"ہوآ چپ ہو جاؤ نا"۔

"اب ہم بچے نہیں ہیں، میں اٹھارہ برس کا تھا جب تم سے جدا ہوا تھا۔ اب اٹھائیس برس کا ہوں۔ میرے بال بھی سفید ہونے لگے ہیں"۔ میں اس کے آنسو پونچھتا رہا اور وہ سسکیاں لیتی رہی۔ اس نے اپنا چہرہ میری گردن میں دے دیا اور میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

"تم بھی اب ستائیس برس کی ہو گئی ہو۔ سیانے کہتے ہیں کہ تیس برس کی عمر میں انسان اپنی زندگی کو نئی ترتیب دیتا ہے"۔

اس نے سر ہلا کر تائید کی۔

"اب ہم بچے تو نہیں ہیں نا"۔ اس نے پھر سر ہلایا۔ وہ بدستور میرے بالوں میں اپنی انگلیاں ڈالے ان سے کھیل رہی تھی۔

"ہم نے کوئی غلطی نہیں کی، میرا کوئی قصور نہیں، تم بھی بے قصور ہو، سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے"۔ میں نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے، وہ پھر رونے لگی، سسکیاں لیتے ہوئے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ میرے ساتھ لگ گئی، اس کے ہاتھوں میں میرے ہاتھ تھے۔

"رونا نہیں ہے، میری بات سنو"۔ پتہ نہیں پھر میں کیا کہتا رہا، کیسی باتیں کرتا رہا، مجھے اندازہ نہیں، مجھ سے صحیح طریقے سے بات ہو ہی نہیں رہی تھی۔ اسے میں نے اپنے بازوؤں میں لے رکھا تھا، اسے احساس تھا کہ وہ مجھ سے بہت قریب ہے، یہ بات اسے بہت عجیب لگ رہی

تھی۔

دیر تک اس نے اپنا سر میرے سینے سے لگائے رکھا اور میری انگلیوں سے کھیلتی رہی، اے کاش کہ دس برس کی جدائی کا کوئی مداوا ہوتا۔ اے کاش کہ وہ خلیج ہم عبور کر سکتے جو وقت نے ہم دونوں کے درمیان حائل کی تھی۔

میری دردناک ذہنی کیفیت میں سے ایک خیال ابھرا اور میرا دل بیٹھ گیا۔ ذہن منتشر ہو گیا۔ گھبرا کر میں نے اپنے آپ کو رات کے حوالے کر دیا، جس کی تاریکی اور گہرائی بے پایاں تھی۔

پرندوں کے چہچہانے سے رات کا سکوت ٹوٹا تو میں نے ہوآ پر ایک نظر ڈالی، وہ اب بھی بڑے سکون سے سو رہی تھی۔ میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ رات رخصت ہو چلی تھی۔ سگریٹ کے چند کش لے کر میں پرسکون ہو رہا تھا کہ آسمان کی سرخی نے مجھے میدان جنگ کے دھوئیں اور خون کی یاد دلا دی۔

اس عورت کی محبت اور اس سے وابستہ پرانی یادوں نے میرا دماغ سن کر دیا تھا، وہی پرانا منظر آنکھوں میں تیرنے لگا، وہی کھیت، وہی رات جب ہم دنیا سے بے نیاز ہو کر پیار اور محبت کی باتیں کر رہے تھے۔ مگر اب منظر بدل گیا تھا۔

ہوآ۔۔۔ ماں بننے والی ہے وہ کون تھا؟ مجھ میں اتنی جرأت نہ تھی کہ میں اس کا نام پوچھ سکتا۔ مگر نہیں ہم بھول نہیں سکتے، ہونی کو انہونی نہیں کر سکتے، دریا کو دھکیل کر واپس نہیں بھیج سکتے۔

اب مجھے کیا کرنا ہے۔ لوگوں کی نظروں سے بچتا ہوا پھر یہاں آؤں گا۔ رات کی تاریکی میں لوگوں سے تو بچ سکتا ہوں، مگر اپنے آپ سے نہیں بچ سکتا۔ اپنے آپ سے بھاگ کر کہاں جاؤں گا۔ میں شاید اب اس سے پہلے جیسی محبت بھی نہ کر سکوں کیونکہ ہم دونوں کے درمیان ایک اور شخص آ گیا ہے۔ ہم دونوں نے مل کر جو خواب دیکھا تھا وہ ٹوٹ چکا ہے۔

لیونگ کے گھر والوں نے میرے لئے الوداعی دعوت کا اہتمام کیا، اس کا مقصد گاؤں کو لیونگ کی ترقی سے باخبر کرنا بھی تھا۔ دوست، عزیز، رشتہ دار، ہمسائے سبھی اس دعوت میں امڈ آئے تھے۔ بہت شاندار کھانا دیا گیا۔ کئی قسم کی ڈشیں تھیں، سوپ تھے، جوس بھی تھا، ہر پہلو سے ایک بڑی ہی شاندار ضیافت کا انتظام کیا گیا تھا۔

"ایک دن آئے گا کہ لیونگ جنرل بن جائے گا"۔

"امن ہو تو اس خاندان کی ہر نسل جینئس پیدا کرتی ہے۔ جنگ ہو تو مارشل پیدا ہوتے ہیں"۔

"جب لیونگ واپس آئے گا تو گائے ذبح کرنی ہوگی۔ میں سرکاری عملے کو رشوت دے کر بجلی مہیا کر لوں گا۔ ایک ایک ہزار واٹ کے بلب لگاؤں گا۔ ہر طرف روشنی کا سیلاب ہو گا"۔

بائین کا باپ ایک طرف ہو کر کونے میں بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر متانت تھی اور وہ

خاموشی سے سب کی باتیں سن رہا تھا۔

مہمان بڑھ بڑھ کر ڈشوں پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ان کے چہرے خوشی سے دمکتے تھے۔ ان کی گپ شپ کا موضوع کیپٹن کمانڈر اور جنرل تھے۔مسٹر بوہو نے کچھ نہیں کھایا۔ وہاں لوگ اسے بھول گئے تھے، کوئی اور ضیافت ہوتی تو وہ سب کا مرکز نگاہ ہوتا۔

کوئی تو ہوتا جو انسانوں کو جینے کا شعور دیتا، انہیں بتا سکتا کہ اپنے بچوں کی پرورش کیسے کریں، محبت کے آداب کیا ہیں، اپنی فصلوں اور مویشیوں کا خیال کیونکر رکھتے ہیں۔سخت سردی کے موسم میں آگ کی تپش کتنی کشش رکھتی ہے اور۔۔۔۔اور۔۔۔۔

مسٹر جوہو بدستور خاموش بیٹھے تھے، مجھے ان کھیتوں کا خیال آیا جہاں بیٹھ کر ہم دونوں نے باتیں کی تھیں۔ایسا محسوس ہوا کہ الکوحل کے ساتھ اداسی بھی میرے اندر اتر رہی ہے۔

"آؤ کوآن، تمہیں کل جانا ہے، آؤ کچھ باتیں کریں"۔کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اوہیلو کامریڈ لی"۔اس کے ہونٹ چکنائی میں تر تھے۔وہ میرے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"ہمیں اس دن کا انتظار ہے جب تم اپنے کارناموں سے اس گاؤں کا نام روشن کرو گے"۔

" مگر میں نے تو ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا"۔

" کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مجھ میں لیونگ جیسی خوبیاں نہیں ہیں، میں تو۔۔۔۔ "میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں ہیں تو پیدا کرو، ہم ویت نامیوں کی شجاعت کے قصے بہت پرانے ہیں اور اب تو ہم مارکس کے جدلیاتی میٹریل ازم سے مسلح ہیں، ہمیں کون شکست دے سکتا ہے؟"

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، آؤ کچھ کھائیں"۔

"میں کھا چکا ہوں۔انہوں نے ہمارے لئے خصوصی انتظام کیا تھا۔ میں تو تم سے باتیں کرنے آیا تھا، ہماری میٹنگ میں تم نے جس طرح حصہ لیا، اس کا شکریہ بھی تو ادا کرنا تھا"۔

"اوہ، وہ کوئی بات نہیں"۔

"بہت اہم بات ہے کہ محاذ سے آنے والے ہمیں اپنے تجربات بتائیں، تمہارا شکریہ کہ تمہاری وجہ سے ہمارا پروپیگنڈہ کامیاب ہوا، اس میٹنگ کے بعد اٹھائیس نوجوانوں نے بھرتی کے لئے رضامندی ظاہر کی"۔

لیونگ کا باپ خود آ کر سب کو چائے دے رہا تھا۔ لیونگ کی ماں نے مجھے بتایا کہ وہ آج ہی شام اپنے بیٹے کے لئے چند تحفے اور ایک خط مجھے دے گی۔

آدھی رات کے وقت دعوت ختم ہوئی تو میں نے پہاڑی کا رخ کیا، مجھے ہوآ سے ملنا تھا۔

وہ صحن میں بال کھولے بیٹھی تھی، اسے میرا انتظار تھا۔ میں نے اسے کچھ پیسے دیئے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"روؤ نہیں، میں نے آنسو بہائے ہیں اور بہتے دیکھے بھی ہیں، ان سپاہیوں کے آنسو دیکھے ہیں جنہوں نے کئی بار موت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم رونا بند کردو تاکہ مجھے ایک لمحہ کے لئے تو سکون مل جائے"۔

وہ اور زیادہ رونے لگی۔ جیسے اس کے ساتھ بہت ظلم ہوا ہو۔ مجھے غصہ آنے لگا۔ عورتوں کو کون سمجھا سکتا ہے۔ یہ کوشش ہی بے کار ہے۔

وہ اٹھی اور اندر چلی گئی، مجھے اس کے بیڈ پر گرنے کی آواز آئی۔ میں اندھیرے میں تیزی سے اس کی طرف بڑھا تو میری پیشانی ستون سے ٹکرائی، مجھے محسوس ہوا جیسے کسی تیز دھار آلے سے میری کھوپڑی کٹ گئی ہے۔ درد سے بے تاب ہو کر مجھے لگا کہ میرے اندر وہی وحشیانہ حس بیدار ہو گئی ہے جس کے ذریعے ہم جنگ میں قتل کرتے ہیں، بربادی پھیلاتے ہیں، بانس کے ستون کو جھٹک کر میں اس سے الگ ہوا تو لگا شاید جھونپڑا گر گیا ہے اور کھنڈر میں ایک ماں بننے والی عورت بھٹکتی پھرتی ہے۔ کل میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں غصے اور غم میں پاگل ہو رہا تھا، میرا جی چاہتا تھا کہ کوئی گردن مروڑ دوں۔ کسی کے جسم میں اپنی سنگین اتار دوں، کسی پر مشین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دوں، ہر اس چیز پر گولیاں برساؤں جو مجھے اس زندگی کی یاد دلائے، جسے میں گنوا بیٹھا ہوں، جو ان ان دیکھی طاقتوں کی بات کرے، جنہوں نے مجھے کچل ڈالا ہے۔

"میرے خدا۔۔۔۔۔۔ میرے خدا"۔ ہوآ کی آواز آئی وہ اب بھی رو رہی تھی اور میں اسے دیکھ دیکھ کر پاگل ہو رہا تھا۔ میرے اعصاب میرے دل و دماغ پر اس قدر دباؤ بڑھ چکا تھا کہ میں کسی وقت بھی ٹوٹ کر گر سکتا تھا۔ جو ہونا تھا ہو چکا، اب باقی کچھ نہیں بچا۔ دکھ اور مایوسی کے عالم میں یہ خیال مجھے آیا تو میرے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ میرے سر سے تشدد اور ہلاکت کا بھوت اتر گیا۔ میرے خواب بھی میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ میں ہوآ کو تسلی نہ دے سکا، نہ ہی اس کے پاس بیٹھ کر کوئی باتیں کیں، میں اس کے لئے کچھ بھی نہ کر سکا، اسے حوصلہ بھی نہ دیا، میں ایک ناکام، پٹا ہوا، بنجر شخص تھا، ایک ایسا ریلوے اسٹیشن، جس پر کسی ٹرین کو آنا تھا نہ جانا تھا۔ سمندر کے وسط میں ایک تن تنہا چٹان۔

گڈ بائی کے بغیر میں گھر سے باہر آ گیا۔ اس سے کوئی وعدہ بھی نہ کیا۔ آدھی رات گزر چکی تھی، دور سے کتوں کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی۔

میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ ایک خوبصورت نوجوان میرے آگے چل رہا ہے۔ ہم گلاب کے پھولوں میں سے گزر رہے ہیں، دھند بھی کسی خواب کے تعاقب میں ہے، ہوا میں گلاب کی خوشبو

بسی ہے اور گلاب کی کیاریاں ہیں کہ حد نظر تک پھیلی ہوئی ہیں۔

" کوآن اٹھ جاؤ، جلدی کرو، تمہاری ٹرین جانے والی ہے"۔ٹرین میں سیٹ لینے کے لئے مجھے لڑنا پڑا۔ایک موٹی سی کاروباری عورت اپنے بہت بھاری پاؤں میرے سر پر لٹکائے بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا بہت بڑا تھیلا کمپارٹمنٹ کے آر پار ٹھونس رکھا تھا۔ بڑا سا منہ کھولے اپنے نتھنوں سے الٹی سیدھی آوازیں نکال رہی تھی۔ جنگ کے زمانے میں ٹرین کی سیٹ ملنا قحط میں کھانا ملنے کے مترادف ہے۔ان دنوں میں ٹوٹی پھوٹی گندی اور بدحال ٹرین اسٹیشن پر پانچ منٹ کے لئے رکتی ہے، تو مسافروں کا ایک سیلاب سا امڈ آتا ہے۔ وہ ہر ایک کو لتاڑتے اور کچلتے ہوئے اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک عمر رسیدہ شخص نے مجھے ایک طرف دھکیلتے ہوئے اپنے تھیلے کے لئے جگہ بنائی۔

"معاف کرنا"۔اس نے اپنا بڑا سا جوٹ کا تھیلا میرے اوپر رکھ دیا۔

"امید ہے تم برا نہیں مانو گے"۔اس نے کہا۔"مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر میں اس تھیلے کے لئے جگہ بنانے میں تمہاری مدد کر سکوں۔ہمیں دور جانا ہے اور مجھ میں ہمت نہیں کہ میں اتنے بھاری تھیلے کا بوجھ اٹھا سکوں"۔

وہ آنکھ مارتے ہوئے بولا: "برتن ہیں اس میں، سب برتن ہیں اگر فرش پر رکھوں تو ٹوٹ جائیں گے"۔

" کوئی صورت تو نکالنی پڑے گی"۔میں نے کہا۔

اس نے خفا ہوتے ہوئے سر ہلایا۔" مگر برتن ٹوٹ جائیں گے، میں جہاں سے آیا ہوں، وہاں بموں سے سب کچھ تباہ ہو گیا ہے۔ برتن بھی ٹوٹ گئے ہیں، اب لوگ ناریل کے چھلکوں میں کھانا کھاتے ہیں"۔

" کوئی فکر نہ کرو، میں کوئی جگہ ڈھونڈھ لوں گا"۔

میں نے ادھر ادھر جگہ تلاش کرنی شروع کی تو آخر چند لوگ اس پر آمادہ ہو گئے کہ وہ تھیلا اپنے سامان کے ساتھ رکھ لیں۔

بوڑھا خوشی سے کھل اٹھا۔" کتنی خوش نصیبی ہے"۔اس نے ایک روٹی نکالی اور اس کے دو ٹکڑے کئے، ایک ٹکڑا مجھے دینے لگا تو میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"میں کھا چکا ہوں، پھر بھی تمہارا شکریہ"۔ وہ اب اطمینان سے سوکھی روٹی کھا رہا تھا۔ہمیں محاذ پر بھوک سے پالا پڑتا ہے، ہم جانتے ہیں کہ بھوک کیا ہوتی ہے، اس سے نظر دھندلا جاتی ہے اور ہڈیاں پگھلنے لگتی ہیں، مگر اچانک کسی روز سپلائی ڈویژن کھانے کے ڈھیر لگا دیتا ہے، مگر یہاں لوگوں کی بھوک ہمیشہ جاری رہتی ہے، بھوک کا کوئی سیز فائر نہیں ہوتا۔

MashalBooks.org

بوڑھے کو احساس ہو گیا کہ میں مسلسل اس کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ "میرے پاس اور روٹی بھی ہے تم کھاؤ گے"۔

"نہیں شکریہ"۔ میں نے خوش دلی سے کہا۔ "میں تمہاری گردن کا نشان دیکھ رہا تھا، ایسا ہی نشان میرے باپ کی گردن پر بھی ہے"۔

بوڑھا زور سے ہنسا اور پھر جھک کر روٹی کے ذرے اٹھانے لگا، جو اس سے گر گئے تھے۔ ذرے جمع کر کے اس نے ہتھیلی پر رکھے اور انہیں پھانک لیا۔ یہ اس کا کھانا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھے اور سو گیا۔

ٹرین کا سائرن بہت دیر شور مچاتا رہا، مگر ٹرین اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ وہ کاروباری خاتون کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔

"میرے پیسے دے دو، میں ادھار نہیں دیتی، مجھے کیا پتہ تم اگلے ہفتے آؤ گے یا بم تمہارا صفایا کر دیں گے"۔

ٹرین کا سائرن پھر بجا۔ ایک ٹکٹ کلکٹر ہمارے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔

"ایک طرف ہو جاؤ، دوستو ایک طرف ہو جاؤ"۔

مسافروں نے برا تو مانا لیکن دیوار کے ساتھ لگ کر راستہ بنا دیا۔

ٹکٹ کلکٹر کا قد چھوٹا اور جسم معمولی سا جھکا ہوا تھا۔ مگر اس کے ساز و سامان اور وردی نے اسے ایک اہمیت دے رکھی تھی۔ دو موٹے تازے سرکاری آدمی اس کے ساتھ تھے۔

"چلو تھوڑے سکڑ جاؤ"۔ ٹکٹ کلکٹر سامنے والی سیٹ کی طرف بڑھا، دونو جوان پہلے سے وہاں موجود تھے۔ میں جب کمپارٹمنٹ میں سوار ہوا تھا تو وہ دونوں سو رہے تھے، دونوں کا تعلق فوج سے تھا۔

ٹکٹ کلکٹر نے انہیں شانوں سے پکڑ کر ہلایا۔ "اٹھو جلدی اٹھو"۔

دونوں جاگ گئے اور آنکھیں ملتے ہوئے حیرانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ٹکٹ کلکٹر کو دیکھتے ہی وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"پلیز اپنے ٹکٹ دکھاؤ"۔ دونوں پریشانی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ دو آدمی جو اس کے پیچھے آ رہے تھے اچانک وہ دونوں ہی ایک ساتھ بول اٹھے:

"جانے دو، کوئی بات نہیں، جانے دو"۔

"میرے پیچھے آؤ"۔ ٹکٹ کلکٹر نے کہا۔

"ہم یہ معاملہ بکنگ جا کر طے کریں گے"۔ وہ مڑا اور دونوں موٹے آدمیوں کو جھک کر سلام کیا۔

"یہ سیٹیں مناسب رہیں گی کامریڈ؟"

"بہت اچھی ہیں"۔انہوں نے جواب دیا۔

" کسی چیز کی ضرورت ہوتو میں حاضر ہوں"۔

"بالکل ٹھیک"۔

"اب آپ مجھے اجازت دیں گے؟ " مگر کلکٹر نے اس قدر جھک کر اجازت چاہی کہ سچ مچ کبڑا لگنے لگا۔

" ٹھیک ہے اگر ضرورت ہوگی تو تمہیں بلا لیں گے "۔ٹکٹ کلکٹر نے پھر جھک کر سلام کیا اور چلا گیا۔

ان دونوں کے پاس بھاری سامان نہیں تھا۔دو بریف کیس تھے،شاید کھانا رکھنے کے لئے۔ کسی مسافر کی جرائت نہ ہوئی کہ ان کے پاس بیٹھتا، دونوں موٹے تھے اوران کے چہروں کی رنگت زرد تھی۔وہ ہجوم کے درمیان آقاؤں کی شان سے ڈٹے ہوئے تھے۔

سائرن بجا اور گاڑی روانہ ہوگئی۔دونوں نے اپنے سر اپنی اپنی سیٹ پر ٹیک لئے، چھوٹے قد کے آدمی نے سونے کے فریم کی عینک پہن رکھی تھی۔اس نے ہنستے ہوئے کہا:

"دیکھا تم نے، میں نہ کہتا تھا"۔

دوسری نے خاموشی سے سر ہلایا۔چھوٹے شخص نے بات جاری رکھی۔

"زندگی اتنی بھی اداس نہیں ہے جیسی کہ ہمارے ادب میں دکھائی جاتی ہے۔تمہیں بس اتنا کرنا ہے کہ چند منٹوں کے لئے ٹرین میں بیٹھو اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو"۔

"تمہاری بات مان کر ہی میں اس مال گاڑی میں بیٹھا ہوں تا کہ اپنی آنکھوں سے دیکھوں"۔دوسرے نے جواب دیا۔"ورنہ میری بیوی اس آئیڈیا کے خلاف تھی"۔

"خیال رکھنا اگر تم اپنے ساتھ کیڑے مکوڑے لے آئے تو میں لات مار کر تمہیں گھر سے باہر نکال دوں گی، وہ کہتی تھی"۔

پہلا ہنسنے لگا۔"اوہ بیوی !اپنے شوہر کی غیر سرکاری دشمن، مگر ان کے بغیر گزارہ نہیں، آؤ اب اصل پوائنٹ پر آئیں"۔

"اچھا تو بات کہاں سے شروع کریں، یہ کہ کیا لکھا جاتا ہے یا یہ کہ کس شکل میں لکھا جاتا ہے"۔

"بالکل، مجھے مضامین اور شہادتیں نہیں پیش کرنی ہیں۔ابھی یہاں تمہاری آنکھوں کے سامنے کتنی صحیح مثالیں ہم نے دیکھی ہیں، ان دو نوجوانوں، قانون کی پرواہ نہ کرنے والوں نے ٹکٹ کلکٹر کو کامریڈ کہا ہے۔ٹکٹ کلکٹر ہم دونوں کو کامریڈ کہہ رہا ہے، پہلی صورت میں تو قانون کی

خلاف ورزی اور قانون کے تحفظ کا معاملہ ہے، جبکہ دوسری صورت میں آقا اور نوکر کا رشتہ ہے۔ اگر پارٹی لوگوں کی نوکر ہے جیسا کہ ہوچی منہ نے کہا ہے تو ٹکٹ کلکٹر نوکروں کا نوکر ہے۔ یہ بات صاف ہوئی ! سوچنا۔۔۔لفظ کامریڈ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔تاریخی اعتبار سے یہ لفظ کہیں سے لیا گیا ہے۔ جسے ہم نے اپنی مرضی کے معنی پہنائے ہیں۔عملی زاویہ سے دیکھیں تو یہ لفظ لیڈروں کی چال ہے"۔

اس کے ساتھی نے سر ہلاتے ہوئے کہا:

"ایک مہذب معاشرے میں ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ نام کا مواد سے گہرا رشتہ ہو"۔

پہلے ساتھی نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔"تم اتنے اناڑی ہو"۔وہ غرایا۔

"ہمیشہ ہی ہمیں مہذب معاشرے کی کمی محسوس نہیں ہوتی"۔

"میں نہیں سمجھا"۔

"نہ سمجھنے کی عادت چھوڑو۔اب تم پچاس برس کے ہونے لگے ہو۔تہذیب ایک طویل اور کٹھن سفر ہے اور زندگی مختصر ہے، ہمیں کوئی اور راستہ اختیار کرنا ہوگا"۔

" کتنا وحشیانہ آئیڈیا ہے۔،

"اقتدار میں ہونے کا یہی مطلب ہے تم بہت جذباتی اور حساس ہو، کسی عورت کی طرح"۔

"بس میں ایسا ہی ہوں"۔

"تم نے کبھی شتر مرغ دیکھا ہے؟ خطرے سے بچنے کے لئے وہ اپنا سر ریت میں دے دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بلا ٹل گئی"۔

" مگر ہم دونوں نے تو ایک آئیڈیل کے لئے جدوجہد کی ہے"۔

پہلے ساتھی نے سر ہلایا، وہ جاری رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔"یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں۔تم نے، میں نے اور کتنے ہی اور لوگوں نے ایک آئیڈیل کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، اس وقت ہماری عمر سترہ برس تھی۔ جب پچاس برس کے ہو جاؤ، تو سب کچھ بے سود لگتا ہے۔ دراصل آئیڈیلزم بچوں کی ضرورت ہے۔ہمیں صرف یہ کرنا ہوتا ہے کہ انہیں سادھو بننے دیں، فوجی بنائیں یا پولیس میں بھرتی کر لیں اور یہ پالیسی کامیاب رہتی ہے"۔

"اکثر لوگ یہی سوچتے ہیں مگر۔۔۔۔۔"

" پہلے ساتھی نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔"لفظ بھی زندگی میں اور چیزوں کی طرح ہوتے ہیں، وہ پیدا ہوتے ہیں، زندہ رہتے ہیں اور بوڑھے ہو کر مر جاتے ہیں"۔

"اچھا تو جب ہم دونوں پارٹی میں شامل ہوئے تھے تو پیدا کون ہوا تھا اور مرا کون تھا؟"

"سنو اس وقت ہم پندرہ برس کے تھے۔ہم جوان تھے، انقلاب بھی جوان تھا۔اس وقت جو

MashalBooks.org

باتیں اچھی لگتی تھیں، اب وہ اپنے معنی کھو بیٹھی ہیں۔ انقلاب بھی محبت کی طرح پروان چڑھتا ہے اور پھر ٹوٹنے پھوٹنے لگتا ہے، بکھر جاتا ہے۔ محبت تو اپنا اثر کھونے میں کچھ وقت لیتی ہے۔ انقلاب کو ناکام ہونے میں دیر نہیں لگتی"۔

"تمہاری بات کسی حد تک ٹھیک ہے مگر۔۔۔۔" پہلے ساتھی نے اس کی بات پھر کاٹ دی۔

" مگر اسے سننا ذرا مشکل ہے"۔

دونوں نے سگریٹ سلگائے اور مزے سے پینے لگے، ان کی بات چیت محض منافقت تھی۔ دونوں بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ پورے کمپارٹمنٹ میں چند لوگ تھے اور میں تھا جنہیں ان کی باتوں میں دلچسپی تھی۔ بیرے سو گئے تھے اور میں ٹرین چلنے کی آواز سن رہا تھا کہ پہلا ساتھی ایک دم چونکا۔

"تم بیئر لائے ہو؟"

"اچھا تو تمہیں پیاس بھی لگ گئی ہے؟"

"نہیں ابھی تو نہیں لگی بعد میں دیکھیں گے"۔ دوسرا ساتھی مسکرایا۔

"ہم مال گاڑی میں اس لئے بیٹھے ہیں کہ ہم عوام کی زندگی قریب سے دیکھ سکیں اور تم ہو کہ عیاشی کے سامان بغیر تمہارا گزارہ ہی نہیں، اپنے ساتھ ٹن فوڈ بھی لائے ہو"۔

دراصل میرا معدہ کمزور ہے۔ ہمارے عوام کی خوراک دنیا میں سب سے گندی خوراک ہے، یورپ کا عام پانی بھی ہمارے منرل واٹر سے زیادہ صاف ہے"۔

"یہ تمہارا تضاد ہے، تم تہذیب کی سہولتیں حاصل کرنا چاہتے ہو مگر ایک مہذب معاشرے کی تعمیر میں انگلی تک نہیں ہلانا چاہتے"۔

مہذب معاشرہ بنانا بہت مشکل ہے، لیکن لوگوں کی محدود تعداد کے لئے سہولتیں مہیا کرنا بہت آسان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تہذیب ایک طویل اور کٹھن سفر ہے۔ ہماری قوم رجعت پسند اور دقیانوسی ہے۔ مذہب ان کے لئے آسان، شارٹ کٹ ہے، اسی شارٹ کٹ کے ذریعے ہی شاید وہ کامیاب ہو سکیں، ورنہ انہیں مہذب بنانا تو بہت مشکل ہے"۔

"تم بہت مایوس ہو رہے ہو؟"

"سچ کا مایوسی کے ساتھ گہرا رشتہ ہے۔ اگر تم بادشاہ بنو تو زیادہ زور اپنی نمود و نمائش، آن بان اور شان و شوکت پر دو گے، تمہیں کیا پڑی کہ اناج کی اچھی قسم تلاش کرنے یا کسی اعلیٰ صنعتی پروجیکٹ میں اپنا مغز کھپاؤ۔

MashalBooks.org

یہ فائیل چیک ہوچکی ہے اس کا دوسرا پروف نکلنا ہے14/7/01

تہذیب کی معراج یہ ہے کہ تم کسی بلند مقام پر پہنچ جاؤ۔ تمہارے سامنے رنگین پرچموں کا ایک سمندر رہو، توپیں داغی جارہی ہوں۔ آس پاس تمہارے سپاہی سنگین تانے کھڑے ہوں۔ یہی دائمی مسرت ہے اور یہی طاقت ہے۔ دولت اور محبت بعد کی بات ہے، ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ اسی لئے ہمیں ایک مذہب کی ضرورت ہے"۔

" مگر میں تو برسوں سے سن رہا ہوں کہ "۔

" دیکھو میں پروفیسر ہوں، میں کلاس کو وہی لیکچر دیتا ہوں جس کے لئے مجھے کہا جاتا ہے۔ آئیڈیل ازم کی طرح طالب علموں کو یہ لفظ زبانی یاد ہونا چاہیے"۔

اس کے ہم سفر نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"تو اب تمہاری یہ حالت ہوگئی ہے؟"

پہلے ساتھی نے اسے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاید تم ابھی تک اسکول کے بچے بنے ہوئے ہو، مجھے تمہاری یہ بات اچھی لگتی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ ہم دہرے ہیں، ہم نے عبادت گاہیں مسمار کی ہیں اور پگوڈوں کو ویران کیا ہے۔ اب ہم مارکس کی تصویریں آویزاں کریں گے اور عوام کے لئے کوئی نیا دین ایجاد کریں گے۔ اپنی فوج کی وہ مہم یاد کرو جس کا مقصد نظریاتی اصلاح تھی، جس کا ٹارگٹ ۲۵۹۱ سے ۳۵۹۱ میں بھرتی ہونے والے تھے۔ کیا ان کا رویہ چرچ میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والوں سے کچھ مختلف تھا؟ ہمیں نے گناہ ایجاد کیا ہے اور ہمیں نے اس کی ازیت بھی برداشت کی ہے، ہم نادم ہوئے ہیں کہ شاید ہماری روح کا تزکیہ ہوسکے۔ شاید ہم اپنے خالق کے قریب ہوسکیں"۔

پروفیسر کھانستے ہوئے خاموش ہوگیا۔ اس کا ساتھی بھی خاموش رہا۔ دونوں نے پھر سگریٹ پینا شروع کردیئے، پروفیسر نے چند کش لئے اور اپنے دوست سے پوچھا:

" کیا تم نے مارکس کی سوانح عمری پڑھی ہے؟"

" نہیں، دی ہولی فیملی کا صرف دیباچہ پڑھا ہے"۔

"قدرتی بات ہے، مارکس کو سینٹ بنانے کے لئے انہیں اصلی مارکس کو منظر سے ہٹانا ہی تھا، میں اس گھر میں گیا ہوں، جہاں وہ پیدا ہوا تھا، میں نے کئی ایسی وزیٹر بکس میں دستخط کئے ہیں جو مارکس کے لئے وقف تھیں۔ اس کے مزار پر پھول چڑھانے کے لئے میں لندن بھی گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر اپنے دوست سے مخاطب ہوا تو اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک تھی۔ سونے کے فریم کی عینک اس کی بھوؤں کے نیچے سج رہی تھی۔

"ظاہر ہے کہ ایک بڑے آدمی کا اندازہ اس کی پرائیویٹ زندگی سے نہیں ہوسکتا۔ مگر تمہیں

پتہ ہے کہ مارکس اپنی حقیقی زندگی میں کیسا آدمی تھا وہ بہت عیاش تھا۔

دونوں نے مل کر ہنسنا شروع کردیا۔ رومال سے آنکھیں صاف کیں اور سگریٹ سلگا لیئے۔

میں چپ بیٹھا رہا، سردی کی ایک لہر میرے پار ہوگئی۔ میرا دماغ چکرا گیا۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک پل سے گزر رہا ہوں۔ پھر اچانک ایک گہری کھائی سے بچتے ہوئے میں نے اپنا توازن ٹھیک کیا۔ اس لیئے کہ میں ایک رسی پر چل رہا تھا۔ میں نے اس شخص پر ایک نظر ڈالی جس نے سونے کی عینک پہنی تھی، وہ کس شان سے سگریٹ پیتا اور چباتا تھا۔ دھوآں کبھی باہر نکالتا، کبھی اندر لے جاتا، اس کے چہرے پر حقارت آمیز مسکراہٹ تھی، وہ اپنے آپ سے بہت خوش، بہت مطمئن نظر آتا تھا کہ اس نے سچ بولا ہے۔

Attention۔ میں تحکمانہ لہجہ سن کر چونکا اور سیدھا کھڑا ہوگیا۔ گھوم کر دیکھا تو بازو پر سرخ پٹی پہنے ایک فوجی افسران دونوں کے سامنے کھڑا تھا۔

"ہمیں رپورٹ ملی ہے کہ تم نے ہمارے مقدس رہنما کارل مارکس کی توہین کی ہے اور ہماری سوشلسٹ گورنمنٹ کو برا کہا ہے"۔ پروفیسر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

" کون کہتا ہے، یہ کس کی حرکت ہے"۔ اپنی چھاتی تان کر وہ چیخا۔

آفیسر نے اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے اس کے دوست پر نظر ڈالی۔ انفارمر تو وہاں سے کھسک گیا تھا۔

"ہمیں بتایا گیا ہے، یقینی طور پر ہمیں رپورٹ ملی ہے"۔ موٹے پروفیسر نے جیب سے نوٹ بک نکالی۔

"پڑھو اسے پڑھو"۔ میں نے پہچان لیا، وہ ڈپلومیٹ کا پاسپورٹ تھا۔ گارڈ نے کانپتے ہاتھوں سے نوٹ بک لی اور تیزی سے ورق الٹنے لگا، اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا، کیونکہ نوٹ بک کا تعلق بہت اہم شخصیت سے تھا۔ موٹا پروفیسر مسکرایا اور پاسپورٹ گارڈ سے لے لیا۔

"مارکسی فلسفہ ویت نام میں پھیلانا ہمارا کام ہے، ہم تمہارے عوام کو مارکسزم کی تعلیم دیتے ہیں، جب مارکسی فکر کے دفاع کا مسئلہ ہو تو وہ ہمارا کام ہے، کسی اور کا نہیں"۔

نوجوان نے آنکھیں نیچی کرلیں، اس کی پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا۔ موٹا شخص بولتا رہا۔

"اس مرتبہ میں معاف کرتا ہوں، لیکن اگر تمہارا رویہ نہ بدلا تو اچھا نہیں ہوگا، اب جاؤ، یہاں سے چلے جاؤ"۔

نوجوان لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف چلا گیا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر اسے سر اٹھانے کی جرأت ہوئی، اس کے بعد وہ آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔

پروفیسر اپنی سیٹ پر واپس آیا تو اس کا غصہ ہرن ہوچکا تھا، وہ اپنے ساتھی کی طرف مڑا:

MashalBooks.org

"تم نے دیکھا، یہ ویت نامی احمقوں کی قوم ہے، ان کی تربیت صرف کوڑے سے ممکن ہے"۔

a a a

ساڑھے چار بج چکے تھے، گھنٹوں پہلے میں سفر پر روانہ ہوا تھا۔ وقت کو پر لگ گئے تھے۔ میری قمیض پسینے میں شرابور تھی، ابھی تک کوئی ایسے آثار نظر نہیں آئے تھے جو یونٹ035۔ M کی سمت میری رہنمائی کرتے۔

بیس F سے جو نقشہ مجھے دیا گیا تھا، اسے میں نے ایک بار پھر دیکھا، اسے بنانے میں جتنی محنت کی گئی تھی، وہ اتنا ہی بے کار ثابت ہوا، یہ نقشہ مجھے کہیں نہیں لے جائے گا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں، میں لپک کر کسی درخت پر چڑھ جاؤں گا اور خالی پیٹ ہی سونے کی کوشش کروں گا۔

نقشہ میں نے واپس جیب میں رکھ لیا۔ اب یہی ایک صورت ہے کہ میں اپنا رستہ خود تلاش کروں، اس نقشے کا تو آس پاس کی کسی چیز سے کوئی تعلق بنتا ہی نہیں۔ میں خود اپنی رہنمائی میں آگے بڑھا تو نصف گھنٹے کے بعد ایک بورڈ نظر آیا۔ "یونٹ035۔M۔۔۔۔ 545 گز کے فاصلے پر۔

بورڈ تارکول سے لکھا گیا تھا۔ میں تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ یہ سوچ کر مجھے بڑی تسکین ہو رہی تھی کہ کچھ دیر بعد میرے سر پر ایک چھت بھی ہوگی اور کھانا بھی بہت اچھا ملے گا کیونکہ یونٹ کا باورچی میرا دوست ہے۔ ہک بھی عجیب آدمی تھا، بہت بہادر اور بڑا ہی بیوقوف۔ جنگ میں تو بڑی بہادری اور ایثار سے لڑتا تھا، لیکن اپنوں میں ہو تو اس کا کچھ بھروسہ نہیں تھا کہ کب بگڑ جائے اور بکنے جھکنے لگے۔ باورچی بہت اچھا تھا مگر شکار میں بھی اسے کمال حاصل تھا۔ میرے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے تھے، دوسرے لوگ رشک کرتے تھے۔ اکثر شکار کے لئے جایا کرتا تھا، واپسی پر جس اہتمام سے وہ گوشت پکا کر میرے سامنے رکھتا تھا، اس سے گمان ہوتا تھا کہ وہ صرف میری خاطر ہی شکار کرنے جاتا تھا لوگ رشک تو کرتے تھے مگر اس بات سے واقف نہیں تھے کہ ایک بار میں ہک کو پولیٹیکل افسر کی گرفت سے بچا کر اس کا دل جیت چکا تھا۔ وہ واقعہ کچھ ایسا اہم تو نہیں تھا، مگر ہک اس کے لئے بہت شکرگزار تھا یا شاید میری کوئی اور بات اسے اتنی اچھی لگ گئی تھی کہ وہ میرا گرویدہ ہو گیا۔

جنگ کے دوران اس کی کمان کے سپاہی اس سے بہت خائف رہتے تھے، لیکن باورچی خانے میں وہ اس پر ٹوٹ پڑتے اور فرمائشوں کے ڈھیر لگا دیتے۔ ہک ان کی ناز برداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا۔

میں چل رہا تھا کہ اچانک درخت سے ایک شاخ ٹوٹ کر میری گردن پر آ گری۔ اگر میری موت کسی شاخ کے ٹوٹ کر گرنے سے ہو یا کسی مکان کی چھت مجھ پر گر جائے تو یہ موت کیسی رہے گی؟ میں یہ سوچ کر کانپ گیا۔ فضا میں گھٹن تھی اور سردی میرے جسم میں سرایت کر گئی تھی۔ کسی درخت پر کلہاڑا چلنے کی آواز آ رہی تھی، میں آگے بڑھا تو ان آوازوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یقیناً وہ لوگ درخت کاٹ رہے تھے۔ میں پانچ سو گز کا فاصلہ طے کر چکا تھا مگر کیمپ کے آثار کہیں نہیں تھے۔ تو کیا وہ بورڈ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے لگایا گیا تھا۔

میں احتیاط سے آگے بڑھتا رہا، آس پاس جاسوس بھی ہو سکتے تھے۔ جب میں "F" Base میں تھا تو مجھے بہت سی باتیں اس علاقے کے بارے میں بتائی گئیں، میں اپنے خیالات میں ڈوبا آگے بڑھ رہا تھا کہ مجھے لکڑی کا ایک گیٹ نظر آیا 035۔ M ---۔ Unit تو مجھے ذرا اطمینان ہوا۔

صحن سے ہوتا ہوا میں بلڈنگ کی بائیں طرف بڑھا، کیونکہ وہاں ایک دروازہ کھلا نظر آیا۔

" کوئی ہے؟"

" کوئی ہے؟ "جواب نہ ملا تو میں اندر چلا گیا۔

ایک بیڈ کمرے میں پڑا تھا، اس کی چادر میلی تھی۔ جا بجا کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ نوٹ بک کے پاس ایک بال پوائنٹ رکھا ہوا تھا۔ چھت کی ایک لکڑی کے ساتھ تھیلا لٹکا ہوا تھا۔

میرا خیال ہے وہ یہاں سے چلے گئے ہیں۔ میری قسمت نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ اپنا تھیلا میں نے نیچے رکھا، ٹانگیں پھیلا کر زینے پر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

بھاری قدموں کی آواز آئی تو میں نے آنکھیں کھولیں۔ ایک بوڑھا بمشکل چلتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بوڑھے بھی ان حالات میں یہاں رہیں، اس نے سر ہلا کر مجھے سلام کیا۔

"ہیلو کامریڈ"۔ میں کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو کامریڈ"۔

"میں سارجنٹ تاون ہک سے ملنے آیا ہوں۔"

بوڑھے نے سر ہلایا اور کیمپ کی پشت پر پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا، وہی جگہ جہاں سے درخت کاٹنے کی آواز آ رہی تھی۔

"تمام یونٹ اور ہمارا چیف فیلڈ میں کام کر رہے ہیں، صرف میں یہاں پر ہوں"۔

"ابھی کچھ دیر پہلے تم کہاں تھے؟"

" کھیتوں میں تھا، میرا پیٹ خراب ہے"۔ اس کی پیشانی تنی ہوئی تھی اور پیٹ ہاتھوں میں

MashalBooks.org

پکڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تو احساس ہوا کہ وہ بوڑھا تو نہیں ہے، مگر شاید بہت پرانا بیمار ہے۔

"تمہیں پیچش کب سے ہے؟"

"چار سال، سات مہینے سے"۔

"تمہیں بھرتی ہوئے صرف چار سال ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں، میں اگلے مہینے چوبیس برس کا ہو جاؤں گا"۔

"یقین نہیں آتا، تمہارا علاج شروع سے ہی کیوں نہیں ہوا؟"

اس نے میری طرف دیکھا تو میں اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر حیران رہ گیا، اس کی آنکھیں بہت صاف، چمکدار اور خوبصورت تھیں، ایسا لگتا تھا کہ اس کے خواب ابھی تک اس کی آنکھوں میں بس رہے تھے۔

"دوائیں تو میں لیتا رہا تھا، مگر بیماری بار بار پلٹ آتی تھی، اب میری طبعیت بہت خراب ہے۔

"تو یہاں سے تبدیلی کیوں نہیں کروا لیتے؟"

"میں محاذ سے جانا نہیں چاہتا۔ قوت ارادی سے بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے"۔

"بیماری دوا سے ٹھیک ہوتی ہے"۔

" مگر ہمارے پاس دوائیں ختم ہو چکی ہیں۔ سپیشل یونٹ دور جنگل میں ہے، وہاں سے دوائیں منگوانا بہت مشکل ہے۔ ہک کسی موقعہ کے انتظار میں ہے، جب وہ مجھے ملٹری ہسپتال میں بھیج سکے گا، ایک اور مصیبت یہ ہے کہ مجھے ملیریا ہو گیا تھا، میرے سارے بال دو مہینوں میں جھڑ گئے ہیں"۔

"تمہیں کھانا کون دیتا ہے۔ سپیشل یونٹ کب آئے گا؟"

"میں چاول کھا لیتا ہوں، ہک کو میری بہت فکر ہے، جب کبھی وہ شکار لے کر آتا ہے مجھے گوشت بھی کھلاتا ہے۔ میرا خیال ہے تم کمانڈر ہک کو جانتے ہو؟"

"بھرتی ہونے کے بعد ہم ایک ہی یونٹ میں تھے، لڑائی میں بھی ہم اکٹھے تھے"۔

"تو جاؤ، اسے ملو وہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہو گا"۔

"کامریڈ، تم کیا یہاں اکیلے رہتے ہو؟ "سورج کی روشنی میں اس کے خوبصورت دانت چمک رہے تھے۔

"میری فکر نہ کرو، میں ہر وقت اپنی رائفل اپنے پاس رکھتا ہوں، مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں ضرورت پڑنے پر اس کا ٹرگر دبا سکوں۔ ٹھاہ، ٹھاہ، ٹھاہ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس کی آواز بہت نحیف تھی، مشکل سے سنی جاسکتی تھی۔

"اندر چل کر آرام کرو، یہ بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں"۔

"شکریہ۔۔۔رات ہونے والی ہے، بہتر ہے کہ اب تم چلے جاؤ، اس طرف ایک شارٹ کٹ ہے، تم پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ جاؤ گے"۔

میں اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل دیا۔ دس منٹ میں اپنی منزل پر تھا۔ ایک بہت بڑا درخت بڑے شور کے ساتھ گر پڑا۔

"شاباش۔۔۔اب ہم کچھ آرام کر سکتے ہیں"۔ ایک آواز آئی اور بھی کئی آوازیں بلند ہوئیں، مگر آوازوں کے شور میں دب گئیں۔ میں ایک درخت کے تنے پر چلتا ہوا آگے بڑھا۔ رات ہوچکی تھی، دور سے کیمپ فائر نظر آنے لگی اور میں گرتا پڑتا درختوں سے ٹکراتا ہوا اس کی سمت بڑھتا رہا۔ میں ان کی نقل وحرکت بخوبی دیکھ رہا تھا، مگر وہ مجھے نہیں دیکھ سکے، اگر میں حملہ آور ہوتا تو ان سپاہیوں میں سے کوئی بھی میرے ہاتھوں زندہ بچ کر نہیں جاسکتا تھا۔ وہ لوگ دائرہ بنا کر آگ کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ میں سائے کی آڑ میں آگے بڑھتا رہا، ویسے تو ہک اپنی احتیاط کے لئے مشہور تھا۔ لیکن اس وقت وہ سب کتنے غافل تھے۔

میری نگاہیں اسے ڈھونڈھنے لگیں، ایک بڑے درخت سے دیکھا تو ہک درختوں کے ڈھیر پر ٹانگیں پھیلائے لیٹا تھا، بہت تھکا ہوا مگر خوش لگتا تھا۔

" کون ہے؟ اپنے ہاتھ کھڑے کرو"۔

کسی نے اپنی رائفل میری پسلیوں پر رکھ دی تھی۔ میں نے ہاتھ اٹھا لئے، ہک اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے آدمی جو ادھر ادھر بھٹک رہے تھے، اس کے پیچھے جمع ہو گئے تھے۔ رائفل کی نالی اور زور سے میری پسلیوں پر دبا دی گئی تھی۔

"چلو آگے بڑھو"۔

میں تیزی سے ہک کی طرف بڑھا۔ میں جانتا تھا کہ میرے پیچھے آنے والے میں یہ خوبی ضروری ہوگی کہ وہ کسی وقت بھی ٹرگر دبا دے، یہ جنگ ہے اور جنگ میں کسی جان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

ہک کھڑا ہو کر مجھے گھورنے لگا، اچانک مجھے ہنسی آ گئی تو اس نے مجھے پہچان لیا۔" کوآن، بڑے بھائی"۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا اور مجھے باہوں میں لے کر اس زور سے دبایا کہ میرا دم گھٹ گیا۔

" کوآن بڑے بھائی، کتنے عرصے کے بعد ملے ہیں"۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولا، جذبات کی شدت میں وہ ہمیشہ ہکلانے لگتا تھا۔

"میں جاسوس کی طرح تمہارے کیمپ میں داخل ہوا تھا، مگر پکڑا گیا۔ تمہارے آدمی نے سارے راستے میں رائفل میری پسلیوں میں ٹھونسے رکھی ہے، تو تمہارا قیدی حاضر ہے"۔

"مجھے وہ سب کچھ یاد ہے جو تم سے سیکھا تھا۔ تمہاری تربیت کے علاوہ اب مجھے جنگ کا تجربہ بھی ہے، مگر تم ہو کہ مجھے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگ کی طرف لے گیا۔ آگ کی روشنی میں اس کا برہنہ سینہ تانبے کے بت کی طرح چمک رہا تھا۔

"تمہارا رنگ اس طرح کیوں ہو گیا ہے؟"

"تمام دن ہم ان بنجر پہاڑیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ سورج کی تپش سے بچنے کی کوئی صورت نہیں"۔

بائین کہاں ہے، اس کی طبعیت اب کیسی ہے؟"

"ابھی وہ چاول لے کر آئے گا۔ واقعی وہ سچ مچ کا ہرکولیس ہے، دل پھینک بھی بہت ہے، سونے میں تلنے کے قابل ہے، ہم دونوں نے زندگی بھر دوست رہنے کی قسم کھالی ہے"۔

"خوشی کی بات ہے"۔

"تمہارا ذکر وہ اکثر کرتا ہے"۔

"ہمارا گاؤں ایک ہے اور سکول بھی ایک ہے"۔

گرد اور پسینے سے میرا برا حال تھا۔ وہ مجھے ندی پر لے گیا۔

رات بہت تاریک تھی، ستاروں کا کہیں نشان نہ تھا، ہم راستہ ٹٹولتے جا رہے تھے۔ ہم ندی کے کنارے پہنچے تو ہک بولا۔

" کچن یہاں سے ساٹھ گز پرے ہے، بائین شاید وہاں ہو، کھانا پیک کر رہا ہوگا"۔

" مگر روشنی۔۔۔۔۔۔"

"جاسوسی کی وجہ سے احتیاط کی گئی ہے۔ اگرچہ F Base میں مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ علاقہ دشمن کی زد پر نہیں ہے، پھر بھی میں فکر مند رہتا ہوں۔ اتنا ان کے حملے سے نہیں ڈرتا ہوں، جتنا اس بات سے کہ وہ ہمارا نمک چرا لے جائیں گے۔ نمک یہاں خون سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ گزشتہ موسم میں میرے دس جوان نمک کی کمی سے مر گئے۔ بہت دنوں تک ہم نمک کی بجائے راکھ استعمال کرتے رہے"۔

"ادھر آؤ، اس طرف، یہاں پانی کا بہاؤ اچھا ہے"۔ وہ مجھ سے پہلے پانی میں کود گیا تھا۔ میں کپڑے اتار کر پانی میں پھسل گیا۔

پانی ٹھنڈا بلکہ خوش گوار تھا۔

" کل ہم تمہارے کپڑے دھوئیں گے۔ چند دن ہمارے پاس ٹھہرو۔ بائین بھی بہت خوش

MashalBooks.org

ہوگا"۔

"میری خوشی بھی اسی میں ہے لیکن لیونگ یہ بات پسند نہیں کرے گا"۔

پھر بھی میں نے اپنے میلے کپڑے اس کے حوالے کر دیئے۔ جنہیں اس نے ایک شاخ پر لٹکا دیا۔ میں بھوک کی شدت سے بے تاب ہو رہا تھا۔ ہم کیمپ میں واپس پہنچے تو ایک آواز آئی۔

"جلدی کرو چیف، ہم بھوک سے مر رہے ہیں"۔

تو کھانا شروع کر دینا تھا نا ہک بڑبڑایا۔

اچانک بائین کھڑا ہوا اور آ کر مجھ سے بغلگیر ہو گیا۔ میں نے اسے دیر تک گلے لگائے رکھا۔ کھانا کھاتے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ میں اپنی زندگی کا سب سے اچھا کھانا کھا رہا ہوں۔

"چند روز ہمارے پاس ٹھہرو بڑے بھائی، میں تمہارے لئے ہرن شکار کر کے لاؤں گا"۔

"بہت دن ہوئے کہ میں اپنے ڈویژن سے رخصت پر ہوں۔ مزید تاخیر وہ شاید برداشت نہ کریں"۔

"چند دن ٹھہر جانے سے کیا فرق پڑ جائے گا، میں تو آج شام ہی یہاں سے چلا جاتا، مگر سامان کی مصیبت ہے"۔

"سامان؟ کیسا سامان؟ یہ درخت، یہ لکڑی کے تختے، یہ سب کس لئے ہیں؟"

"تمہیں بعد میں پتہ چلے گا، دراصل یہ محاذ کے لئے خصوصی کاروبار ہے"۔

Special Production unif for the "foods تم نے یہ بورڈ نہیں دیکھا؟"

ایک سپاہی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"تم ایک جیسے ہو، کمانڈر سے لے کر عام سپاہی تک تمہاری کچھ سمجھ نہیں آتی"۔

ہک یہ سن کر زور سے ہنسا۔ اس نے جھک کر میرے کان میں کہا:

"ہمارا ایک اصول ہے کہ ہم کھانے کے دوران عورتوں کے متعلق بات کرتے ہیں یا کھانے کے متعلق، اس کے علاوہ کوئی بات کرنا منع ہے"۔

بائین پڈنگ لے کر آیا تو ہک نے بتایا کہ بائین نہ ہوتا تو ہمارے یونٹ کی حالت بہت بری ہوتی، کیونکہ ہمارے چاول خراب ہو چکے تھے۔ بائین پچیس میل پیدل چل کر گیا۔ چاول بھی بدل لایا اور ہمارے لئے چائے بھی لے آیا۔ وہاں کی لڑکیاں بائین پر مرمٹی تھیں۔

سارے سپاہی مل کر ہنسنے لگے۔ بائین نے سر جھکا لیا۔ میں نے اس کا کاندھا تھپکا۔

"ہیرو آف دی سپیشل یونٹ"۔

آگ کے شعلے ان جوان، خوش باش چہروں پر ناچ رہے تھے کیمپ فائر کی قدیم پراسرار

روشنی میں یہ ممکن تھا کہ گئے دنوں اور آنے والے زمانے کے خواب دیکھے جا سکیں، وہ صورتیں آنکھوں کے سامنے تھیں، جن کی جوانی ان کی بے محل بیماریوں نے چاٹ لی تھی۔ پیچش، بھوک اور گٹھیے کے حملے سہنے والے بدنصیب لوگ۔

ہک نے مجھے بتایا کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ یہاں کوئی مہمان آئے، اس لئے آج کھلی اجازت تھی کہ کوئی چاہے تو دیر تک جاگ سکتا ہے، ورنہ تو کھانے کے فورا "بعد سونے کے لئے چلے جاتے ہیں۔

ٹھیک نو بجے اس نے سب کو حکم دیا کہ وہ سونے کے لئے جائیں۔

"یاد رکھو کل آخری دن ہے، پرسوں وہ اپنا مال لینے آ جائیں گے، ایک آخری ہلہ بولو، تا کہ کام ختم ہو جائے"۔

"او کے، او کے، ہم جانتے ہیں کہ کل آخری دن ہے"۔ سب کے سب کھڑے ہو گئے، میں نے آس پاس کا جائزہ لیا، وہاں سونے کے لئے تو کوئی جگہ نہیں تھی، وہ ایک بہت بڑے تختے کی طرف بڑھے، جہاں انہوں نے اپنا سامان رکھا تھا، ہر ایک نے اپنا اپنا سامان اٹھا لیا۔

ہک بائین کی طرف مڑا۔

"آج کی رات کوآن، تمہارے قریب سوئے گا، تا کہ جی بھر کر تم اپنے گاؤں کی خبریں سن سکو"۔

"ٹھیک ہے"۔

" کوآن کو میرا کور دے دو، میں تمہاری جیکٹ سے کام چلا لوں گا"۔ بائین کور لے کر آیا تو اتنی دیر میں سب لوگ ادھر ادھر جا چکے تھے۔

"اچھا بڑے بھائی، کل ملیں گے، ہم تو صبح جلدی اٹھ جائیں گے، تم جتنی دیر چاہو سونا"۔

بائین نے اپنی جیکٹ ہک کو دی، وہ اسے لے کر چلا گیا۔ میں اور بائین کسی دوسری سمت چل دیئے، میرے پاؤں برادے میں دھنس رہے تھے، اتنے میں ہک کی آواز آئی"۔

"آج رات ڈیوٹی کس کی ہے؟"

"میں آج رات ڈیوٹی پر ہوں، میں کوآ نگ"۔

"خیال رکھنا چیتے پھر باہر آ گئے ہیں"۔

" کوئی فکر نہ کرو"۔

بائین ایک جگہ رک گیا، اس نے ایک بڑے تکون تختے کی طرف اشارہ کیا۔ "تم یہاں سوؤ گے۔ میں اسے کھولوں گا، تم اندر چلے جاؤ گے، تو میں اسے بند کر دوں گا"۔ میری گردن کے پٹھے اکڑ گئے۔

MashalBooks.org

"یہ تابوت ہے، کیوں ہے نا؟"

"ہاں تابوت ہے، اسے ہماری یونٹ نے بنایا ہے۔ ہک تمہیں کھانے سے پہلے نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ تمہاری بھوک نہ مر جائے، ہم تو خیر اس کے عادی ہو گئے ہیں"۔

میں خاموش کھڑا رہ گیا، چاہتا بھی تو بات نہیں کر سکتا تھا، سر سے پاؤں تک جیسے فالج گرا ہے۔

"پہلے ہم کھیتوں میں رہ کر تابوت بناتے تھے اور کیمپ میں آ کر سو جاتے تھے۔ پھر درخت ہی ختم ہونے لگے، ہم پہاڑوں میں چلے گئے تو وہاں سے آنے جانے میں وقت ضائع ہونے لگا، تو ہک نے فیصلہ کیا کہ ہم یہیں رہ لیں گے، باورچی خانہ بھی یہیں بنا لیا ہے۔ رات کے وقت ہم سب اپنے اپنے تابوت میں سو جاتے ہیں، عام طور پر یہ صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ دھند اور ہوا سے بھی بچاتے ہیں"۔

بائین نے جھک کر تابوت کا ڈھکنا اٹھایا۔ میں تابوت میں لیٹ گیا تو اس نے مجھ پر ایک صاف ستھرا کپڑا ڈالا، تھوڑی دیر بعد اس نے لکڑی کا ایک ٹکڑا لے کر تابوت اور اس کے ڈھکنے کے درمیان ٹھونس دیا۔

"ڈھکنا اور زیادہ کھلا رکھوں تو تمہیں ٹھنڈ لگ جائے گی اور یہ خطرہ بھی ہے کہ تمہاری بو سونگھ کر ٹائیگر حملہ کر دیں"۔

"تو کیا وہ یہاں اس کثرت سے ہوتے ہیں؟"

"ہاں اس لئے کہ ہم محاذ سے دور ہیں، یہاں بمباری بھی کم ہوتی ہے، دوسرے علاقوں سے ٹائیگر بھاگ کر یہاں جمع ہو گئے ہیں، کیونکہ یہاں ہوائی جہازوں کا خطرہ نہیں"۔

"کیا انہوں نے کسی پر حملہ کیا ہے؟"

"نہیں ابھی تک تو نہیں کیا۔ دشمن کی طرح ہم ان کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ ٹائیگر کی بو بھی آ جائے تو ہم فائرنگ شروع کر دیتے ہیں"۔

بائین اپنے تابوت میں لیٹ تو گیا مگر اس نے ڈھکنا کھلا رکھا تا کہ باتیں کر سکے۔ میں نے گاؤں کے متعلق اسے ساری باتیں بتائیں۔ باتیں ختم ہوئیں تو بائین نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"بے چارہ میرا باپ مجھے اس سے بہت پیار ہے"۔

"مجھے اپنے باپ سے نفرت ہے"۔

بائین نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "ہم کب فتح یاب ہوں گے؟"

"میں نے لیونگ سے پوچھا تھا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا"۔

بہت دیر تک ہم دونوں خاموش رہے۔

" کوآن۔۔۔اب سوجائیں، مجھے صبح بہت جلدی اٹھنا ہے"۔

میں نے ناک تک اپنا جسم ڈھانپ لیا۔ مگر اب لکڑی اور پسینے کی ملی جلی بو قابل برداشت ہو چلی تھی۔

" کوآن تم کیوں چیخ رہے ہو؟"

کوآن جاگ جاؤ، بڑے بھائی جاگ جاؤ"۔

میں نے ہک کی آواز پہچان لی۔ تھوڑی سی دیر مجھے اپنے آپ کو سنبھالنے میں لگی۔

" تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا کہ اتنی بری طرح چیخ رہے تھے؟"

میں ہنسا اور تابوت سے باہر آ گیا۔ سورج اوپر آ گیا تھا۔ میں نے اردگرد دیکھا تو سو سے زیادہ آدمی کام میں لگے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو تختے پکڑاتے اور ایک طرف ان کا ڈھیر لگاتے، درخت مشین پر چیرے جا رہے تھے، ہر طرف نئی لکڑی کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔

ہک نے بنجر پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"ان پر کہیں کہیں درخت موجود تھے، ان میں سے اکثر ہم نے کاٹ گرائے ہیں"۔

"بہت بری بات ہے"۔

"ہم اپنی جان لڑا دیتے ہیں مگر ان کی ضرورت پوری نہیں کر سکتے، میں نے ان سے کہا تھا کہ ایک سو آدمی اور دیں۔ کمانڈر مان بھی گیا تھا مگر کوئی یونٹ دستیاب نہیں، اس وقت بھی ہم ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش میں لگے ہیں"۔

"ادھر دیکھو"۔ اس نے ایک شاخ کے ساتھ لٹکے ہوئے بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔ یہ سلوگن میرے دماغ میں آیا تھا، تم دیکھ کر بتانا کہ کیسا ہے؟"

"لام، وہ بورڈ لگاؤ اس سے ہمارے عزم کا اظہار ہوتا ہے۔ تم اس کی تار کھول کر لے گئے تھے۔،

"نہیں، وہ تار درخت گرانے والی ٹیم لے گئی تھی۔ مگر کوئی بات نہیں میں نے تار کی بجائے کوئی اور انتظام کر لیا ہے"۔ اس نے بورڈ لگا دیا۔

سپیشل یونٹ نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ اپنا ٹارگٹ پورا کرے گا، اپنا کام نئے جوش کے ساتھ کرو، محاذ کے لئے بہترین سامان تیار کرنے کی جدوجہد جاری رکھو"۔

" کیسا ہے؟"

"بہت اچھا ہے"۔

" مجھے لکھنے کا تجربہ نہیں ہے، مگر اپنے لوگوں کو سرگرم کرنے کے لئے کچھ تو کرنا تھا۔ ہم اتنی دور اس جنگل میں بھیج دیئے گئے ہیں، کوئی خط نہیں، کوئی اخبار نہیں، واہیات خوراک اور دوائیوں

کے ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بائین نہ ہوتا تو بڑی مشکل پیش آتی۔ بائین بہت محنتی ہے اور ضرورت کی چیزیں بہر حال مہیا کر لیتا ہے"۔

" مگر تم تو سب سے اچھے شکاری ہو اوروں کو بھی شکار کرنا سکھاؤ"۔

" شکار ایک فن ہے، کسی میں اس کی صلاحیت نہ ہو تو سکھانے کا کوئی فائدہ نہیں، صرف لام میں یہ صلاحیت ہے تم سے کیا چھپانا اگر ہم خود اپنے پیٹ کی فکر نہ کریں تو فاقوں مر جائیں۔ پینے کا پانی تک تو ملتا نہیں۔ اچھا یہ لو اپنا لنچ، میں جا کر کام دیکھوں"۔

میں ایک درخت کے تنے پر بیٹھ گیا اور کیلے کے پتوں میں لپٹا ہوا کھانا کھولا۔ اس میں چاول تھے اور ابلی ہوئی چند اور چیزیں، شرمپ کی چٹنی بھی تھی، ایک وقت تھا کہ میں یہ مچھلی برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے ان عورتوں سے بھی نفرت تھی جو اسے کھایا کرتی تھیں۔ مگر بھرتی ہونے کے بعد مجھے اس کی عادت سی ہوگئی ہے۔ اسے بہت پسند کرنے لگا ہوں۔ اس کی عجیب سی بو ان ساحلوں کی یاد تازہ کر دیتی ہے، جہاں ہم ریت کے گھروندے بنایا کرتے تھے۔ کوآنگ کی یاد آتی جہاں میں تقریبا تین سال رہا تھا۔ اس مصیبت زدہ علاقے کے سادہ اور سخی لوگوں سے میرے بہت اچھے مراسم تھے جو سارا سال معمولی خوراک پر گزارہ کرتے اور چاول کا آخری دانہ بھی محاذ پر بھیج دیتے۔

شاید وہ مجھے بھلا بیٹھے ہوں، مگر میں انہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔ میرے آس پاس آرے چل رہے تھے، ہتھوڑوں کی آواز مسلسل آ رہی تھی، لوگ پورے جوش و خروش سے کام میں مگن تھے۔

" ہوآن ۔۔۔۔تم نے کام ختم کر لیا ہے؟ جلدی کرو، دوپہر ہوگئی ہے"۔

" ہمارے پاس صرف ایک سہہ پہر ہے، یعنی چند گھنٹے اور دوستو ہمت کرو"۔

" کوآت، تم تو آن کے لئے مرہم پٹی کا بندوبست کرو، اس کا بازو زخمی ہو گیا ہے"۔ ایک سپاہی میرے قریب سے گزرا۔

" تم بڑے بھائی ایسے وقت آئے ہو جب کام کا بہت زور ہے، کل صبح سے پہلے ہی وان سب کچھ سمیٹنے آ جائے گا"۔

" کوئی پرواہ نہیں۔ مجھے کھانا ختم کر لینے دو، پھر میں تمہاری مدد کروں گا"۔

" نہیں ہک بہت خفا ہوگا"۔

" اگر اسے خفا ہونا ہی ہے تو مجھ پر خفا ہوگا، تم کیوں فکر کرتے ہو؟"

" میرا کام ختم ہونے والا ہے، ویسے بھی یہ ٹیکنیکل کام ہے، تم میری مدد نہیں کر سکو گے۔ مدد ہی کرنی ہے تو خوآ کے ٹرانسپورٹ گروپ کی مدد کرو"۔

میں ٹرانسپورٹ گروپ کی طرف گیا، تاکہ چھوٹے موٹے کاموں میں ان کی مدد کروں تو

دیکھا کہ ان کے سپاہی اندھا دھند کام کر رہے ہیں، صرف نیکر پہنے، پسینے میں ڈوبے ہوئے۔

کچھ دیر بعد میں ندی پر چلا گیا، تا کہ اپنے کپڑے دھو سکوں اور نہا سکوں۔

بائین آیا تو مجھے باورچی خانے یعنی اپنی شاہی مملکت کا دورہ کرانے لے گیا، اس نے پہلے تو مجھے کچھ دیر سلایا اور پھر مجھے مرغا چکھنے پر مجبور کیا۔ جسے وہ صبح سویرے جنگل سے پکڑ لایا تھا۔ مرغ جوان اور تندرست تھا، اس لئے اس کا گوشت غیر معمولی طور پر نرم اور لذیذ تھا۔

"خیال رکھنا، جنگلی مرغوں کی ہڈیاں سخت ہوتی ہیں"۔ بائین نے مجھے خبر دار کیا۔

"اب پھر ہم کب ملیں گے؟" بائین نے سوال کیا۔

میں نے ہڈیاں باہر پھینکیں اور ندی کے کنارے دیکھنے لگا۔

"کیا پتہ کب ملیں گے۔ یہ جنگ۔۔۔۔۔ میں تمہارے لئے جو کر سکتا تھا، وہ میں نے کیا ہے، کوئی اور کام ہو تو بتاؤ"۔

بائین نے نظریں جھکا لیں۔ میں جانتا تھا کہ اس قوی ہیکل انسان کے سینے میں ایک بڑا ہی نازک اور درد بھرا دل ہے۔

"اپنی یونٹ میں واپس جانے سے پہلے میں ڈویژن ہیڈ کوارٹرز میں لیونگ سے ملوں گا۔ اسے تمہارا بہت خیال ہے"۔

بائین کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے:

"میں سب کے لئے بوجھ ہوں، یہ کوئی اچھی بات تو نہیں نا"۔

"اگر تم ایسی باتیں سوچتے رہے تو ایک دن پاگل ہو جاؤ گے، چلو آ وَ ندی پر تمہارے دوست تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

بائین نے اپنے آنسو صاف کئے اور ندی کی سمت روانہ ہو گیا۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ میری نظریں اس کی پشت پر جمی ہوئی تھیں۔ جسے میں کئی دفعہ دیکھ چکا تھا لیکن آج اسے دیکھ کر دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ ہم اکٹھے پتنگیں اڑایا کرتے تھے۔ بائین سب سے طاقتور تھا۔ اس لئے پتنگ کی ڈور ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ وہی پتنگ اڑانے کا آغاز کرتا، اسے اڑاتا ہوا کھیتوں میں لئے پھرتا اور ہم اس کے پیچھے بھاگتے رہے۔ پتنگ نیلے آسمان کی وسعتوں میں ناچتی اور سیٹیاں بجاتی، ہماری نئی بے چین روحوں میں تلاطم پیدا کرتے ہوئے کتنی ہی خواہشیں بیدار کرتی۔

اس شام ہک کامیابی کے نشے میں چور تھا۔ اس نے اپنا ٹارگٹ شیڈول سے دس روز پہلے ہی پورا کر لیا تھا۔ بلکہ اس کے پاس ایک فالتو تابوت بھی تھا۔

"اسے شاید تم نے میرے لئے بنوایا تھا؟"

وہ ہنسا اور اس نے مڑ کر سپاہیوں سے کہا:

" کل سب کی چھٹی ہے"۔ وہ تالیاں بجانے اور اس کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ رات کھانے کے بعد ہم لطیفے سناتے رہے، کئی دوست تاش کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔ کمپنی کے پاس تاش کے صرف چار سیٹ تھے، اس لئے بہتوں نے تماشائیوں کا کردار ادا کیا۔ جشن کا سماں رہا، سارا جنگل، شور اور قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ ہک میری طرف مڑا۔

"ایسی پارٹی کا موقعہ کہاں ملتا ہے؟ کچھ دیر ہمارے پاس رہو، کل میں شکار کے لئے جاؤں گا، آج رات ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں، بہت تھک گیا ہوں"۔

"ہاں ہاں ضرور، جا کر نہاؤ اور کچھ دیر کے لئے سو جاؤ"۔

اگلی صبح گولی چلنے کی آواز سے میں جاگ گیا۔ شور، ہنگامہ، لوگوں کے دوڑنے بھاگنے کی آوازیں، میں نے اپنے تابوت کا ڈھکنا اٹھایا۔ بائین پہلے ہی اٹھ گیا تھا۔ دن چڑھنا بمشکل شروع ہی ہوا تھا، لوگوں کو پہچاننے کے لئے روشنی کافی نہیں تھی۔

" کیا ہوا؟ "میں نے بائین سے پوچھا۔

"ٹائیگر ہمارا ایک آدمی لے گیا ہے"۔

" کون سا آدمی؟"

"سان، پیچش کا مریض تھا۔ ہک نے اسے کیمپ کی حفاظت پر لگایا تھا۔ سمجھ نہیں آتی کہ وہ ٹائیگر کے ہاتھ کیسے لگ گیا۔ ہمارا ایک آدمی جنگل گیا تو اس نے دیکھا کہ ٹائیگر سان کو گھسیٹ کر لے جا رہا ہے، اس نے شور مچایا تو گارڈ نے گولی چلائی۔ اب وہ اس کے پیچھے گئے ہیں"۔

ہم دونوں ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

" ہک واپس آئے تو میں چلا جاؤں گا"۔

"میں نے پہلے ہی تمہارے لئے کھانا پیک کر دیا ہے"۔

اسی وقت ہک اپنے آدمیوں کے ساتھ واپس آیا۔ وہ سب پسینے میں شرابور تھے اور ہانپ رہے تھے۔

" کیا ہوا؟ "بائین نے سوال کیا۔

"وہ پاگل ۔۔۔۔ کم بخت مجھے چاہیے تھا کہ میں اس کے منہ پر طمانچے مارتا، کئی بار میں نے اس سے کہا کہ گیٹ بند رکھے، وہ گیٹ بند کئے بغیر سو گیا، ہم گئے تو گیٹ کھلا ہوا تھا"۔

"یہ بات نہیں"۔

"اس کے لئے بہانے نہ تلاش کرو، ہر حال اب وہ مر گیا ہے"۔

"بہانوں کی بات نہیں ہے۔ سان نے مجھے بتایا تھا کہ تین دفعہ ٹائیگر آ چکے ہیں، وہ بانس

کے دوٹکڑے آپس میں رگڑ کرانہیں ڈرایا کرتا تھا، جنگل میں نوکیلے بانس ہی ٹائیگر کوزخمی کر سکتے ہیں، ایک دفعہ وہ زخمی ہو جائے تو پھر بچ نہیں سکتا، اپنا زخم چاٹنے سے اسے انفیکشن ہو جاتا ہے اور بالآخروہ مرجاتا ہے۔ سان بہت محتاط تھا، اس بار شاید وہ اتنا بیمار تھا کہ۔۔۔۔۔"

"اوخدایا یہ تو صاف صاف میری غلطی ہے"۔ہک نے بین کرتے ہوئے کہا۔

"صبر کرو، جو ہونا تھا وہ ہو چکا"۔ میں نے اسے دلاسہ دیا۔

" مگر سب کچھ میری غلطی سے ہوا، کتنی لاپرواہی، کیسی غیر ذمہ داری ہے۔ پچھلے ہفتے میں اس کی خیریت معلوم کرنے گیا تو وہ یہی کہتا تھا کہ میری فکر نہ کرو چیف، میں ٹھیک ہو جاؤں گا"۔ وہ دانت پیسنے لگا۔" کسے خبر تھی، کون جانتا تھا کہ۔۔۔۔۔۔۔"

سپاہیوں کا ایک دستہ واپس آ گیا۔ غم اور تھکاوٹ سے ان کے رنگ پیلے ہو رہے تھے۔

"چیف ہمیں اس کی لاش مل گئی ہے"۔

" کہاں سے ملی ہے؟"

" کالی چٹان پر تھی، ٹائیگر نے اس کی رانیں اور جگر کھالیا ہے"۔

"بس بس چپ ہو جاؤ، اس کی لاش لاؤ اور اسے دفن کر دو"۔ وہ ان سے پرے ہٹ گیا۔

" کیا پتہ تھا کہ فالتو تابوت اس کے لئے تھا"۔

صبح ہو چلی تھی، ایک سپاہی نے آ کر کہا:

"چیف، وان کیو سامان لینے آ گئے ہیں"۔ وہ میری طرف مڑا۔

" تھوڑی دیر انتظار کرو، انہیں سامان دینا ہے"۔

"اور مجھے جانا ہے"۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں ان مرحلوں سے گزر چکا ہوں، مجھے ان کا اندازہ ہے، ہمیں سر جھکانا ہی پڑتا ہے، ہماری پسند، ہماری مرضی کی کوئی اہمیت نہیں"۔ اس نے مجھے گلے لگا لیا، ہم بہت دیر تک اسی طرح کھڑے رہے، ہک مجھ سے یہ کہتا ہوا الگ ہوا کہ سفر میں اپنا خیال رکھنا۔

"شکریہ ہم پھر ملیں گے"۔

بائین مجھے کچن میں لے گیا اور کیلے کے پتوں میں لپٹا ہوا ایک بڑا سا پیکٹ میرے حوالے کیا، اس کے علاوہ گوشت کے دو ڈبے اور خشک خوراک کے تین پیکٹ۔

" یہ سب کچھ کہاں سے کھود لائے ہو؟"

" تمہیں پتہ ہے کہ میں ضرورت کی چیزیں مہیا کر ہی لیتا ہوں"۔ اس نے میرا تھیلا لیا اور میرے ساتھ چلنے لگا، اس کا خیال تھا کہ کچھ دور تک میرے ساتھ جائے گا۔ ہم وادی میں پہنچے تو وان کیو تابوت لئے جا رہے تھے۔ ہر شخص نے ایک تابوت اٹھا رکھا تھا۔ بوجھ سے ان کی کمریں جھکی

ہوئی تھیں۔

"اتنا بوجھ کیسے اٹھا لیتے ہیں؟"

"بس عادت ہو جاتی ہے، ٹرک تو وہ یہاں لا نہیں سکتے"۔

"سچ کہتا ہے، ہم انسانوں کی مجبوری ہے کہ ہر چیز، ہر عذاب کے عادی ہو جائیں اور اسے تہہ دل سے قبول کر لیں"۔

کندھوں پر تابوت اٹھائے وان کیو کے لوگ چلے جا رہے تھے۔ یہ لوگ اس وقت تک بوجھ برداشت کرتے رہیں گے، جب تک کہ ٹوٹ کر گر نہ جائیں۔ کیا پتہ ان میں سے ایک تابوت میرے لئے ہو۔ لڑنا اور مرنا۔ یہی تو جنگ کی دو خوبیاں ہیں۔ مجھے ڈر سا لگنے لگا۔ کوئی شخص بھی دو کشتیوں میں سوار نہیں ہو سکتا۔ میں اور میرے دوست بہت عرصے سے جنگ لڑ رہے ہیں۔ ایک زمانے سے آگ اور خون کا یہ کھیل جاری ہے، مگر کیا اب بھی یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے گھر واپس جا سکیں۔ کیا ہماری نئی شناخت ممکن ہو گی، کیا ہم کبھی امن کے روح پرور لمحات میں سانس لے سکیں گے؟"

"تمہارے کیمپ واپس جانے کا وقت ہو چکا ہے"۔ میں نے بائین کو رخصت کر دیا۔ "اپنا خیال رکھنا"۔

"فکر نہ کرو، بم خود ہی ہمیشہ نشانہ نہ بنائیں تو ان کی مہربانی ہے، ورنہ ہم تو ان سے بچ نہیں سکتے"۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میری فکر نہ کرو، اپنا خیال رکھو"۔ میں نے اسے گڈ بائی کہا۔ میری عادت ہے کہ میں رقت انگیز لہجے میں گڈ بائی نہیں کہہ سکتا۔ ورنہ تو ایسی گڈ بائی مہینوں برسوں گلے میں اٹکی رہتی ہے۔

میری آنکھ کھلی تو میں سڑک کے کنارے ایک درخت سے ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ میرا تھیلا کھل گیا تھا اور چیونٹیوں کا ایک شہر میرے گھٹنوں پر آباد ہونا چاہتا تھا، تاکہ چاول ان کی دسترس میں ہوں۔ میں نے چاولوں کا پیکٹ بند کیا، چیونٹیوں کو دفع کیا اور اپنا تھیلا لئے سڑک پر آ گیا۔

☆ ☆ ☆

اب میں ایسے علاقے میں پہنچ چکا تھا جو محاذ جنگ کا حصہ تھا۔ آس پاس کی چیزیں درہم برہم تھیں۔ کھیت اور باغ تباہ حال تھے، جس سے پتہ چلتا تھا کہ یہاں بمباری ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ سیاہ لباس پہنے ایک عورت میری طرف بھاگی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ہیلو"۔ میں نے فوراً جواب دیا۔ مگر لگتا تھا کہ اس نے سنا ہی نہیں۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ "وہ پھر چیخی۔ میں اس کے قریب چلا گیا۔

"میں ایک بوڑھے اور ننھی سی لڑکی کی تلاش میں ہوں"۔

"ان کے گھر پر بم گرا ہے۔ یہاں سے جلدی نکلو"۔اس نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

میں اس کے پیچھے بنکر کی طرف بھاگا۔ وہ ہانپتی ہوئی بولی:

"بمباری ابھی ابھی ہوئی ہے۔ وہ ہمیشہ اس وقت آتے ہیں، بی52۔ ہمیشہ وقت کی پابندی کرتے ہیں"۔

عین اسی وقت بنکر میں سے چار ننھے سر ابھرے۔

"ماما، ماما"۔

اس خاتون نے پھر میرا ہاتھ پکڑ لیا:

"نیچے اترو"۔ بنکر میں سے مٹی اور تیل کی بو آ رہی تھی۔ مجھے رفتہ رفتہ تاریکی میں نظر آنے لگا، اس کے بچے چار نہیں بلکہ چھ تھے۔سب کے سب تقریباً ایک ہی سائز کے تھے۔

"ہیلو انکل"۔ مگر مجھے جواب دینے کی فرصت ہی نہ ملی۔ بڑا بچہ میری گردن سے لپٹ گیا۔

"وہ آ رہے ہیں"۔ بچے فوراً لکڑی کے تختوں کے نیچے چھپ گئے۔

"کیا تم سب نیچے چلے گئے ہو؟ "ماں چیخی۔

"ہاں ہاں"۔انہوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

بم پھٹنے کی آواز، زوردار دھماکہ، اس خاتون نے اپنے ہاتھ کانوں پر رکھ لئے۔

"اپنے کان بند کرو، ورنہ تمہارا دماغ پھٹ جائے گا"۔

مجھے ہنسی آئی مگر میں نے روک لی۔ یہ عورت مجھے حکم دے رہی ہے گویا میں ننھا بچہ ہوں۔ اس کی خوشی کے لئے میں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ تین ہوائی حملے ہوئے، شاید تین B۔ 52 تھے ان کے دھماکوں سے زمین پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ بیس منٹ بعد حملہ ختم ہوا، بچے اپنے سروں سے گرد جھاڑتے ہوئے تختے کے نیچے سے نکل آئے۔

"خاموش کھڑے ہو جاؤ۔ انکل کو آرام کرنے دو"۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"بہت تھکے ہوئے ہو، کچھ دیر آرام کر لو"۔ میں نے اپنے چاولوں میں سے ایک پیالہ بھر کر اسے دیا اور لکڑی کے تختے پر ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا۔لکڑی کا تختہ مجھے سنگ مرمر کا فرش لگا، چکنا اور ٹھنڈا۔ میں فوراً ہی سو گیا۔ بچوں کی آواز سن کر جاگا۔

"انکل سولجر جاگ جاؤ۔ کھانا تیار ہے۔ ہم کھانے لگے ہیں"۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو کتنی ہی چھوٹی چھوٹی آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ میں ہنس پڑا۔

بڑی بیٹی آٹھ دس سال کی تھی، وہ کھانا پکانے میں ماں کی مدد کر رہی تھی۔ میں نے سنا کہ وہ کہہ رہی ہے۔

MashalBooks.org

"اب وہ چلے گئے ہیں، آؤ ہم اوپر جا کر کھانا کھائیں"۔
ماں نے اسے ڈانٹا۔
"بحث کی ضرورت نہیں، ہم یہیں کھانا کھائیں گے"۔
"مجھے کیوں ڈانٹتی ہو"۔
"تمہاری زبان جو بہت تیز ہے، اچھا چلو اوپر لے چلو، کھانا باہر بیٹھ کر کھاتے ہیں"۔ بچے خوش ہو گئے اور زور زور سے چلانے لگے۔
"ہم کھانا باہر کھائیں گے، بنکر سے باہر"۔ انہوں نے میری قمیص پکڑ لی۔
"آؤ انکل ہم باہر جا رہے ہیں۔ ماما کہتی ہے کوئی خطرہ نہیں"۔
بڑی لڑکی نے ٹرے نیچے رکھی۔ جیک فروٹ کا درخت ساتھ ہی تھا۔ اس کے پاس ہی چھوٹی سی چوکور میز تھی، جس کی ٹانگیں زیادہ سے زیادہ چار انچ تھیں۔
"صبر کرو، ورنہ میں تمہارے ہاتھوں کی انگلیاں توڑ دوں گی۔ اگر تم اس طرح شرارتیں کرتے رہے، ماما کا انتظار کرو"۔ ان کی بڑی بہن انہیں ڈانٹنے لگی۔ ماما ایک ہاتھ میں چاول اور دوسرے میں سوپ لے کر آ گئی۔ اس نے ٹرے کی ایک خالی سائیڈ پر دونوں پیالے رکھے۔ ایک خالی پیالہ اور چوپ سٹک مجھے دی۔
" کھانا کھاؤ، ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ زیادہ چیزیں تو نہیں بچیں، مگر جو بھی ہو سکا لے آئی ہوں"۔ میں نے دیکھا کہ بچے بہت شوق سے چاولوں کو گھور رہے ہیں۔ میں نے ان کی ماں سے کہا کہ چاول ان میں بانٹ دے، میں کچھ اور کھا لوں گا۔ اس نے سر ہلا کر انکار کر دیا۔
"پھر میں کچھ نہیں کھاؤں گا"۔
"تم ضرور کھاؤ گے، ورنہ تم میں پہاڑوں پر چڑھنے کی طاقت کہاں سے آئے گی۔ تم امریکیوں سے کیسے لڑو گے۔ بچوں کی کوئی بات نہیں، انہیں تو بڑا ہونا ہے۔ روکھی سوکھی کھا کر بھی بڑے ہو جائیں گے۔ ہم اتنے غریب بھی نہیں تھے، مگر اب جنگ کا زمانہ ہے، ہم حملہ آوروں کو کیسے شکست دیں گے، اگر ہم جنگ میں اپنا حصہ ادا نہ کریں"۔
"وہ ٹھیک ہے مگر میں چاول نہیں کھاؤں گا"۔
"بہت ضدی ہو، دیکھو لڑنے کے لئے تمہیں خوراک چاہیے"۔
"تو اچھا بڑی بہن، ہم یہ بحث یہیں چھوڑتے ہیں اور میں فوراً یہاں سے چلا جاتا ہوں"۔
میں نے ظاہر کیا کہ میں بنکر سے اپنا سامان اٹھانے جا رہا ہوں۔ اس نے ہار مان لی۔
"اچھا، اچھا"۔ اس نے میری قمیض پکڑ لی۔ "جو تم چاہو گے وہی ہو گا"۔
اس نے چاول بچوں میں بانٹ دیئے، مجھے بھی مجبور کر کے کھلا دیئے، لیکن خود ایک دانہ بھی

نہ لیا۔ اس کی عمر چھتیس سسال ہو گی۔ مگر اس کے منہ کے آس پاس جھریاں موجود تھیں، وہ کون ہے؟ اس نے کیسی زندگی گزاری ہے؟ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ ہنس کر بولی:

"میری فکر نہ کرو، میرا گھر بہت اچھا تھا۔ میرے شوہر نے اسے گرا کر ٹوٹی ہوئی سڑک کے گڑھے بھر دیئے، تا کہ توپیں وغیرہ آسانی کے ساتھ گزر سکیں۔ گھر کا کوئی افسوس نہیں۔ اگر چہ وہ زندگی بھر کی زبردست محنت کا حاصل تھا۔ زرعی اصلاحات کی مہم کے دوران میرے سسر کو رجعت پسند قرار دیا گیا، انہوں نے اسے ہتھکڑی لگائی اور فائرنگ سکویڈ کے سامنے لے گئے۔ ابھی وہ راستے میں تھے کہ ایک اور حکم آ گیا، وہ اسے شہر اور شہر سے جنگل لے گئے، مگر وہ جنگل کی جیل سے فرار ہو گیا۔ وہیں اس نے ایک سال گزارا مگر کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔ یہاں تک کہ غلطیوں کی اصلاح کی مہم شروع ہو گئی۔ پارٹی نے اس کی حیثیت بحال کر دی اور وہ واپس آ گیا۔ جب میری شادی ہو گئی تو ہم تینوں اکٹھے رہنے لگے۔ سات سال بعد میرے سسر نے گاؤں میں اینٹوں کا سب سے بڑا گھر بنایا۔

" کیا تمہارا شوہر بھرتی ہوا ہے؟"

"وہ مارا جا چکا ہے۔ وہ میرین سپلائی کمپنی کا کمانڈر تھا"۔

میرین سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"ہم ساحل سمندر کے رہنے والے ہیں، جنگ کے بعد ہمارا نصف گاؤں اس طرف آ گیا تھا، وہ اپنے سب سے چھوٹے بچے کے بالوں سے کھیلتے ہوئے کہنے لگی:

"ایک روز تم وہاں واپس چلے جاؤ گے، ایک بہت بڑی کشتی لے کر اور تمہارے بھائی تمہارے ساتھ ہوں گے، تم سب مل کر میرے لئے ایک خوبصورت سا گھر بناؤ گے"۔

ذرا سی دیر کے لئے وہ چپ ہوئی پھر خواب ناک لہجے میں بولی:

"جب وہ امریکی حرامزادے وہاں سے چلے جائیں گے"۔ وہ سمندر کی سمت دیکھنے لگی۔ "ایک روز کشتی کسی ننھے ملاح کی راہ دیکھ رہی ہو گی، جو پیالے کی تہہ سے بھی چاول چاٹ لیتا ہے"۔ میں نے انہیں خدا حافظ کہا اور محاذ کی سمت روانہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

میری قسمت میرا ساتھ دے رہی تھی۔ جونہی میں سڑک پر پہنچا ایک سپلائی کا کانوائے آتا ہوا نظر آیا۔ میں اس کے سامنے سڑک کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ آگے آنے والا ٹرک مجھ سے صرف دو گز کے فاصلے پر رک گیا۔

"تم پاگل ہو؟ " ڈرائیور کود کر ٹرک سے اترا۔ "ہماری بریکیں بے کار ہو چکی ہیں۔ ذرا سا فاصلہ رہ گیا تھا، ورنہ تم جہنم میں ہوتے اور میں کورٹ مارشل میں"۔ میں ہنسنے لگا:

MashalBooks.org

"سوری بڑے بھائی، مگر تم جانتے ہو کہ۔۔۔۔۔"

"اچھا اب آ جاؤ"۔ وہ بڑبڑایا۔ میں خاموشی سے ٹرک میں بیٹھ گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"کوآن"۔

"میں وو ہوں پچیس سال میری عمر ہے اور ہنگ خوئی کا رہنے والا ہوں اور تم؟ تم تو یقیناً تیس برس کے ہو گے؟"

"نہیں اٹھائیس برس کا ہوں۔ بالوں میں سفیدی زندگی کے دکھوں سے آئی ہے۔ ڈونگ تھین میرا گاؤں ہے"۔

"واہ واہ میرے ہمسائے ہو۔ ہمارے ضلعے ساتھ ساتھ ہیں اور ہمارا صوبہ بھی ایک ہے۔ تو کیا ہم دائمی دوستی کا عہد کر سکتے ہیں۔ ہمارے کلب کے تئیس ممبر ہیں۔ تم عہد نامہ پر دستخط کرو گے؟"

"کیوں نہیں"۔ زور سے ایک جھٹکا لگا، میں کھڑکی کے ساتھ ٹکرانے سے بال بال بچا۔

"یہ سڑک بہت خراب ہے، احتیاط سے بیٹھو، ذرا سی توجہ ہٹ جائے تو دانت گنوانے پڑتے ہیں"۔

"سات بے گناہوں کی وادی"۔ وو مجھے بتانے لگا۔ "تم پہلے بھی شاید یہاں آئے ہو گے، نرا دوزخ ہے"۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے جنگل کے اس حصے کو پہچاننے کی کوشش کی، جہاں میں کھو گیا تھا اور جہاں مجھ پر ایک نوجوان ہنسا تھا، مجھے اس وقت بھی یہ احساس ہوا تھا کہ وہ پنجرہ اب بھی جیتا جاگتا انسان ہے اور ہنسنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

"میرے یار، تم مجھ سے خفا نہیں ہو سکتے، میں تمہارا سامان تمہارے گاؤں لے کر گیا تھا، وہاں مجھے میڈم لی سے ملایا گیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا، تو اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ "میرا بچہ"۔ وہ چیخی اور بے ہوش ہو گئی۔ بہت سی عورتیں اس کی دیکھ بھال میں لگ گئیں۔ ایک عورت میڈم لی کے سٹال کی دیکھ بھال کرنے لگی۔ اس نے مجھے بتایا کہ میڈم لی بیوہ ہوئی تو اس کا بچہ ہونے والا تھا۔ باپ کی موت کے تین مہینے بعد بچہ پیدا ہوا تھا۔ وہ بہت شریف نوجوان تھا اور موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ گاؤں کی لڑکیاں اس کی دیوانی تھیں، مگر وہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی ماں کے ساتھ چپکا رہتا تھا۔ اسے گئے ہوئے کئی سال ہونے کو آئے ہیں۔ اس کی شادی کے لئے اس کی ماں پیسہ جمع کرتی رہتی ہے اور ایسا کرنے میں اسے سخت محنت سے کام لینا پڑتا ہے۔

"تم وہاں کیا کر رہے تھے، سڑک کے درمیان اپنی ماما کا خیال آیا تھا، یا محبوبہ یاد آئی تھی"۔ اچانک وونے مجھ سے پوچھ لیا۔

"نہیں میں۔۔۔۔" مگر اچانک ایک زور کا جھٹکا لگا۔"میں نے تمہیں خبردار کر دیا تھا۔ یہ سڑک سات بے گناہوں کی وادی کو جاتی ہے، تم پہلے بھی کبھی ادھر آئے ہو گئے؟"

"ہاں یہ اچھی جگہ ہے سوائے اس۔۔۔۔۔"

"یہ ایک سپاہی کا ڈراؤنا خواب ہے۔ وادی کا نام، اس جنگل کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اچھی طرح دیکھو۔ مشرق سے جنوب تک اس کا رنگ سبز ہے۔ وہاں جھاڑیاں اور پودوں کی بھرمار ہے، مگر ان پودوں میں پھول نہیں لگتے اور مشرق سے شمال مغرب تک خوپ کے درختوں کے سوا کچھ نہیں۔ خوپ کا جنگل دوسری طرف کے پہاڑی سلسلے تک پھیلا ہوا ہے۔ وہاں راستہ گم کرنے والے کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس جنگل کا قیدی بن گیا۔ سارے درخت ایک جیسے لگتے ہیں، ایک ہی جیسے قد آور، ایک جیسی مشابہت، جس کی وجہ سے اپنے رستے کی پہچان نہیں رہتی، ایک دفعہ میں یہاں، جیسے کھو گیا تھا۔

"تم سپیشل یونٹ میں تھے یا لائیز ان ایجنٹ تھے؟"

"میں ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں تھا، بس ایک ضرورت کے تحت میں ایک سمت چلا گیا، پھر واپسی کا راستہ نہیں ملا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم کس سمت جاتے ہیں، کیونکہ ساری سمتیں سمٹ کر ایک ہو جاتی ہیں۔ تم چیخو چلاؤ، جو جی میں آئے کرو، کوئی مدد کو نہیں آئے گا، میں اپنی رائفل بھی ساتھ نہیں لایا تھا کہ فائر کر کے اپنے ساتھیوں کو بتا دوں کہ میں مصیبت میں ہوں۔ چیخنے چلانے سے میرا گلا بیٹھ گیا تو میں نے ہمت کی اور چلنا شروع کر دیا۔ مگر میں جس طرف بھی رخ کرتا تھا انہی درختوں میں کھو کر رہ جاتا۔ میرے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا، کوئی چھری چاقو یہاں تک کہ لائیٹر بھی نہیں تھا۔ میں اسی طرح بھوکا پیاسا پانچ روز تک اس جنگل میں بھٹکتا رہا۔ چھٹے دن جب میں رینگ بھی نہیں سکتا تھا تو ایک درخت کے سائے میں لیٹ کر موت کا انتظار کرنے لگا۔ عین اسی وقت میری یونٹ نے میری تلاش شروع کر دی۔ آخر کار انہوں نے دیکھا کہ میں ایک درخت کے نیچے بے ہوش پڑا ہوں، وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ میری طبعیت سنبھلی تو مجھے بتایا کہ انہوں نے ایک غار کے قریب سات انسانی کھوپڑیاں پڑی دیکھی ہیں۔ کیڑے مکوڑے ان کا گوشت پوست سب کچھ کھا گئے تھے، یہاں تک کہ ان کے کپڑے، کاغذات اور سامان بھی۔ بس سات کھوپڑیاں باقی رہ گئیں اور سات زنگ آلود رائفلیں۔ اسی لئے ہم اسے سات بے گناہوں کی وادی کہتے ہیں"۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دراصل میں آٹھویں، نویں اور دسویں بے گناہ کے متعلق

سوچ رہا تھا۔ جنگ میں مارے جانے والے بے گناہوں کی صحیح تعداد کوئی بتا سکے گا؟

"جنگ کے بعد کیا وہ واپس آ کر اپنے شہیدوں کی ہڈیاں ڈھونڈ ھ نکالیں گے؟"

"پتہ نہیں مگر جنگ میں کھو جانے والے شاید ہی باز یافت ہوتے ہیں"۔

"میرے خدایا، مگر اس وقت تک یہاں کیچڑ کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا"۔ میں خاموش رہا۔

" کھانے کے بعد میں اپنی کلب کے ممبروں سے تمہارا تعارف کرواؤں گا، وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے"۔

☆ ☆ ☆

میں اپنی خوابوں کی ملکہ کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ وہ آسمانوں میں ٹہلتی پھرتی ہے، ستاروں کی روشنی میں اس کا چہرہ کندن کی طرح دمکتا ہے۔ کھیتوں سے ابھرتی ہوئی ایک سرگوشی، ہماری شادی کب ہوگی؟ اس کی کمر کتنی نازک ہے۔ میری بھرتی کے دن اس کے چہرے کی پیلاہٹ اور وہ اس کی اداس آنکھیں جو ٹوٹے پھوٹے کیچڑ بھرے راستوں پر میری پریڈ دیکھتی رہیں۔ انہیں راستوں پر، جہاں انسانوں کی گلی سڑی لاشیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔

وہ عورت مجھے یاد آتی ہے، وہ جواب میرے پاس نہیں، جو مجھ سے دور ہے، جو ہمیشہ خوابوں میں کھوئی رہتی تھی، وہ خوبصورت چہرہ جو کبھی افسردہ، کبھی شاداں ہوتا۔ ایسا چہرہ میری ماں کا تھا، اس پر میری ماں کی دلآویز مسکراہٹ کھیلتی تھی، اس کی آنکھوں کی بے کراں گہرائی اور وسعت، اس کا گداز اور ایک معصوم سی دل بہلانے والی لوری۔

بونگ، بونگ، بونگ، بونگ

☆ ☆ ☆

میں ڈویژن ہیڈ کوارٹرز واپس پہنچا تو ہونگ نے مجھے بتایا کہ میرا دوست لی پاگل ہو گیا ہے۔ وہ ایک ہفتہ تک بالکل چپ رہا۔ تھیو نے بہت کوشش کی، کبھی اسے ڈرایا، کبھی دلاسا دیا، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آٹھویں دن اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ کسی کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتا، دسویں دن اس کی یہ حالت ہوئی کہ انسانوں کے علاوہ روشنی سے بھی ڈرنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھیں زخمی جانور کی آنکھوں کی طرح سہمی ہوئی تھیں۔ پھر انہوں نے اسے ملٹری ہسپتال میں داخل کر دیا۔ اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں۔ لیونگ نے مجھ سے افسوس اور ہمدردی کا اظہار کیا۔ اس نے مجھے اپنی کمپنی میں واپس جانے کو کہا، کیونکہ کسی بڑے حملے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ میں اس سے بائیں کی باتیں کرتا رہا، اس کے خاندان کا ذکر بھی کیا۔ گاؤں کے حالات بھی بتائے وہ سب کچھ خاموشی سے سنتا رہا۔ کسی حد تک متاثر بھی ہوا مگر ہمارا بچپن مر چکا تھا۔ اب وہ

کرنل یعنی پورے ڈویژن کا ڈپٹی کمانڈر تھا۔ شہرت اور ترقی اس کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ اب وہ پہلے جیسا دوست نہیں رہا تھا، اس نے کوئی اور ہی راستہ اختیار کر لیا تھا، وہ راستہ جو انسان کو اپنی اصلیت سے دور لے جاتا ہے۔ بیزار ہو کر میں نے گڈبائی کہا اور اپنا راستہ لیا۔

جنگ میں ہماری فتح ہوئی۔ اس جنگ کا کوڈ سرخ دریا کی لہریں تھا۔ ہماری فتح، ہماری قابلیت اور اعلیٰ جنگی صلاحیتوں کا ثبوت تھا۔ ہم نے دشمنوں کی ایک رجمنٹ تو تباہ کر دی تھی اور دو رجمنٹیں ناکارہ بنا دیں تھیں۔ پھر حکم ہوا کہ ہم پیچھے چلے جائیں، کچھ آرام کریں اور نئے سرے سے اپنی طاقت کا جائزہ لیں۔

محاذ سے واپس آتے ہوئے ہمارے ایک نان کمشنڈ افیسر نے بارودی سرنگ پر پاؤں رکھ دیا، ویسے تو کہتے ہیں کہ وہ جنگل میں کسی ضرورت کے تحت گیا تھا، لیکن جب اس کا بیگ کھولا گیا تو اس میں سے درجنوں چھریاں، کانٹے، چمچ اور چاقو نکلے، سب امریکہ کے بنے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں پھینک دینے کا حکم دیا۔ میرے ساتھی میرے غصے پر حیران ہو گئے، کیونکہ بظاہر اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ وہ میرے گرد خاموش کھڑے رہے، میں اکیلا ہی ندی پر چلا گیا۔ میں سگریٹ پر سگریٹ پیتا رہا اور ان کے دھوئیں کو رقص کرتے اور معدوم ہوتے دیکھتا رہا۔

"حرامزادے، تم نے اتنی حقیر چیزوں کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالی، اے کاش کہ میں تمہیں مار پیٹ کر یہ بات سمجھا سکتا"۔

میں نے مرنے والے پر لعنت بھیجی، اپنے آپ پر لعنت بھیجی اور دور دور تک پھیلے کھیتوں پر بگلوں کا ہجوم دیکھنے لگا۔ لعنتی مخلوق کیچڑ کھود کھود کر اس میں اپنا رزق تلاش کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

پھر وہی خواب جو ایک سال سے ہر سڑک، ہر موڑ پر میرا پیچھا کر رہا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ ٹرین پٹڑی سے اتر گئی ہے، اس کے خالی ڈبے شور مچاتے، گھسٹتے ہوئے جا رہے ہیں۔ کبھی کبھی سائرن کی لمبی دردناک چیخ گاؤں کی بے نام، بے پایاں اداسی کو چیرتی ہوئی نکل جاتی ہے۔

"چیف میں ڈیوٹی پر آ گیا ہوں"۔ جانی پہچانی آواز مگر کہیں دور سے آتی ہوئی۔ سائرن پھر چیختا ہے، لمبی اور دل دہلانے والی چیخ۔ ٹرین ایک جھٹکے کے ساتھ روانہ ہوتی ہے اور ایک ماتم خیز افق کے پیچھے غائب ہو جاتی ہے۔ میں پرندوں کے سائے دیکھتا ہوں، جو اپنے بازو گھسیٹتے ہوئے چل رہے ہیں، مگر اڑتے نہیں، وہ میری طرف آ رہے ہیں، قریب اور قریب۔ مگر وہ بگلے تو نہیں ہیں۔ راج ہنس بھی نہیں، وہ تو گدھ ہیں، وہ میرے اور قریب آ جاتے ہیں، ان کے غلیظ پر دیکھ کر مجھے گھن آتی ہے، مگر وہ آگے بڑھ رہے ہیں، اپنی منحوس خون آلودہ چونچیں کھولے ہوئے۔

جنگل اور پہاڑوں میں رہنے والوں کے لئے ایسا منظر بہت ڈراونا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ

MashalBooks.org

سے وہ بدنصیب بستیاں بھی یاد آتی ہیں، جن کے گلی کوچے اور کھیت بدبودار انسانی لاشوں سے پٹے پڑے ہیں، جن پر مکھیاں بھنبھناتی ہیں اور گدھ ڈیرہ ڈالے رہتے ہیں۔ مگر انہیں ٹھکانے لگانے کی کوئی صورت نہیں بنتی۔

"چیف چیف۔۔۔۔۔ "دو ہاتھوں نے مجھے سختی سے جھنجھوڑا۔ میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

سارجنٹ ماؤ میری پائینتی کے پاس کھڑا تھا۔

"چیف کامریڈ ہنگ نے کامریڈ تیو کو چاقو مارا ہے"۔

" کیوں؟"

"وہ آپس میں مذاق کر رہے تھے کہ ہنگ کا دماغ خراب ہو گیا"۔

"تیو کا زخم گہرا ہے؟"

"ڈاکٹر کہتے ہیں کہ زخم چار انچ چوڑا اور دو تین انچ گہرا ہے۔ تلی بھی زخمی ہے"۔

"اسے فورا ہسپتال لے جاؤ۔،

"میں نے پہلے ہی تیاری کر لی ہے۔ ڈاکٹر پٹیاں کر رہا ہے"۔

"اور ہنگ؟"

"ام۔۔۔"

" کیا مطلب ہے"۔ میں چیخا۔

"تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟"

"جی، جی"۔ ماؤ کا رنگ سفید ہو گیا، شاید خوف کی وجہ سے۔

"یہ واقعہ تمہاری یونٹ میں ہوا ہے، تمہیں چاہیئے تھا کہ تم اسے وہیں گرفتار کر لیتے اور اب اگر تم یہ نہ کر سکو تو اس کی بجائے اپنے آپ کو ملزم سمجھو"۔ ماؤ ہکلاتا ہوا ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر دکھ ہوتا تھا۔

"اسے فورا گرفتار کرو، زخمی کو ہسپتال لے جاؤ اور پھر مجھے رپورٹ دو"۔

"یس سر"۔

"میں بہت بددل ہوا۔ میرا خیال تھا کہ یہ دن سکون اور آرام سے گزرے گا۔ ایسا کوئی دن عرصہ ہوا کہ ہماری زندگی میں نہیں آیا۔ برسوں سے ہم جنگلی سبزیاں اور بانس کھا رہے ہیں۔ اب کہیں جا کر انہوں نے ہمیں تین ہفتوں کے لئے راشن بھیجا ہے اور بڑی بہتات سے بھیجا ہے۔ میں نے تمام پلاٹون کمانڈر جمع کئے اور ان سے کہا کہ فتح کے موقع پر سب کا راشن دگنا کر دیں۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ مجھے سونے دیں۔ میں مسلسل چار راتوں سے رپورٹ لکھ رہا ہوں۔ ابھی سانس لیا ہی تھا کہ خون پھر بہنا شروع ہو گیا۔

MashalBooks.org

میں نے جوتے پہنے، منہ دھویا اور دفتر واپس آ گیا۔ ماؤ میرا منتظر تھا۔ میں نے اسے ایک سگریٹ دیا، جسے اس نے کانپتے ہاتھوں سے جلایا۔ ماؤ سادہ دل اور نیک لڑکا تھا، میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ذہنی بوجھ میں اضافہ ہو، ورنہ وہ ڈر جائے گا اور شاید پوری بات نہ بتائے۔

" کیسی بدقسمتی ہے، جشن کے موقعہ پر یہ واقعہ ہونا تھا"۔

"ورنہ یہ جشن بہت کامیاب ہوتا"۔ وہ پرسکون ہو گیا تھا۔

"لنچ کھا چکے ہو؟"

"ابھی نہیں، لنچ شروع ہونے والا تھا کہ یہ واقعہ ہو گیا"۔

"آج لنچ میں کیا پکا ہے؟"

"سبھی کچھ، گوشت، سبزی، انڈے اور مچھلی"۔

"اس واقعہ کے بعد کھانے میں کیا مزہ رہ گیا ہے"۔

"واقعی، مگر سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ کوئی شخص مداخلت نہ کر سکا"۔ میں نے ماؤ کو ہدایت کی کہ وہ ہنگ کی نگرانی کرے اور کل صبح اسے رجمنٹ کے ہیڈکوارٹرز بھیج دے۔

تمام کیمپ پر اداسی اور خاموشی کا سایہ تھا۔ کھانا کھا کر سب سپاہی خاموشی سے سونے چلے گئے۔ کوئی تاش پارٹی ہوئی نہ کسی نے ہنگامہ کیا۔ حالانکہ کھانے کے بعد ہر رات وہ بڑے جوش و خروش سے تاش کھیلتے، چیونگ گم، تمباکو اور خوبصورت عورتوں کی تصویروں پر شرطیں لگاتے۔ حد یہ ہے کہ قحط کے دنوں میں بھی وہ تاش کھیلتے تھے، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لمحے بھی الم ناک اور اداس ہوتے تھے۔ امن اور مسرت کی خواہش کسی پہاڑی چشمے کی طرح کہیں سے پھوٹ پڑتی تھی۔ مگر خواہش کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ بدنصیبی پیچھا کر رہی تھی، بدنصیبی جس کی ہزار شکلیں اور ہزار زاویے تھے۔

"سب نے کھانا لیا ہے ٹھنڈا ہونے سے پہلے۔۔۔۔"

"اسے ٹیبل پر رکھو اور جا کر آرام کرو"۔

"چیف، تمہارا رنگ سچ مچ پیلا ہو رہا ہے"۔

"شکریہ"۔ میں اپنا خیال رکھ لوں گا، تم آرام کرو"۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ جاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہا ہے، کچھ کہنا چاہتا ہے مگر نہیں کہتا۔ پروموشن کا مسئلہ ہے یا رخصت پر جانا چاہتا ہے یا کوئی اور بات ہے۔

مگر جب مجھے پتہ چلا کہ وہ لائیزن افسر بننا چاہتا ہے تو میں فوراً مان گیا۔ اپنی کمان میں ایسے لوگ ہوں تو انہیں برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ یہ ذہنی تشدد سے کسی طور کم نہیں۔

ہنگ کیا سوچتا ہوگا۔ جن لوگوں نے اسے باندھ کر رکھا ہے اور جو اس کی نگرانی کر رہے ہیں،

وہ سب کے سب وہ لوگ ہیں جو جنگ میں اس کے ساتھ رہے ہیں۔ مجھے اس واقعہ کی رپورٹ لکھنی تھی۔ رپورٹ ہنگ کو ریجنل ہیڈکوارٹرز بھیجنے سے پہلے لکھی جاتی تھی۔ وہاں سے ملٹری کورٹ میں پیش ہونا تھا۔ ملٹری کورٹ ریجنل ہیڈکوارٹرز سے دور جنگل میں تھا۔ مگر رپورٹ لکھنے سے پہلے ہی میں نے کاغذ لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔

میری کمپنی میں ہنگ ان لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جو سب سے بہادر تھے، خطرے سے بھاگنا تو اسے آتا ہی نہیں تھا۔ نہ خطرے میں گھر کر حکمت تھا، لگتا تھا کہ وہ لڑنے مرنے کے لئے پیدا ہوا ہے، اس کے علاوہ دنیا میں اس کا کوئی کام نہیں وہ فوجی حکمت عملی پر کلاسیکی چینی فکر کی عمدہ مثال لگتا ہے کہ ڈاکو، لیٹرے، بدمعاش اور بے سہارا یتیم بہترین سپاہی ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ کسی پچھتاوے کے بغیر موت سے لڑ جاتے ہیں۔ اپنی جسمانی ساخت، شباہت اور عادات کے لحاظ سے وہ کم و بیش ایک ہی جیسے ہوتے ہیں، دشمن پر جھپٹ کر حملہ کرنا اور چشم زدن میں اس کا سرتن سے جدا کر دینا، ان کے لئے معمولی بات ہے۔

دست بدست لڑائی میں ہینگ ہمیشہ نت نئے طریقے ایجاد کرتا اور پھر اپنے کارناموں کی تفصیل سنا سنا کر خوش ہوتا۔ ایک دن بے خیالی میں، میں نے ہنگ سے پوچھا کہ بھرتی کے دن کون اس کے کندھے پر سر رکھ کر رویا تھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ میں اس کا مذاق اڑا رہا ہوں۔ اس پر اسے غصہ بھی آیا لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ میری نیت نیک ہے۔

"میرے لئے کسی نے کبھی کوئی آنسو نہیں بہایا"۔

"سب ہنستے رہے۔ وہ اس وقت بھی ہنستے رہے، جب مجھے، مجھ سے بڑے ایک بدمعاش نے پیٹا تھا"۔

5 edulcni$[-d:\work\mashil\hmas.hml]

86 no page

تہذیب کی معراج یہ ہے کہ تم کسی بلند مقام پر پہنچ جاؤ تمہارے سامنے رنگین پرچموں کا ایک سمندر رہو، توپیں داغی جا رہی ہوں۔ آس پاس تمہارے سپاہی سنگین تانے کھڑے ہوں۔ یہی دائمی مسرت ہے اور یہی طاقت ہے۔ دولت اور محبت بعد کی بات ہے، ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ اسی لئے ہمیں ایک مذہب کی ضرورت ہے"۔

" مگر میں تو برسوں سے سن رہا ہوں کہ مذہب لوگوں کے لئے افیم ہے، بار بار تم مارکس کا حوالہ دیتے ہو"۔

"دیکھو میں پروفیسر ہوں، میں کلاس کو وہی لیکچر دیتا ہوں جس کے لئے مجھے کہا جاتا ہے۔

MashalBooks.org

آئیڈیل ازم کی طرح طالب علموں کو یہ لفظ مذہب بھی زبانی یاد ہونا چاہیے، مذہب اگر افیم ہے تو اس افیم کی جتنی ضرورت ہمیں ہے اور کسی کو نہیں"۔

اس کے ہمسفر نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"تو اب تمہاری یہ حالت ہوگئی ہے؟"

پہلے ساتھی نے اسے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاید تم ابھی تک اسکول کے بچے بنے ہوئے ہو، مجھے تمہاری یہ بات اچھی لگتی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ ہم دہریے ہیں، ہم نے عبادت کا مسمار کی ہیں اور پگوڈوں کو ویران کیا ہے۔ اب ہم مارس کی تصویریں آویزاں کریں گے اور عوام کے لئے کوئی نیا دین ایجاد کریں گے۔ اپنی فوج کی وہ مہم یاد کرو جس کا مقصد نظریاتی اصلاح تھی، جس کا ٹارگٹ ۲۵۹۱ سے ۳۵۹۱ میں بھری ہونے والے تھے۔ کیا ان کا رویہ چرچ میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والوں سے کچھ مختلف تھا؟ ہمیں نے گناہ ایجاد کیا ہے اور ہمیں نے اس کی ازیت بھی برداشت کی ہے، ہم نادم ہوئے ہیں کہ شاید ہماری روح کا تزکیہ ہوسکے۔ شاید ہم اپنے خالق کے قریب ہوسکیں"۔

پروفیسر کھانستے ہوئے خاموش ہوگیا۔ اس کا ساتھی بھی خاموش رہا۔ دونوں نے پھر سگریٹ پینا شروع کردیئے، پروفیسر نے چند کش لئے اور اپنے دوست سے پوچھا:

" کیا تم نے مارکس کی سوانح عمری پڑھی ہے؟"

"نہیں، دی ہولی فیملی کا صرف دیباچہ پڑھا ہے"۔

"قدرتی بات ہے، مارکس کو سینٹ بنانے کے لئے انہیں اصلی مارکس کو منظر سے ہٹانا ہی تھا، میں اس گھر میں گیا ہوں، جہاں وہ پیدا ہوا تھا، میں نے کئی ایسی وزیٹر بکس میں دستخط کئے ہیں جو مارکس کے لئے وقف تھیں۔ اس کے مزار پر پھول چڑھانے کے لئے میں لندن بھی گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر اپنے دوست سے مخاطب ہوا تو اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک تھی۔ سونے کے فریم کی عینک اس کی بھوؤں کے نیچے سج رہی تھی۔

"ظاہر ہے کہ ایک بڑے آدمی کا اندازہ اس کی پرائیویٹ زندگی سے نہیں ہوسکتا۔ مگر تمہیں پتہ ہے کہ مارکس اپنی حقیقی زندگی میں کیسا آدمی تھا وہ بہت عیاش تھا، طالب علمی کے زمانے سے اسے آوارگی کی عادت تھی، خانہ بدوش لڑکیوں کے پیچھے مارا مارا پھرتا تھا۔ بڑا ہوا تو اپنی ملازمہ سے تعلقات قائم کر لئے، اس کی موت کے بعد اس کی بیوی جینی نے اسے معاف کر دیا اور اس کا بچہ اپنا لیا"۔

دونوں نے مل کر ہنسنا شروع کر دیا۔ رومال سے آنکھیں صاف کیں اور سگریٹ سلگا لیئے۔

میں چپ بیٹھا رہا، سردی کی ایک لہر میرے پار ہوگئی۔ میرا دماغ چکرا گیا۔ میں نے دیکھا

MashalBooks.org

کہ میں ایک پل سے گزر رہا ہوں۔ پھر اچانک ایک گہری کھائی سے بچتے ہوئے میں نے اپنا توازن ٹھیک کیا۔ اس لئے کہ میں ای ک رسی پر چل رہا تھا۔ میں نے اس شخص پر ایک نظر ڈالی جس نے سونے کی عینک پہنی تھی، وہ کس شان سے سگریٹ پیتا اور چباتا تھا۔ دھوآں کبھی باہر نکالتا، کبھی اندر لے جاتا، اس کے چہرے پر حقارت آمیز مسکراہٹ تھی، وہ اپنے آپ سے بہت خوش، بہت مطمئن نظر آتا تھا کہ اس نے سچ بولا ہے۔

۔ Attention میں تحکمانہ لہجہ سن کر چونکا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ گھوم کر دیکھا تو بازو پر سرخ پٹی پہنے ایک فوجی افسران دونوں کے سامنے کھڑا تھا۔

"ہمیں رپورٹ ملی ہے کہ تم نے ہمارے مقدس رہنما کارل مارکس کی توہین کی ہے اور ہماری سوشلسٹ گورنمنٹ کو برا کہا ہے"۔ پروفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

" کون کہتا ہے، یہ کس کی حرکت ہے"۔ اپنی چھاتی تان کر وہ چیخا۔

آفیسر نے اس کے پیچھے بیٹھے اس کے دوست پر نظر ڈالی۔ انفار مر تو وہاں سے کھسک گیا تھا۔

"ہمیں بتایا گیا ہے، یقینی طور پر ہمیں رپورٹ ملی ہے"۔ موٹے پروفیسر نے جیب سے نوٹ بک نکالی۔"][پڑھوا سے پڑھو"۔ میں نے پہچان لیا، وہ ڈپلومیٹ کا پاسپورٹ تھا۔ گارڈ نے کانپتے ہاتھوں سے نوٹ بک لی اور تیزی سے ورق الٹنے لگا، اس کے چ ہرے کا رنگ اڑ گیا تھا، کیونکہ نوٹ بک کا تعلق بہت اہم شخصیت سے تھا۔ موٹا پروفیسر مسکرایا اور پاسپورٹ گارڈ سے لے لیا۔

"مارکسی فلسفہ ویت نام میں پھیلانا ہمارا کام ہے، ہم تمہارے عوام کو مارکسزم کی تعلیم دیتے ہیں، جب مارکسی فکر کے دفاع کا مسئلہ ہو تو وہ ہمارا کام ہے، کسی اور کا نہیں"۔

نوجوان نے آنکھیں نیچی کر لیں، اس کی پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا۔ موٹا شخص بولتا رہا۔

"اس مرتبہ میں معاف کرتا ہوں، لیکن اگر تمہارا رویہ نہ بدلا تو اچھا نہیں ہوگا، اب جاؤ، یہاں سے چلے جاؤ"۔

نوجوان لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف چلا گیا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر اسے سر اٹھانے کی جرئات ہوئی، اس کے بعد وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

پروفیسر اپنی سیٹ پر واپس آیا تو اس کا غصہ ہرن ہو چکا تھا، وہ اپنے ساتھی کی طرف مڑا:

"تم نے دیکھا، یہ ویت نامی احمقوں کی قوم ہے، ان کی رہنمائی مذہب ہ ی کر سکتا ہے اور ان کی تربیت صرف کوڑے سے ممکن ہے"۔

a a a

ساڑھے چار بج چکے تھے، گھنٹوں پہلے میں سفر پر روانہ ہوا تھا۔ وقت کو پر لگ گئے تھے۔ میری قمیض پسینے میں شرابور تھی، ابھی تک کوئی ایسے آثار نظر نہیں آئے تھے جو یونٹ 035۔ M کی سمت میری رہنمائی کرتے۔

بیس F سے جو نقشہ مجھے دیا گیا تھا، اسے میں نے ایک بار پھر دیکھا، اسے بنانے میں جتنی محنت کی گئی تھی، وہ اتنا ہی بے کار ثابت ہوا، یہ نقشہ مجھے کہیں نہیں لے جائے گا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں، میں لپک کر کسی درخت پر چڑھ جاؤں گا اور خالی پیٹ ہی سونے کی کوشش کروں گا۔

نقشہ میں نے واپس جیب میں رکھ لیا۔ اب یہی ایک صورت ہے کہ میں اپنا رستہ خود تلاش کروں، اس نقشے کا تو آس پاس کی کسی چیز سے کوئی تعلق بنتا ہی نہیں۔ میں خود اپنی رہنمائی میں آگے بڑھا تو نصف گھنٹے کے بعد ایک بورڈ نظر آیا۔ "یونٹ 035۔M۔۔۔۔۔ 545 گز کے فاصلے پر۔

بورڈ تارکول سے لکھا گیا تھا۔ میں تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ یہ سوچ کر مجھے بڑی تسکین ہو رہی تھی کہ کچھ دیر بعد میرے سر پر ایک چھت بھی ہوگی اور کھانا بھی بہت اچھا ملے گا کیونکہ یونٹ کا باورچی میرا دوست ہے۔ ہک بھی عجیب آدمی تھا، بہت بہادر اور بڑا ہی بیوقوف۔ جنگ میں تو بڑی بہادری اور ایثار سے لڑتا تھا، لیکن اپ نوں میں ہوتو اس کا کچھ بھروسہ نہیں تھا کہ ایک بگڑ جائے اور بکنے جھکنے لگے۔ باورچی بہت اچھا تھا مگر شکار میں بھی اسے کمال حاصل تھا۔ میرے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے تھے، دوسرے لوگ رشک کرتے تھے۔ اکثر شکار کے لئے جایا کرتا تھا، واپسی پر جس اہتمام سے وہ گوشت پکا کر میرے سامنے رکھتا تھا، اس سے گمان ہوتا تھا کہ وہ صرف میری خاطر ہی شکار کر کے جاتا تھا لوگ رشک تو کرتے تھے مگر اس بات سے واقف نہیں تھے کہ ایک بار میں ہک کو پولیٹیکل افسر کی گرفت سے بچا کر اس کا دل جیت چکا تھا۔ وہ واقعہ کچھ ایسا اہم تو نہیں تھا، مگر ہک اس کے لئے بہت شکر گزار تھا یا شاید میری کوئی اور بات اسے اتنی اچھی لگ گئی تھی کہ وہ میرا گرویدہ ہو گیا۔

جنگ کے دوران اس کی کمان کے سپاہی اس سے بہت خائف رہتے تھے، لیکن باورچی خانے میں وہ اس پر ٹوٹ پڑتے اور فرمائشوں کے ڈھیر لگا دیتے۔ ہک ان کی ناز برداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا۔

میں چل رہا تھا کہ اچانک درخت سے ایک شاخ ٹوٹ کر میری گردن پر آ گری۔ اگر میری موت کسی شاخ کے ٹوٹ کر گرنے سے ہو یا کسی مکان کی چھت مجھ پر گر جائے تو یہ موت کیسی رہے گی؟ میں یہ سوچ کر کانپ گیا۔ فضا میں گھٹن تھی اور سردی میرے جسم میں دھنس گئی تھی۔ کسی درخت

پر کلہاڑا چلنے کی آواز آ رہی تھی، میں آگے بڑھا تو ان آوازوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یقیناً وہ لوگ درخت کاٹ رہے تھے۔ میں پانچ سو گز کا فاصلہ طے کر چکا تھا مگر کیمپ کے آثار کہیں نہیں تھے۔ تو کیا وہ بورڈ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے لگایا گیا تھا۔

میں احتیاط سے آگے بڑھتا رہا، آس پاس جاسوس بھی ہو سکتے تھے۔ جب میں "F" Base میں تھا تو مجھے بہت سی باتیں اس علاقے کے بارے میں بتائی گئیں، میں اپنے خیالات میں ڈوبا آگے بڑھ رہا تھا کہ مجھے لکڑی کا ایک گیٹ نظر آیا 035۔ M ۔۔۔ Unit تو مجھے ذرا اطمینان ہوا۔

صحن سے ہوتا ہوا میں بلڈنگ کی بائیں طرف بڑھا، کیونکہ وہاں ایک دروازہ کھلا نظر آیا۔

"کوئی ہے؟"

"کوئی ہے؟" جواب نہ ملا تو میں اندر چلا گیا۔

ایک بیڈ کمرے میں پڑا تھا، اس کی چادر میلی تھی۔ جا بجا کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ نوٹ بک کے پاس ایک بال پوائنٹ رکھا ہوا تھا۔ چھت کی ایک لکڑی کے ساتھ تھیلا لٹکا ہوا تھا۔

میرا خیال ہے وہ یہاں سے چلے گئے ہیں۔ میری قسمت نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ اپنا تھیلا میں نے نیچے رکھا، ٹانگیں پھیلا کر زینے پر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

بھاری قدموں کی آواز آئی تو میں نے آنکھیں کھولیں۔ ایک بوڑھا بمشکل چلتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بوڑھے بھی ان حالات میں یہاں رہیں، اس نے سر ہلا کر مجھے سلام کیا۔

"ہیلو کامریڈ"۔ میں کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو کامریڈ"۔

"میں سارجنٹ تاون ہک سے ملنے آیا ہوں۔"

بوڑھے نے سر ہلایا اور کیمپ کی پشت پر پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا، وہی جہاں سے درخت کاٹنے کی آواز آ رہی تھی۔

"تمام یونٹ اور ہمارا چیف فیلڈ میں کام کر رہے ہیں، صرف میں یہاں پر ہوں"۔

"ابھی کچھ دیر پہلے تم کہاں تھے؟"

"کھیتوں میں تھا، میرا پیٹ خراب ہے"۔ اس کی پیشانی تنی ہوئی تھی اور پیٹ ہاتھوں میں پکڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تو احساس ہوا کہ وہ بوڑھا تو نہیں ہے، مگر شاید بہت پرانا بیمار ہے۔

"تمہیں پیچش کب سے ہے؟"

MashalBooks.org

"چار سال، سات مہینے سے"۔
"تمہیں بھرتی ہوئے صرف چار سال ہوئے ہیں؟"
"جی ہاں، میں اگلے مہینے چوبیس برس کا ہو جاؤں گا"۔
"یقین نہیں آتا، تمہارا علاج شروع سے ہی کیوں نہیں ہوا؟"
اس نے میری طرف دیکھا تو میں اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر حیران رہ گیا، اس کی آنکھیں بہت صاف، چمکدار اور خوبصورت تھیں، ایسا لگتا تھا کہ اس کے خواب ابھی تک اس کی آنکھوں میں بس رہے تھے۔
"دوائیں تو میں لیتا رہا تھا، مگر بیماری بار بار پلٹ آتی تھی، اب میری طبعیت بہت خراب ہے۔
"تو یہاں سے تبدیلی کیوں نہیں کروا لیتے؟"
"میں محاذ سے جانا نہیں چاہتا۔ قوت ارادی سے بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے"۔
"بیماری دوا سے ٹھیک ہوتی ہے"۔
" مگر ہمارے پاس دوائیں ختم ہو چکی ہیں۔ سپیشل یونٹ دور جنگل میں ہے، وہاں سے دوائیں منگوانا بہت مشکل ہے۔ ہکس کسی موقعہ کے انتظار میں ہے، جب وہ مجھے ملٹری ہسپتال میں بھیج سکے گا، ایک اور مصیبت یہ ہے کہ مجھے ملیریا ہو گیا تھا، میرے سارے بال دو مہینوں میں جھڑ گئے ہیں"۔
" تمہیں کھانا کون دیتا ہے۔ سپیشل یونٹ کب آئے گا؟"
"میں چاول کھا لیتا ہوں، ہک کو میری بہت فکر ہے، جب کبھی وہ شکار لے کر آتا ہے مجھے گوشت بھی کھلاتا ہے۔ میرا خیال ہے تم کمانڈر ہک کو جانتے ہو؟"
" بھرتی ہونے کے بعد ہم ایک ہی یونٹ میں تھے، لڑائی میں بھی ہم اکٹھے تھے"۔
"تو جاؤ اسے ملو وہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگا"۔
" کامریڈ، تمکیا یہاں اکیلے رہتے ہو؟ "سورج کی روشنی میں اس کے خوبصورت دانت چمک رہے تھے۔
میری فکر نہ کرو، میں ہر وقت اپنی رائفل اپنے پاس رکھتا ہوں، مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں ضرورت پڑنے پر اس کا سں ٹرگر دبا سکوں۔ ٹھاہ، ٹھاہ، ٹھاہ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔
اس کی آواز بہت نحیف تھی، مشکل سے سنی جا سکتی تھی۔
"اندر چل کر آرام کرو، یہ بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں"۔
"شکریہ۔۔۔۔ رات ہونے والی ہے، بہتر ہے کہ اب تم چلے جاؤ، اس طرف ایک شارٹ

کٹ ہے، تم پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ جاؤ گے"۔

میں اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل دیا۔ دس منٹ میں اپنی منزل پر تھا۔ ایک بہت بڑا درخت بڑے شور کے ساتھ گر پڑا۔

"شاباش۔۔۔ اب ہم کچھ آرام کر سکتے ہیں"۔ ایک آواز آئی اور بھی کئی آوازیں بلند ہوئیں، مگر آوازوں کے شور میں دب گئیں۔ میں ایک درخت کے تنے پر چلتا ہوا آگے بڑھا۔ رات ہو چکی تھی، دور سے کیمپ فائر نظر آنے لگی اور میں گرتا پڑتا درختوں سے ٹکراتا ہوا اس کی سمت بڑھتا رہا۔ میں ان کی نقل و حرکت بخوبی دیکھ رہا تھا، مگر وہ مجھے نہیں دیکھ سکے، اگر میں حملہ آور ہوتا تو ان سپاہیوں میں سے کوئی بھی میرے ہاتھوں زندہ بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔ وہ لوگ دائرہ بنا کر آگ کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ میں سائے کی آڑ میں آگے بڑھتا رہا، ویسے تو ہک اپنی احتیاط کے لئے مشہور تھا۔ لیکن اس وقت وہ سب کتنے غافل تھے۔

میری نگاہیں اسے ڈھونڈھنے لگیں، ایک بڑے درخت سے دیکھا تو ہک درختوں کے ڈھیر پر ٹانگیں پھیلائے لیٹا تھیا، بہت تھکا ہوا مگر خوش لگتا تھا۔

" کون ہے؟ اپنے ہاتھ کھڑے کرو"۔

کسی نے اپنی رائفل میری پسلیوں پر رکھ دی تھی۔ میں نے ہاتھ اٹھا لئے، ہک اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے آدمی جو ادھر ادھر بھٹک رہے تھے، اس کے پیچھے جمع ہو گئے تھے۔ رائفل کی نالی اور زور سے میری پسلیوں پر دبا دی گئی تھی۔

"چلو آگے بڑھو"۔

میں تیزی سے ہک کی طرف بڑھا۔ میں جانتا تھا کہ میرے پیچھے آنے والے میں یہ خوبی ضروری ہوگی کہ وہ کسی وقت بھی ٹرگر دبا دے، یہ جنگ ہے اور جنگ میں کسی جان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

ہک کھڑا ہو کر مجھے گھورنے لگا، اچانک مجھے ہنسی آ گئی تو اس نے مجھے پہچان لیا۔" کوآن بڑے بھائی"۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا اور مجھے باہوں میں لے کر اس زور سے دبایا کہ میرا دم گھٹ گیا۔

" کوآن بڑے بھای، کتنے عرصے کے بعد ملے ہیں"۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولا، جذبات کی شدت میں وہ ہمیشہ ہکلانے لگتا تھا۔

"میں جاسوس کی طرح تمہارے کیمپ میں داخل ہوا تھا، مگر پکڑا گیا۔ تمہارے آدمی نے سارے راستے میں رائفل میری پسلیوں میں ٹھونسے رکھی ہے، تو تمہارا قیدی حاضر ہے"۔

"مجھے وہ سب کچھ یاد ہے جو تم سے سیکھا تھا۔ تمہاری تربیت کے علاوہ اب مجھے جنگ کا

MashalBooks.org

تجربہ بھی ہے، مگر تم ہو کہ مجھے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگ کی طرف لے گیا۔ آگ کی روشنی میں اس کا برہنہ سینہ تانبے کے بت کی طرح چمک رہا تھا۔

"تمہارا رنگ اس طرح کیوں ہو گیا ہے؟"

"تمام دن ہم ان بنجر پہاڑیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ سورج کی تپش سے بچنے کی کوئی صورت نہیں"۔

بائین کہاں ہے، اس کی طبعیت اب کیسی ہے؟"

"ابھی ہو چاول لے کر آئے گا۔ واقعی وہ سچ مچ کا ہرکولیس ہے، دل پھینک بھی بہت ہے، سونے میں تلنے کے قابل ہے، ہم دونوں نے زندگی بھر دوست رہنے کی قسم کھالی ہے"۔

"خوشی کی بات ہے"۔

"تمہارا ذکر وہ اکثر کرتا ہے"۔

"ہمارا گاؤں ایک ہے اور سکول بھی ایک ہے"۔

گرد اور پسینے سے میرا برا حال تھا۔ وہ مجھے ندی پر لے گیا۔

رات بہت تاریک تھی، ستاروں کا کہیں نشان نہ تھا، ہم راستہ ٹٹولتے جا رہے تھے۔ ہم ندی کے کنارے پہنچے تو ہک بولا۔

" کچن یہاں سے ساٹھ گز پرے ہے، بائین شاید وہاں ہو، کھانا پیک کر رہا ہوگا"۔

" مگر روشنی۔۔۔۔۔۔"

"جاسوسی کی وجہ سے احتیاط کی گئی ہے۔ اگرچہ Bose میں مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ علاقہ دشمن کی زد پر نہیں ہے، پھر بھی میں فکرمند رہتا ہوں۔ اتنا ان کے حملے سے نہیں ڈرتا ہوں، جتنا اس بات سے کہ وہ ہمارا نمک چرا لے جائیں گے۔ نمک یہاں خون سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ گزشتہ موسم میں میرے دس جوان نمک کی کمی سے مر گئے۔ بہت دنوں تک ہم نمک کی بجائے راکھ استعمال کرتے رہے"۔

"ادھر آؤ، اس طرف، یہاں پانی کا بہاؤ اچھا ہے"۔ وہ مجھ سے پہلے پانی میں کود گیا تھا۔ میں کپڑے اتار کر پانی میں پھسل گیا۔

پانی ٹھنڈا بلکہ خوش گوار تھا۔

" کل ہم تمہارے کپڑے دھوئیں گے۔ چند دن ہمارے پاس ٹھہرو۔ بائین بھی بہت خوش ہوگا"۔

"میری خوشی بھی اسی میں ہے لیکن لیونگ یہ بات پسند نہیں کرے گا"۔

پھر بھی میں نے اپنے میلے کپڑے اس کے حوالے کر دیئے۔ جنہیں اس نے ایک شاخ پر لٹکا

MashalBooks.org

دیا۔ میں بھوک کی شدت سے بے تاب ہو رہا تھا۔ ہم کیمپ میں واپس پہنچے تو ایک آواز آئی۔

"جلدی کرو چیف ہم بھوک سے مر رہے ہیں"۔

تو کھانا شروع کر دینا تھا نا ہک بڑبڑایا۔

اچانک بائین کھڑا ہوا اور آ کر مجھ سے بغلگیر ہو گیا۔ میں نے اسے دیر تک گلے لگائے رکھا۔ کھانا کھاتے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ میں اپنی زندگی کا سب سے اچھا کھانا کھا رہا ہوں۔

"چند روز ہمارے پاس ٹھہرو بڑے بھائی، میں تمہارے لئے ہرن شکار کر کے لاؤں گا"۔

"بہت دن ہوئے کہ میں اپنے ڈویژن سے رخصت پر ہوں۔ مزید تاخیر وہ شاید برداشت نہ کریں"۔

"چند دن ٹھہر جانے سے کیا فرق پڑ جائے گا، میں تو آج شام ہی یہاں سے چلا جاتا، مگر سامان کی مصیبت ہے"۔

"سامان؟ کیسا سامان؟ یہ درخت، یہ لکڑی کے تختے، یہ سب کس لئے ہیں؟"

"تمہیں بعد میں پتہ چلے گا، دراصل یہ محاذ کے لئے خصوصی کاروبار ہے"۔

"Special Production for the foods" تم نے یہ بورڈ نہیں دیکھا؟"

ایک سپاہی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"تم ایک جیسے ہو، کمانڈر سے لے کر عام سپاہی تک تمہاری کچھ سمجھ نہیں آتی"۔

ہک یہ سن کر زور سے ہنسا۔ اس نے جھک کر میرے کان میں کہا:

"ہمارا ایک اصول ہے کہ ہم کھانے کے دوران عورتوں کے متعلق بات کرتے ہیں یا کھانے کے متعلق، اس کے علاوہ کوئی بات کرنا منع ہے"۔

بائین پڈنگ لے کر آیا تو ہک نے بتایا کہ بائین نہ ہوتا تو ہمارے یونٹ کی حالت بہت بری ہوتی، کیونکہ ہمارے چاول خراب ہو چکے تھے۔ بائین پچیس میل پیدل چل کر گیا۔ چاول بھی بدل لایا اور ہمارے لئے چائے بھی لے آیا۔ وہاں کی لڑکیاں بائین پر مرمٹی تھیں۔

سارے سپاہی مل کر ہنسنے لگے۔ بائین نے سر جھکا لیا۔ میں نے اس کا کاندھ تھپکا۔

"ہیرو آف دی سپیشل یونٹ"۔

آگ کے شعلے ان جوان، خوش باش چہروں پر ناچ رہے تھے کیمپ فائر کی قدیم پراسرار روشنی میں یہ ممکن تھا کہ گئے دنوں اور آنے والے زمانے کے خواب دیکھے جا سکیں، وہ صورتیں آنکھوں کے سامنے تھیں، جن کی جوانی ان کی بے محل بیماریوں نے چاٹ لی تھی۔ پیچش، بھوک اور گٹھیئے کے حملے سہنے والے بدنصیب لوگ۔

ہک نے مجھے بتایا کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ یہاں کوئی مہمان آئے، اس لئے آج کھلی

اجازت تھی کہ کوئی چاہے تو دیر تک جاگ سکتا ہے، ورنہ تو کھانے کے فورا "بعد سونے کے لئے چلے جاتے ہیں۔

ٹھیک نو بجے اس نے سب کو حکم دیا کہ وہ سونے کے لئے جائیں۔

"یاد رکھو کل آخری دن ہے، پرسوں وہ اپنا مال لینے آ جائیں گے، ایک آخری ہلہ بولو، تا کہ کام ختم ہو جائے"۔

"او کے، او کے، ہم جانتے ہیں کہ کل آخری دن ہے"۔ سب کے سب کھڑے ہو گئے، میں نے آس پاس کا جائزہ لیا، وہاں سونے کے لئے تو کوئی جگہ نہیں تھی، وہ ایک بہت بڑے تختے کی طرف بڑھے، جہاں انہوں نے اپنا سامان رکھا تھا، ہر ایک نے اپنا اپنا سامان اٹھا لیا۔

ہک بائین کی طرف مڑا۔

"آج کی رات کوآن تمہارے قریب سوئے گا، تا کہ جی بھر کر تم اپنے گاؤں کی خبریں سن سکو"۔

"ٹھیک ہے"۔

"کوآن کو میرا کور دے دو، میں تمہاری جیکٹ سے کام چلا لوں گا"۔ بائین کور لے کر آیا تو اتنی دیر میں سب لوگ ادھر ادھر جا چکے تھے۔

"اچھا بڑے بھائی، کل ملیں گے، ہم تو صبح جلدی اٹھ جائیں گے، تم جتنی دیر چاہو سونا"۔

بائین نے اپنی جیکٹ ہک کو دی، وہ اسے لے کر چلا گیا۔ میں اور بائین کسی دوری سمت چل دیئے، میرے پاؤں برادے میں دھنس رہے تھے، اتنے میں ہک کی آواز آئی"۔

"آج رات ڈیوٹی کس کی ہے؟"

"میں آج رات ڈیوٹی پر ہوں، میں کوآنگ"۔

"خیال رکھنا چیتے پھر باہر آ گئے ہیں"۔

"کوئی فکر نہ کرو"۔

بائین ایک جگہ رک گیا، اس نے ایک بڑے تکون تختے کی طرف اشارہ کیا۔ "تم یہاں سوؤ گے۔ میں اسے کھولوں گا، تم اندر چلے جاؤ گے، تو میں اسے بند کر دوں گا"۔ میری گردن کے پٹھے اکڑ گئے۔

"یہ تابوت ہے، کیوں ہے نا؟"

"ہاں تابوت ہے، اسے ہماری یونٹ نے بنایا ہے۔ ہک تمہیں کھانے سے پہلے نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ تمہاری بھوک نہ مر جائے، ہم تو خیر اس کے عادی ہو گئے ہیں"۔

میں خاموش کھڑا رہ گیا، چاہتا بھی تو بات نہیں کر سکتا تھا، سر سے پاؤں تک جیسے فالج گرا

ہے۔

"پہلے ہم کھیتوں میں رہ کر تابوت بناتے تھے اور کیمپ میں آ کر سو جاتے تھے۔ پھر درخت ہی ختم ہونے لگے، ہم پہاڑوں میں چلے گئے تو وہاں سے آنے جانے میں وقت ضائع ہونے لگا، تو ہک نے فیصلہ کیا کہ ہم یہیں رہ لیں گے، باورچی خانہ بھی یہیں بنا لیا ہے۔ رات کے وقت ہم سب اپنے اپنے تابوت میں سو جاتے ہیں، عام طور پر یہ صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ دھند اور ہوا سے بھی بچاتے ہیں"۔

بائین نے جھک کر تابوت کا ڈھکنا اٹھایا۔ میں تابوت میں لیٹ گیا تو اس نے مجھ پر ایک صاف ستھرا کپڑا ڈالا، تھوڑی دیر بعد اس نے لکڑی کا ایک ٹکڑا لے کر تابوت اور اس کے ڈھکنے کے درمیان ٹھونس دیا۔

"ڈھکنا اور زیادہ کھلا رکھوں تو تمہیں ٹھنڈ لگ جائے گی اور یہ خطرہ بھی ہے کہ تمہاری بو سونگھ کر ٹائیگر حملہ کر دیں"۔

"تو کیا وہ یہاں اس کثرت سے ہوتے ہیں؟"

"ہاں اس لئے ہم محاذ سے دور ہیں، یہاں بمباری بھی کم ہوتی ہے، دوسرے علاقوں سے ٹائیگر بھاگ کر یہاں جمع ہو گئے ہیں، کیونکہ یہاں ہوائی جہازوں کا خطرہ نہیں"۔

"کیا انہوں نے کسی پر حملہ کیا ہے؟"

"نہیں ابھی تک تو نہیں کیا۔ دشمن کی طرح ہم ان کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ ٹائیگر کی بو بھی آ جائے تو ہم فائرنگ شروع کر دیتے ہیں"۔

بائین اپنے تابوت میں لیٹ تو گیا مگر اس نے ڈھکنا کھلا رکھا تا کہ باتیں کر سکے۔ میں نے گاؤں کے متعلق اسے ساری باتیں بتائیں۔ باتیں ختم ہوئی تو بائین نے ٹھنڈی آہ بھر۔

"بے چارہ میرا باپ مجھے اس سے بہت پیار ہے"۔

"مجھے اپنے باپ سے نفرت ہے"۔

بائین نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "ہم کب فتح یاب ہوں گے؟"

"میں نے لیونگ سے پوچھا تھا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا"۔

بہت دیر تک ہم دونوں خاموش رہے۔

"کوآن۔۔۔اب سو جائیں، مجھے صبح بہت جلدی اٹھنا ہے"۔

میں نے ناک تک اپنا جسم ڈھانپ لیا۔ مگر اب لڑکی اور پسینے کی ملی جلی بو قابل برداشت ہو چلی تھی۔

"کوآن تم کیوں چیخ رہے ہو؟"

کو آن جاگ جاؤ، بڑے بھائی جاگ جاؤ"۔

میں نے ہک کی آواز پہچان لی۔ تھوڑی سی دیر مجھے اپنے آپ کو سنبھالنے میں لگی۔

" تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا کہ اتنی بری طرح چیخ رہے تھے؟"

میں ہنس اور تابوت سے باہر آ گیا۔ سورج اوپر آ گیا تھا۔ میں نے ارد گرد دیکھا تو سو سے زیادہ آدمی کام میں لگے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو تختے پکڑاتے اور ایک طرف ان کا ڈھیر لگاتے، درخت مشین پر چیرے جا رہے تھے، ہر طرف نئی لکڑی کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔

ہک نے بنجر پہاڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

" ان پر کہیں کہیں درخت موجود تھے، ان میں سے اکثر ہم نے کاٹ گرائے ہیں"۔

" بہت بری بات ہے"۔

" ہم اپنی جان لڑا دیتے ہیں مگر ان کی ضرورت پوری نہیں کر سکتے، میں نے ان سے کہا تھا کہ ایک سو آدمی اور دیں۔ کمانڈر مان بھی گیا تھا مگر کوئی یونٹ دستیاب نہیں، اس وقت بھی ہم ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش میں لگے ہیں"۔

" ادھر دیکھو"۔ اس نے ایک شاخ کے ساتھ لٹکے ہوئے بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔ یہ سلوگن میرے دماغ میں آیا تھا، تم دیکھ کر بتا نا کہ کیسا ہے؟"

" لام، وہ بورڈ لگاؤ اس سے ہمارے عزم کا اظہار ہوتا ہے۔ تم اس کی تار کھول کر لے گئے تھے۔،

" نہیں، وہ تار درخت گرانے والی ٹیم لے گئی تھی۔ مگر کوئی بات نہیں میں نے تار کی بجائے کوئی اور انتظام کر لیا ہے"۔ اس نے بورڈ لگا دیا۔

سپیشنل یونٹ نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ اپنا ٹارگٹ پورا کرے گا، اپنا کام نئے جوش کے ساتھ کرو، محاذ کے لئے بہترین سامان تیار کرنے کی جدوجہد جاری رکھو"۔

" کیسا ہے؟"

" بہت اچھا ہے"۔

" مجھے لکھنے کا تجربہ نہیں ہے، مگر اپنے لوگوں کو سرگرم کرنے کے لئے کچھ تو کرنا تھا۔ ہم اتنی دور اس جنگل میں بھیج دیئے گئے ہیں، کوئی خط نہیں، کوئی اخبار نہیں، واہیات خوراک اور دوائیوں کے ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بائین نہ ہوتا تو بڑی مشکل پیش آتی۔ بائین بہت محنتی ہے اور ضرورت کی چیزیں بہر حال مہیا کر لیتا ہے"۔

" مگر تم تو سب اچھے شکاری ہو اوروں کو بھی شکار کرنا سکھاؤ"۔

" شکار ایک فن ہے، کسی میں اس کی صلاحیت نہ ہو تو سکھانے کا کوئی فائدہ نہیں، صرف کام

میں یہ صلاحیت ہے تم سے کیا چھپانا اگر ہم خود اپنے پیٹ کی فکر نہ کریں تو فاقوں مر جائیں۔ پینے کا پانی تک تو ملتا نہیں۔ اچھا یہ لو اپنا لنچ، میں جا کر کام دیکھوں"۔

میں ایک درخت کے تنے پر بیٹھ گیا اور کیلے کے پتوں میں لپٹا ہوا کھانا کھولا۔ اس میں چاول تھے اور ابلی ہوئی چند اور چیزیں، شرمپ کی چٹنی بھی تھی، ایک وقت تھا کہ میں یہ مچھلی برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے ان عورتوں سے بھی نفرت تھی جو اسے کھایا کرتی تھیں۔ مگر بھرتی ہونے کے بعد مجھے اس کی عادت سی ہو گئی ہے۔ اسے بہت پسند کرنے لگا ہوں۔ اس کی عجیب سی بو ان ساحلوں کی یاد تازہ کر دیتی ہے، جہاں ہم ریت کے گھروندے بنایا کرتے تھے۔ کوآنگ کی یاد آتی جہاں میں تقریباً تین سال رہا تھا۔ اس مصیبت زدہ علاقے کے سادہ اور سخی لوگوں سے میرے بہت اچھے مراسم تھے جو سارا سال معمولی خوراک پر گزارہ کرتے اور چاول کا آخری دانہ بھی محاذ پر بھیج دیتے۔

شاید وہ مجھے بھلا بیٹھے ہوں، مگر میں انہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔ میرے آس پاس آرے چل رہے تھے، ہتھوڑوں کی آواز مسلسل آ رہی تھی، لوگ پورے جوش و خروش سے کام میں مگن تھے۔

"ہوآن ۔۔۔۔ تم نے کام ختم کر لیا ہے؟ جلدی کرو، دوپہر ہو گئی ہے"۔

"ہمارے پاس صرف ایک سہ پہر ہے، یعنی چند گھنٹے اور دوستو ہمت کرو"۔

" کوآن، تم توآن کے لئے مرہم پٹی کا بندوبست کرو، اس کا بازو زخمی ہو گیا ہے"۔ ایک سپاہی میرے قریب سے گزرا۔

"تم بڑے بھائی ایسے وقت آئے ہو جب کام کا بہت زور ہے، کل صبح سے پہلے ہی وان سکچھ سمیٹنے آ جائے گا"۔

" کوئی پرواہ نہیں۔ مجھے کھانا ختم کر لینے دو، پھر میں تمہاری مدد کروں گا"۔

"نہیں ہک بہت خفا ہو گا"۔

"اگر اسے خفا ہونا ہی ہے تو مجھ پر خفا ہو گا، تم کیوں فکر کرتے ہو؟"

"میرا کام ختم ہونے والا ہے، ویسے بھی یہ ٹیکنیکل کام ہے، تم میری مدد نہیں کر سکو گے۔ مدد ہی کرنی ہے تو خوآ کے ٹرانسپورٹ گروپ کی مدد کرو"۔

میں ٹرانسپورٹ گروپ کی طرف گیا، تاکہ چھوٹے موٹے کاموں میں ان کی مدد کروں تو دیکھا کہ ان کے سپاہی اندھا دھند کام کر رہے ہیں، صرف نیک پہنے، پسینے میں ڈوبے ہوئے۔

کچھ دیر بعد میں ندی پر چلا گیا، تاکہ اپنے کپڑے دھو سکوں اور نہا سکوں۔

بائین آیا تو مجھے باورچی خانے یعنی اپنی شاہی مملکت کا دورہ کرانے لے گیا، اس نے پہلے تو مجھے کچھ دیر سلایا اور پھر مجھے مرغا چکھنے پر مجبور کیا۔ جسے وہ صبح سویرے جنگل سے پکڑ لایا تھا۔ مرغ

جوان اور تندرست تھا، اس لئے اس کا گوشت غیر معمولی طور پر نرم اور لذیذ تھا۔

"خیال رکھنا، جنگلی مرغوں کی ہڈیاں سخت ہوتی ہیں"۔ بائین نے مجھے خبردار کیا۔

"اب پھر ہم کب ملیں گے؟ "بائین نے سوال کیا۔][میں نے ہڈیاں باہر پھینکیں اور ندی کے کنارے دیکھنے لگا۔

" کیا پتہ کب ملیں گے۔ یہ جنگ۔۔۔۔ میں تمہارے لئے جو کر سکتا تھا، وہ میں نے کیا ہے، کوئی اور کام ہو تو بتاؤ"۔

بائین نے نظریں جھکا لیں۔ میں جانتا تھا کہ اس قوی ہیکل انسان کے سینے میں ایک بڑا ہی نازک اور درد بھرا دل ہے۔

"اپنی یونٹ میں واپس جانے سے پہلے میں ڈویژن ہیڈ کوارٹرز میں لیونگ سے ملوں گا۔ اسے تمہارا بہت خیال ہے"۔

بائین کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے:

"میں سب کے لئے بوجھ ہوں، یہ کوئی اچھی بات تو نہیں نا۔"

"اگر تم ایسی باتیں سوچتے رہے تو ایک دن پاگل ہو جاؤ گے، چلو آؤ ندی پر تمہارے دوست تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

بائین نے اپنے آنسو صاف کئے اور ندی کی سمت روانہ ہو گیا۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ میری نظریں ااس کی پشت پر جمی ہوئی تھیں۔ جسے میں کئی دفعہ دیکھ چکا تھا لیکن آج اسے دیکھ کر دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ ہم اکٹھے پتنگیں اڑایا کرتے تھے۔ بائین سب سے طاقتور تھا۔ اس لئے پتنگ کی ڈور ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ وہی پتنگ اڑانے کا آغاز کرتا، اسے اڑاتا ہوا کھیتوں میں لئے پھرتا اور ہم اس کے پیچھے بھاگتے رہے۔ پتنگ نیلے آسمان کی وسعتوں میں ناچتی اور سیٹیاں بجاتی، ہماری نئی بے چین روحوں میں تلاطم پیدا کرتے ہوئے کتنی ہی خواہشیں بیدار کرتی۔

اس شام ہک کامیابی کے نشے میں چور تھا۔ اس نے اپنا ٹارگٹ شیڈول سے دس روز پہلے ہی پورا کر لیا تھا۔ بلکہ اس کے پاس ایک فالتو تابوت بھی تھا۔

"اسے شاید تم نے میرے لئے بنوایا تھا؟"

وہ ہنسا اور اس نے مڑ کر سپاہیوں سے کہا:

" کل سب کی چھٹی ہے"۔ وہ تالیاں بجانے اور اس کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ رات کھانے کے بعد ہم لطیفے سناتے رہے، کئی دوست تاش کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔ کمپنی کے پاس تاش کے صرف چار سیٹ تھے، اس لئے بہتوں نے تماشائیوں کا کردار ادا کیا۔ جشن کا سماں رہا، سارا جنگل،

شور اور قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ ہک میری طرف مڑا۔

"ایسی پارٹی کا موقعہ کہاں ملتا ہے؟ کچھ دیر ہمارے پاس رہو، کل میں شکار کے لئے جاؤں گا، آج رات ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں، بہت تھک گیا ہوں"۔

"ہاں ہاں ضرور، جا کر نہاؤ اور کچھ دیر کے لئے سو جاؤ"۔

اگلی صبح گولی چلنے کی آواز سے میں جاگ گیا۔ شور، ہنگامہ، لوگوں کے دوڑنے بھاگنے کی آوازیں، میں نے اپنے تابوت کا ڈھکنا اٹھایا۔ بائین پہلے ہی اٹھ گیا تھا۔ دن چڑھنا بمشکل شروع ہی ہوا تھا، لوگوں کو پہچاننے کے لئے روشنی کافی نہیں تھی۔

" کیا ہوا؟ "میں نے بائین سے پوچھا۔

"ٹائیگر ہمارا ایک آدمی لے گیا ہے"۔

" کون سا آدمی؟"

"سان، پیچش کا مریض تھا۔ ہک نے اسے کیمپ کی حفاظت پر لگایا تھا۔ سمجھ نہیں آتی کہ وہ ٹائیگر کے ہاتھ کیسے لگ گیا۔ ہمارا ایک آدمی جنگل گیا تو اس نے دیکھا کہ ٹائیگر سان کو گھسیٹ کر لے جا رہا ہے، اس نے شور مچایا تو گارڈ نے گولی چلائی۔ اب وہ اس کے پیچھے گئے ہیں"۔

ہم دونوں ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

" ہک واپس آئے تو میں چلا جاؤں گا"۔

"میں نے پہلے ہی تمہارے لئے کھانا پیک کر دیا ہے"۔

اسی وقت ہک اپنے آدمیوں کے ساتھ واپس آیا۔ وہ سب پسینے میں شرابور تھے اور ہانپ رہے تھے۔

" کیا ہوا؟ "بائین نے سوال کیا۔

"وہ پاگل۔۔۔کم بخت مجھے چاہیے تھا کہ میں اس کے منہ پر طمانچے مارتا، کئی بار میں نے اس سے کہا کہ گیٹ بند رکھے، وہ گیٹ بند کئے بغیر سو گیا، ہم گئے تو گیٹ کھلا ہوا تھا"۔

"یہ بات نہیں"۔

"اس کے لئے بہانے نہ تلاش کرو، ہر حال اب وہ مر گیا ہے"۔

"بہانوں کی بات نہیں ہے۔ سان نے مجھے بتایا تھا کہ تین دفعہ ٹائیگر آ چکے ہیں، وہ بانس کے دو ٹکڑے آپس میں رگڑ کر انہیں ڈرایا کرتا تھا، جنگل میں نوکیلے بانس ہی ٹائیگر کو زخمی کر سکتے ہیں، ایک دفعہ وہ زخمی ہو جائے تو پھر بچ نہیں سکتا، اپنا زخم چاٹنے سے اسے انفیکشن ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ مر جاتا ہے۔ سان بہت محتاط تھا، اس بار شاید وہ اتنا بیمار تھا کہ۔۔۔۔۔۔"

"او خدایا یہ تو صاف صاف میری غلطی ہے"۔ ہک نے بین کرتے ہوئے کہا۔

"صبر کرو، جو ہونا تھا وہ ہو چکا"۔ میں نے اسے دلاسہ دیا۔

" مگر سب کچھ میری غلطی سے ہوا، کتنی لاپرواہی، کیسی غیر ذمہ داری ہے۔ پچھلے ہفتے میں اس کی خیریت معلوم کرنے گیا تو وہ یہی کہتا تھا کہ میری فکر نہ کرو چیف، میں ٹھیک ہو جاؤں گا"۔ وہ دانت پیسنے لگا۔" کیسی خبر تھی، کون جانتا تھا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔"

سپاہیوں کا ایک دستہ واپس آ گیا۔ غم اور تھکاوٹ سے ان کے رنگ پیلے ہو رہے تھے۔

"چیف ہمیں اس کی لاش مل گئی ہے"۔

" کہاں سے ملی ہے؟"

" کالی چٹان پر تھی، ٹائیگر نے اس کی رانیں اور جگر کھالیا ہے"۔

"بس بس چپ ہو جاؤ، اس کی لاش لاؤ اور اسے دفن کر دو"۔ وہ ان سے پرے ہٹ گیا۔

" کیا پتہ تھا کہ فالتو تابوت اس کے لئے تھا"۔

صبح ہو چلی تھی، ایک سپاہی نے آ کر کہا:

"چیف وان کیو سامان لینے آ گئے ہیں"۔ وہ میری طرف مڑا۔

" تھوڑی دیر انتظار کرو، انہیں سامان دینا ہے"۔

"اور مجھے جانا ہے"۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں ان مرحلوں سے گزر چکا ہوں، مجھے ان کا اندازہ ہے، ہمیں سر جھکانا ہی پڑتا ہے، ہماری پسند، ہماری مرضی کی کوئی اہمیت نہیں"۔ اس نے مجھے گلے لگا لیا، ہم بہت دیر تک اسی طرح کھڑے رہے، ہک مجھ سیہ کہتا ہوا الگ ہوا کہ سفر میں اپنا خیال رکھنا۔

"شکریہ ہم پھر ملیں گے"۔

بائین مجھے کچن میں لے گیا اور کیلے کے پتوں میں لپٹا ہوا ایک بڑا سا پیکٹ میرے حوالے کیا، اس کے علاوہ گوشت کے دو ڈبے اور خشک خوراک کے تین پیکٹ۔

" یہ سب کچھ کہاں سے کھود لائے ہو؟"

" تمھیں پتہ ہے کہ میں ضرورت کی چیزیں مہیا کر ہی لیتا ہوں"۔ اس نے میرا تھیلا لیا اور میرے ساتھ چلنے لگا، اس کا خیال تھا کہ کچھ دور تک میرے ساتھ جائے گا۔ ہم وادی میں پہنچے تو وان کیئن تابوت لئے جا رہے تھے۔ ہر شخص نے ایک تابوت اٹھا رکھا تھا۔ بوجھ سے ان کی کمریں جھکی ہوئی تھیں۔

"اتنا بوجھ کیسے اٹھا لیتے ہیں؟"

"بس عادت ہو جاتی ہے، ٹرک تو وہ یہاں لا نہیں سکتے"۔

"سچ کہتا ہے، ہم انسانوں کی مجبوری ہے کہ ہر چیز، ہر عذاب کے عادی ہو جائیں اور اسے

تہہ دل سے قبول کر لیں"۔

کندھوں پر تابوت اٹھائے وان کیو کے لوگ چلے جا رہے تھے۔ یہ لوگ اس وقت تک بوجھ برداشت کرتے رہیں گے، جب تک کہ ٹوٹ کر گر نہ جائیں۔ کیا پتہ ان میں سے ایک تابوت میرے لئے ہو۔ لڑنا اور مرنا۔ یہی تو جنگ کی دو خوبیاں ہیں۔ مجھے ڈر سا لگنے لگا۔ کوئی شخص بھی دو کشتیوں میں سوار نہیں ہو سکتا۔ میں اور میرے دوست بہت عرصے سے جنگ لڑ رہے ہیں۔ ایک زمانے سے آگ اور خون کا یہ کھیل جاری ہے، مگر کیا اب بھی یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے گھر واپس جا سکیں۔ کیا ہماری نئی شناخت ممکن ہو گی، کیا ہم کبھی امن کے روح پرور لمحات میں سانس لے سکیں گے؟"

"تمہارے کیمپ واپس جانے کا وقت ہو چکا ہے"۔ میں نے بائین کو رخصت کر دیا۔ "اپنا خیال رکھنا"۔

"فکر نہ کرو، بم خود ہی ہمیشہ نشانہ نہ بنائیں تو ان کی مہربانی ہے، ورنہ ہم تو ان سے بچ نہیں سکتے"۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میری فکر نہ کرو، اپنا خیال رکھو"۔ میں نے اسے گڈ بائی کہا۔ میری عادت ہے کہ میں رقت انگیز لہجے میں گڈ بائی نہیں کہہ سکتا۔ ورنہ تو ایسی گڈ بائی مہینوں برسوں گلے میں اٹکی رہتی ہے۔

میری آنکھ کھلی تو میں سڑک کے کنارے ایک درخت سے ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ میرا تھیلا کھل گیا تھا اور چیونٹیوں کا ایک شہر میرے گھٹنوں پر آباد ہونا چاہتا تھا، تا کہ چاول ان کی دسترس میں ہوں۔ میں نے چاولوں کا پیکٹ بند کیا، چیونٹیوں کو دفع کیا اور اپنا تھیلا لئے سڑک پر آ گیا۔

42] gna[e a a

اب میں ایسے علاقے میں پہنچ چکا تھا جو محاذ جنگ کا حصہ تھا۔ آس پاس کی چیزیں درہم برہم تھیں۔ کھیت اور باغ تباہ حال تھے، جس سے پتہ چلتا تھا کہ یہاں بمباری ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ سیاہ لباس پہنے ایک عورت میری طرف بھاگی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ہیلو"۔ میں نے فوراً جواب دیا۔ مگر لگتا تھا کہ اس نے سنا ہی نہیں۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ پھر چیخی۔ میں اس کے قریب چلا گیا۔

"میں ایک بوڑھے اور ننھی سی لڑکی کی تلاش میں ہوں"۔

"ان کے گھر پر بم گرا ہے۔ یہاں سے جلدی نکلو"۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

میں اس کے پیچھے بنکر کی طرف بھاگا۔ وہ ہانپتی ہوئی بولی:

"بمباری ابھی ابھی ہوئی ہے۔ وہ ہمیشہ اس وقت آتے ہیں، بی 52۔ ہمیشہ وقت کی پابندی کرتے ہیں"۔

عین اسی وقت بنکر میں سے چار ننھے سر ابھرے۔

"ماماما"۔

اس خاتون نے پھر میرا ہاتھ پکڑ لیا:

"نیچے اترو"۔ بنکر میں سے مٹی اور تیل کی بو آ رہی تھی۔ مجھے رفتہ رفتہ تاریکی میں نظر آنے لگا، اس کے بچے چار نہیں بلکہ چھ تھے۔ سب کے سب تقریباً ایک ہی سائز کے تھے۔

"ہیلو انکل"۔ مگر مجھے جواب دینے کی فرصت ہی نہ ملی۔ بڑا بچہ میری گردن سے لپٹ گیا۔

"وہ آ رہے ہیں"۔ بچے فوراً لکڑی کے تختوں کے نیچے چھپ گئے۔

"کیا تم سب نیچے چلے گئے ہو؟" ماں چیخی۔

"ہاں ہاں"۔ انہوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

بم پھٹنے کی آواز زوردار دھماکہ، اس خاتون نے اپنے ہاتھ کانوں پر رکھ لئے۔

"اپنے کان بند کرو، ورنہ تمہارا دماغ پھٹ جائے گا"۔

مجھے ہنسی آئی مگر میں روک لی۔ یہ عورت مجھے حکم دے رہی ہے گویا میں ننھا بچہ ہوں۔ اس کی خوشی کے لئے میں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ تین ہوائی حملے ہوئے، شاید تین B۔52 تھے ان کے دھماکوں سے زمین پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ بیس منٹ بعد حملہ ختم ہوا، بچے اپنے سروں سے گرد جھاڑتے ہوئے تختے کے نیچے سے نکل آئے۔

"خاموش کھڑے ہو جاؤ۔ انکل کو آرام کرنے دو"۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"بہت تھکے ہوئے ہو کچھ دیر آرام کرلو"۔ میں نے اپنے چاولوں میں سے ایک پیالہ بھر کر اسے دیا اور لکڑی کے تختے پر ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا۔ لکڑی کا تختہ مجھے سنگ مرمر کا فرش لگا، چکنا اور ٹھنڈا۔ میں فوراً ہی سو گیا۔ بچوں کی آواز سن کر جاگا۔

"انکل سیو لجر جاگ جاؤ۔ کھانا تیار ہے۔ ہم کھانے لگے ہیں"۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو کتنی ہی چھوٹی چھوٹی آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ میں ہنس پڑا۔

بڑی بیٹی آٹھ دس سال کی تھی، وہ کھانا پکانے میں ماں کی مدد کر رہی تھی۔ میں نے سنا کہ وہ کہہ رہی ہے۔

"اب وہ چلے گئے ہیں، آؤ ہم اوپر جا کر کھانا کھائیں"۔

ماں نے اسے ڈانٹا۔

MashalBooks.org

"بحث کی ضرورت نہیں، ہم یہیں کھانا کھائیں گے"۔

"مجھے کیوں ڈانٹتی ہو"۔

"تمہاری زبان جو بہت تیز ہے، اچھا چلو اوپر لے چلو، کھانا باہر بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ "بچے خوش ہو گئے اور زور زور سے چلانے لگے۔

"ہم کھانا باہر کھائیں گے، بنکر سے باہر"۔انہوں نے میری قمیص پکڑ لی۔

"آؤ انکل ہم باہر جا رہے ہیں۔ ماما کہتی ہے کوئی خطرہ نہیں"۔

بڑی لڑکی نے ٹرے نیچے رکھی۔ جیک فروٹ کا درخت ساتھ ہی تھا۔اس کے پاس ہی چھوٹی سی چونکی میز بنی تھی، جس کی ٹانگیں زیادہ سے زیادہ چار انچ تھیں۔

"صبر کرو، ورنہ میں تمہارے ہاتھوں کی انگلایں توڑ دوں گی۔ اگر تم ناس طرح شرارتیں کرتے رہے، ماما کا انتظار کرو"۔ان کی بڑی بہن انہیں ڈانٹنے لگی۔ ماما ایک ہاتھ میں چاول اور دوسرے میں سوپ لے کر آ گئی۔اس نے ٹرے کی ایک حالی سائیڈ پر دونوں پیالے رکھے۔ایک خالی پیالہ اور چوپ سٹک مجھے دی۔

" کھانا کھاؤ، ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ زیادہ چیزیں تو نہیں بچیں، مگر جو بھی ہو سکا لے آئی ہوں"۔ میں نے دیکھا کہ بچے بہت شوق سے چاولوں کو گھور رہے ہیں۔ میں نے ان کی ماں سے کہا کہ چاول ان میں بانٹ دے، میں کچھ اور کھا لوں گا۔اس نے سر ہلا کر انکار کر دیا۔

"پھر میں کچھ نہیں کھاؤں گا"۔

"تم ضرور کھاؤ گے، ورنہ تم میں پہاڑوں پر چڑھنے کی طاقت کہاں سے آئے گی۔تم امریکیوں سے کیسے لڑو گے۔ بچوں کی کوئی بات نہیں، انہیں تو بڑا ہونا ہے۔ روکھی سوکھی کھا کر بھی بڑے ہو جائیں گے۔ ہم اتنے غریب بھی نہیں تھے، مگر اب جنگ کا زمانہ ہے، ہم حملہ آوروں کو کیسے شکست دیں گے، اگر ہم جنگ میں اپنا حصہ ادا نہ کریں"۔

"وہ ٹھیک ہے مگر میں چاول نہیں کھاؤں گا"۔

"بہت ضدی ہو، دیکھو لڑنے کے لئے تمہیں خوراک چاہیے"۔

"تو اچھا بڑی بہن، ہم یہ بحث یہیں چھوڑتے ہیں اور میں فورا یہاں سے چلا جاتا ہوں"۔ میں نے ظاہر کیا کہ میں بنکر سے اپنا سامان اٹھانے جا رہا ہوں۔اس نے ہار مان لی۔

"اچھا، اچھا"۔اس نے میری قمیض پکڑ لی۔"جو تم چاہو گے وہی ہو گا"۔

اس نے چاول بچوں میں بانٹ دیئے، مجھے بھی مجبور کر کے کھلا دیئے، لیکن خود ایک دانہ بھی نہ لیا۔اس کی عمر چھتیس سال ہو گی۔مگر اس کے منہ کے آس پاس جھریاں موجود تھیں، وہ کون ہے؟اس نے کیسی زندگی گزاری ہے؟ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ ہنس کر بولی:

"میری فکر نہ کرو، میرا گھر بہت اچھا تھا۔ میرے شوہر نے اسے گرا کر ٹوٹی ہوئی سڑک کے گڑھے بھر دیئے، تا کہ توپیں وغیرہ آسانی کے ساتھ گزر سکیں۔ گھر کا کوئی افسوس نہیں۔ اگر چہ وہ زندگی بھر کی زبردست محنت کا حاصل تھا۔ زرعی اصلاحات کی مہم کے دوران میرے سسر کو رجعت پسند قرار دیا گیا، انہوں نے اسے ہتھکڑی لگائی اور فائرنگ سکویڈ کے سامنے لے گئے۔ ابھی وہ راستے میں تھے کہ ایک اور حکم آ گیا، وہ اسے شہر اور شہر سے جنگل لے گئے، مگر وہ جنگل کی جیل سے فرار ہو گیا۔ وہیں اس نے ایک سال گزارا مگر کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔ یہاں تک کہ غلطیوں کی اصلاح کی مہم شروع ہو گئی۔ پارٹی نے اس کی حیثیت بحال کر دی اور وہ واپس آ گیا۔ جب میری شادی ہو گئی تو ہم تینوں اکٹھے رہنے لگے۔ سات سال بعد میرے سسر نے گاؤں میں اینٹوں کا سب سے بڑا گھر بنایا۔

" کیا تمہارا شوہر بھرتی ہوا ہے؟"

"وہ مارا جا چکا ہے۔ وہ میرین سپلائی کمپنی کا کمانڈر تھا"۔

میرین سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"ہم ساحل سمندر کے رہنے والے ہیں، جنگ کے بعد ہمارا نصف گاؤں اس طرف آ گیا تھا، وہ اپنے سب سے چھوٹے بچے کے بالوں سے کھیلتے ہوئے کہنے لگی:

"ایک روز تم وہاں واپس چلے جاؤ گے، ایک بہت بڑی کشتی لے کر اور تمہارے بھائی تمہارے ساتھ ہوں گے، تم سب مل کر میرے لئے ایک خوبصورت سا گھر بناؤ گے"۔

ذراسی دیر کے لئے وہ چپ ہوئی پھر خواب ناک لہجے میں بولی:

"جب وہ امریکی حرامزادے وہاں سے چلے جائیں گے"۔ وہ سمندر کی سمت دیکھنے لگی۔

"ایک روز کشتی کسی ننھے ملاح کی راہ دیکھ رہی ہوگی، جو پیالے کی تہہ سے بھی چاول چاٹ لیتا ہے"۔ میں نے انہیں خدا حافظ کہا اور محاذ کی سمت روانہ ہو گیا۔

a a a

میری قسمت میرا ساتھ دے رہی تھی۔ جونہی میں سڑک پر پہنچا ایک سپلائی کا کانوائے آتا ہوا نظر آیا۔ میں اس کے سامنے سڑک کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ آگے آنے والا ٹرک مجھ سے صرف دو گز کے فاصلے پر رک گیا۔

"تم پاگل ہو؟ "ڈرائیور کود کر ٹرک سے اترا۔ "ہماری بریکیں بے کار ہو چکی ہیں۔ ذرا سا فاصلہ رہ گیا تھا، ورنہ تم جہنم میں ہوتے اور میں کورٹ مارشل میں"۔ میں ہنسنے لگا:

"سوری بڑے بھائی، مگر تم جانتے ہو کہ۔۔۔۔۔"

"اچھا اب آ جاؤ"۔ وہ بڑبڑایا۔ میں خاموشی سے ٹرک میں بیٹھ گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"کوآن"۔

"میں وو ہوں پچیس سال میری عمر ہے اور ہنگ خوئی کا رہنے والا ہوں اور تم؟ تم تو یقیناً تیس برس کے ہو گے؟"

"نہیں اٹھائیس برس کا ہوں۔ بالوں میں سفیدی زندگی کے دکھوں سے آئی ہے۔ ڈونگ تیین میرا گاؤں ہے"۔

"واہ واہ میرے ہمسائے کہو۔ ہمارے ضلعے ساتھ ساتھ ہیں اور ہمارا صوبہ بھی ایک ہے۔ تو کیا ہم دائمی دوستی کا عہد کر سکتے ہیں۔ ہمارے کلب کے تیئس ممبر ہیں۔ تم عہد نامہ پر دستخط کرو گے؟"

"کیوں نہیں"۔ زور سے ایک جھٹکا لگا، میں کھڑکی کے ساتھ ٹکرانے سے بال بال بچا۔

"یہ سڑک بہت خراب ہے، احتیاط سے بیٹھو، ذرا سی توجہ ہٹ جائے تو دانت گنوانے پڑتے ہیں"۔

"سات بے گناہوں کی وادی"۔ وو مجھے بتانے لگا۔ "تم پہلے بھی شاید یہاں آئے ہو گے، نرا دوزخ ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے جنگل کے اس حصے کو پہچاننے کی کوشش کی، جہاں میں کھو گیا تھا اور جہاں مجھ پر ایک نوجوان ہنسا تھا، مجھے اس وقت بھی یہ احساس ہوا تھا کہ وہ پنجرہ اب بھی جیتا جاگتا انسان ہے اور ہنسنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

"میرے یار تم مجھ سے خفا نہیں ہو سکتے، میں تمہارا سامان تمہارے گاؤں لے کر گیا تھا، وہاں مجھے میڈم لی سے ملایا گیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا، تو اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ "میرا بچہ"۔ وہ چیخی اور بے ہوش ہو گئی۔ بہت سی عورتیں اس کی دیکھ بھال میں لگ گئیں۔ ایک عورت میڈم لی کے استا ل کی دیکھ بھال کرنے لگی۔ اس نے مجھے بتایا کہ میڈم لی بیوہ ہوئی تو اس کا بچہ ہونے والا تھا۔ باپ کی موت کے تین مہینے بعد بچہ پیدا ہوا تھا۔ وہ بہت شریف نوجوان تھا اور موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ گاؤں کی لڑکیاں اس کی دیوانی تھیں، مگر وہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی ماں کے ساتھ چپکا رہتا تھا۔ اسے گئے ہوئے کئی سال ہونے کو آئے ہیں۔ اس کی شادی کے لئے اس کی ماں پیسہ جمع کرتی رہتی ہے اور ایسا کرنے میں اسے سخت محنت سے کام لینا پڑتا ہے۔

"تم وہاں کیا کر رہے تھے، سڑک کے درمیان اپنی ماما کا خیال آیا تھا، یا کیو بہ یاد آئی تھی"۔ اچانک وو نے مجھ سے پوچھ لیا۔

"نہیں میں ۔۔۔۔ " مگر اچانک ایک زور کا جھٹکا لگا۔ "میں نے تمہیں خبر دار کر دیا تھا۔ یہ سڑک سات بے گناہوں کی وادی کو جاتی ہے، تم پہلے بھی کبھی ادھر آئے ہو گئے؟"

"ہاں یہ اچھی جگہ ہے سوائے اس ۔۔۔۔۔"

"یہ ایک سپاہی کا ڈراؤنا خواب ہے۔ وادی کا نام، اس جنگل کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اچھی طرح دیکھو۔ مشرق سے جنوب تک اس کا رنگ سبز ہے۔ وہاں جھاڑیاں اور پودوں کی بھرمار ہے، مگر ان پودوں میں پھول نہیں لگتے اور مشرق سے شمال مغرب تک خوپ کے درختوں کے سوا کچھ نہیں۔ خوپ کا جنگل دوسری طرف کے پہاڑی سلسلے تک پھیلا ہوا ہے۔ وہاں راستہ گم کرنے والے کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس جنگل کا قید بن گیا۔ سارے درخت ایک جیسے لگتے ہیں، ایک ہی جیسے قد آور، ایک جیسی مشابہت، جس کی وجہ سے اپنے رستے کی پہچان نہیں رہتی، ایک دفعہ میں یہاں جیسے کھو گیا تھا۔

"تم سپیشل یونٹ میں تھے یا لائینزان ایجنٹ تھے؟"

"میں ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں تھا، بس ایک ضرورت کے تحت میں ایک سمت چلا گیا، پھر واپسی کا راستہ نہیں ملا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم کس سمت جاتے ہیں، کیونکہ ساری سمتیں سمٹ کر ایک ہو جاتی ہیں۔ تم چیخو چلاؤ، جو جی میں آئے کرو، کوئی مدد کو نہیں آئے گا، میں اپنی رائفل بھی ساتھ نہیں لایا تھا کہ فائر کر کے اپنے ساتھیوں کو بتا دوں کہ میں مصیبت میں ہوں۔ چیخنے چلانے سے میرا گلا بیٹھ گیا تو میں نے ہمت کی اور چلنا شروع کر دیا۔ مگر میں جس طرف بھی رخ کرتا تھا انہی درختوں میں کھو کر رہ جاتا۔ میرے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا، کوئی چھری چاقو یہاں تک کہ لائیٹر بھی نہیں تھا۔ میں اسی طرح بھوکا پیاسا پانچ روز تک اس جنگل میں بھٹکتا رہا۔ چھٹے دن جب میں رینگ بھی نہیں سکتا تھا تو ایک درخت کے سائے میں لیٹ کر موت کا انتظار کرنے لگا۔ عین اسی وقت میری یونٹ نے میری تلاش شروع کر دی۔ آخر کار انہوں نے دیکھا کہ میں ایک درخت کے نیچے بے ہوش پڑا ہوں، وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ میری طبیعت سنبھلی تو مجھے بتایا کہ انہوں نے ایک غار کے قریب سات انسانی کھوپڑیاں پڑی دیکھی ہیں۔ کیڑے مکوڑے ان کا گوشت پوست سب کچھ کھا گئے تھے، یہاں تک کہ ان کے کپڑے، کاغذات اور سامان بھی۔ بس سات کھوپڑیاں باقی رہ گئیں اور سات زند آلودہ رائفلیں۔ اسی لئے ہم اسے سات بے گناہوں کی وادی کہتے ہیں"۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دراصل میں آٹھویں، نویں اور دسویں بے گناہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جنگ میں مارے جانے والے بے گناہوں کی صحیح تعداد کوئی بتا سکے گا؟

"جنگ کے بعد کیا وہ واپس آ کر اپنے شہیدوں کی ہڈیاں ڈھونڈھ نکالیں گے؟"

MashalBooks.org

"پتہ نہیں مگر جنگ میں کھو جانے والے شاید ہی بازیافت ہوتے ہیں"۔

"میرے خدایا، مگر اس وقت تک یہاں کیچڑ کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا"۔ میں خاموش رہا۔

" کھانے کے بعد میں اپنی کلب کے ممبروں سے تمہارا تعارف کرواؤں گا، وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے"۔

a a a

میں اپنی خوابوں کی ملکہ کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ وہ آسمانوں میں ٹہلتی پھرتی ہے، ستاروں کی روشنی میں اس کا چہرہ کندن کی طرح دمکتا ہے۔ کھیتوں سے ابھرتی ہوئی ایک سرگوشی، ہماری شادی کب ہوگی؟ اس کی کمر کتنی نازک ہے۔ میری بھرتی کے دن اس کے چہرے کی پیلاہٹ اور وہ اس کی اداس نکھیر جو ٹوٹے پھوٹے کیچڑ بھرے راتوں پر میری پریڈ دیکھتی رہیں۔ انہیں راستوں پر جہاں انسانوں کی گلی سڑی لاشیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔

وہ عورت مجھے یاد آتی ہے، وہ جواب میرے پاس نہیں، جو مجھ سے دور ہے، جو ہمیشہ خوابوں میں کھوئی رہتی تھی، وہ خوبصورت چہرہ جو کبھی افسردہ، کبھی شاداں ہوتا۔ ایسا چہرہ میری ماں کا تھا، اس پر میری ماں کی دلآویز مسکراہٹ کھیلتی تھی، اس کی آنکھوں کی بے کراں گہرائی اور وسعت، اس کا گداز اور ایک معصوم سی دل بہلانے والی لوری۔

بونگ، بونگ، بونگ، بونگ

a a a

میں ڈویژن ہیڈکوارٹرز واپس پہنچا تو ہونگ نے مجھے بتایا کہ میرا دوست لی پاگل ہو گیا ہے۔ وہ ایک ہفتہ تک بالکل چپ رہا۔ تھیو نے بہت کوشش کی، کبھی اسے ڈرایا، کبھی دلاسا دیا، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آٹھویں دن اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ کسی کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتا، دسویں دن اس کی یہ حالت ہوئی کہ انسانوں کے علاوہ روشنی سے بھی ڈرنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھیں زخمی جانور کی آنکھوں کی طرح سہمی ہوئی تھیں۔ پھر انہوں نے اسے ملٹری ہسپتال میں داخل کر دیا۔ اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں۔ لیونگ نے مجھ سے افسوس اور ہمدردی کا اظہار کیا۔ اس نے مجھے اپنی کمپنی میں واپس جانے کو کہا، کیونکہ کسی بڑے حملے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ میں اس سے بائیں کی باتیں کرتا رہا، اس کے خاندان کا ذکر بھی کیا۔ گاؤں کے حالات بھی بتائے وہ سب کچھ خاموشی سے سنتا رہا۔ کسی حد تک متاثر بھی ہو گا مگر ہمارا بچپن مر چکا تھا۔ اب وہ

کرنل یعنی پرے ڈویژن کا ڈپٹی کمانڈر تھا۔ شہرت اور ترقی اس کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ اب وہ پہلے جیسا دوست نہیں رہا تھا، اس نے کوئی اور ہی راستہ اختیار کر لیا تھا، وہ راستہ جو انسان کو اپنی اصلیت سے دور لے جاتا ہے۔ بیزار ہو کر میں نے گڈ بائی کہا اور اپنا راستہ لیا۔

جنگ میں ہماری فتح ہوئی۔ اس جنگ کا کوڈ سرخ دریا کی لہریں تھا۔ ہماری فتح، ہماری قابلیت اور اعلیٰ جنگی صلاحیتوں کا ثبوت تھا۔ ہم نے دشمنوں کی ایک رجمنٹ تو تباہ کر دی تھی اور دو رجمنٹیں نکارہ بنا دیں تھیں۔ پھر حکم ہوا کہ ہم پیچھے چلے جائیں، کچھ آرام کریں اور نئے سرے سے اپنی طاقت کا جائزہ لیں۔

محاذ سے واپس آتے ہوئے ہمارے ایک نان کمشنڈ افیسر نے بارودی سرنگ پر پاؤں رکھ دیا، ویسے تو کہتے ہیں کہ وہ جنگل میں کسی ضرورت کے تحت گیا تھا، لیکن جب اس کا بیگ کھولا گیا تو اس میں سے درجنوں مچھریاں، کانٹے، چمچ اور چاقو نکلے، سب امریکہ کے بنے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں پھینک دینے کا حکم دیا۔ میرے ساتھی میرے غصے پر حیران ہو گئے، کیونکہ بظاہر اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ وہ میرے گرد خاموش کھڑے رہے، میں اکیلا ہی ندی پر چلا گیا۔ میں سگریٹ پر سگریٹ پیتا رہا اور ان کے دھوئیں کو رقص کرتے اور معدوم ہوتے دیکھتا رہا۔
"حرامزادے، تم نے اتنی حقیر چیزوں کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالی، اے کاش کہ میں تمہیں مار پیٹ کر یہ بات سمجھا سکتا"۔

میں نے مرنے والے پر لعنت بھیجی، اپنے آپ پر لعنت بھیجی اور دور دور تک پھیلے کھیتوں پر بگلوں کا ہجوم دیکھنے لگا۔ لعنتی مخلو فلیچڑ کھود کھود کر اس میں اپنا رزق تلاش کر رہے تھے۔

a a a

پھر وہی خواب جو ایک سال سے ہر سڑک، ہر موڑ پر میرا پیچھا کر رہا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ ٹرین پٹری سے اتر گئی ہے، اس کے خالی ڈبے شور مچاتے، گھسٹتے ہوئے جا رہے ہیں۔ کبھی کبھی سائرن کی لمبی دردناک چیخ گاؤں کی بے نام، بے پایاں اداسی کو چیرتی ہوئی نکل جاتی ہے۔

"چیف میں ڈیوٹی پر آ گیا ہوں"۔ جانی پہچانی آواز مگر کہیں دور سے آتی ہوئی۔ سائرن پھر چیختا ہے، لمبی اور دل دہلانے والی چیخ۔ ٹرین ایک جھٹکے کے ساتھ روانہ ہوتی ہے اور ایک ماتم خیز افق کے پیچھے غائب ہو جاتی ہے۔ میں پرندوں کے سائے دیکھتا ہوں، جو اپنے بازو گھسیٹتے ہوئے چل رہے ہیں، مگر اڑتے نہیں، وہ میری طرف آ رہے ہیں، قریب اور قریب۔ مگر وہ بگلے تو نہیں ہیں۔ راج ہنس بھی نہیں، وہ تو گدھ ہیں، وہ میرے اور قریب آ جاتے ہیں، ان کے غلیظ پر دیکھ کر مجھے گھن آتی ہے، مگر وہ آگے بڑھ رہے ہیں، اپنی منحوس خون آلودہ چونچیں کھولے ہوئے۔

MashalBooks.org

جنگل اور پہاڑوں میں رہنے والوں کے لئے ایسا منظر بہت ڈراؤنا ہوتا ہے۔اس کی وجہ سے وہ بدنصیب بستیاں بھی یاد آتی ہیں، جن کے گلی کوچے اور کھیت بدبودار انسانی لاشوں سے پٹے پڑے ہیں، جن پر مکھیاں بھنبھناتی ہیں اور گدھ ڈیرہ ڈالے رہتے ہیں۔مگر انہیں ٹھکانے لگانے کی کوئی صورت نہیں بنتی۔

"چیف چیف۔۔۔۔۔ "دو ہاتھوں نے مجھے سختی سے جھنجھوڑا۔ میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ سارجنٹ ماؤ میری پائینتی کے پاس کھڑا تھا۔

"چیف کامریڈ ہنگ نے کامریڈ تیو کو چاقو مارا ہے"۔

"کیوں؟"

"وہ آپس میں مذاق کر رہے تھے کہ ہنگ کا دماغ خراب ہو گیا"۔

"تیو کا زخم گہرا ہے؟"

"ڈاکٹر کہتے ہیں کہ زخم چار انچ چوڑا اور دو تین انچ گہرا ہے۔تلی بھی زخمی ہے"۔

"اسے فوراً ہسپتال لے جاؤ،

"میں نے پہلے ہی تیاری کر لی ہے۔ڈاکٹر پٹیاں کر رہا ہے"۔

"اور ہنگ؟"

"ام۔۔۔"

"کیا مطلب ہے"۔میں چیخا۔

"تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟"

"جی، جی"۔ماؤ کا رنگ سفید ہو گیا، شاید خوف کی وجہ سے۔

"یہ واقعہ تمہاری یونٹ میں ہوا ہے، تمہیں چاہیے تھا کہ تم اسے وہیں گرفتار کر لیتے اور اب اگر تم یہ نہ کر سکو تو اس کی بجائے اپنے آپ کو ملزم سمجھو"۔ ماؤ ہکلاتا ہوا ایک طرف کھڑا ہو گیا۔اس کی حالت دیکھ کر دکھ ہوتا تھا۔

"اسے فوراً گرفتار کرو، زخمی کو ہسپتال لے جاؤ اور پھر مجھے رپورٹ دو"۔

"یس سر"۔

"میں بہت بددل ہوا۔میرا خیال تھا کہ یہ دن سکون اور آرام سے گزرے گا۔ایسا کوئی دن عرصہ ہوا کہ ہماری زندگی میں نہیں آیا۔ برسوں سے ہم جنگلی سبزیاں اور بانس کھا رہے ہیں۔اب کہیں جا کر انہوں نے ہمیں تین ہفتوں کے لئے راشن بھیجا ہے اور بڑی بہتات سے بھیجا ہے۔ میں نے تمام پلاٹون کمانڈر جمع کئے اور ان سے کہا کہ فتح کے موقع پر سب کا راشن دگنا کر دیں۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ مجھے سونے دیں۔میں مسلسل چار راتوں سے رپورٹ لکھ رہا ہوں۔ابھی

سانس لیا ہی تھا کہ خون پھر بہنا شروع ہو گیا۔

میں نے جوتے پہنے، منہ دھویا اور دفتر واپس آ گیا۔ ماؤ میرا منتظر تھا۔ میں نے اسے ایک سگریٹ دیا، جسے اس نے کانپتے ہاتھوں سے جلایا۔ ماؤ سادہ دل اور نیک لڑکا تھا، میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ذہنی بوجھ میں اضافہ ہو، ورنہ وہ ڈر جائے گا اور شاید پوری بات نہ بتائے۔

" کیسی بد قسمتی ہے، جشن کے موقعہ پر یہ واقعہ ہونا تھا"۔

"ورنہ یہ جشن بہت کامیاب ہوتا"۔ وہ پرسکون ہو گیا تھا۔

"لنچ کھا چکے ہو؟"

"ابھی نہیں، لنچ شروع ہونے والا تھا کہ یہ واقعہ ہو گیا"۔

"آج لنچ میں کیا پکا ہے؟"

" سبھی کچھ، گوشت، سبزی، انڈے اور مچھلی"۔

"اس واقع کے بعد کھانے میں کیا مزہ رہ گیا ہے"۔

"واقعی، مگر سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ کوئی شخص مداخلت نہ کر سکا"۔ میں نے ماؤ کو ہدایت کی کہ وہ ہنگ کی نگرانی کرے اور کل صبح اسے رجمنٹ کے ہیڈ کوارٹرز بھیج دے۔

تمام کیمپ پر اداسی اور خاموشی کا سایہ تھا۔ کھانا کھا کر سب سپاہی خاموشی سے سونے چلے گئے۔ کوئی تاش پارٹی ہوئی نہ کسی نے ہنگامہ کیا۔ حالانکہ کھانے کے بعد ہر رات وہ بڑے جوش وخروش سے تاش کھیلتے، چیونگ گم، تمبا کو اور خوبصورت عورتوں کی تصویروں پر شرطیں لگاتے۔ حد یہ ہے کہ قحط کے دنوں میں بھی وہ تاش کھیلتے تھے، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لمحے بھی الم ناک اور اداس ہوتے تھے۔ امن اور مسرت کی خواہش کسی پہاڑی چشمے کی طرح کہیں سے پھوٹ پڑتی تھی۔ مگر خواہش کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ بد نصیبی پیچھا کر رہی تھی، بد نصیبی جس کی ہزار شکلیں اور ہزار زاویے تھے۔

"سب نے کھانا لیا ہے ٹھنڈا ہونے سے پہلے۔۔۔۔"

"اسے ٹیبل پر رکھو اور جا کر آرام کرو"۔

"چیف تمہارا رنگ سچ مچ پیلا ہو رہا ہے"۔

"شکریہ"۔ میں اپنا خیال رکھ لوں گا، تم آرام کرو"۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ جاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہا ہے، کچھ کہنا چاہتا ہے مگر نہیں کہتا۔ پروموشن کا مسئلہ ہے یا رخصت پر جانا چاہتا ہے یا کوئی اور بات ہے۔

مگر جب مجھے پتہ چلا کہ وہ لائیزن افسر بننا چاہتا ہے تو میں فوراً مان گیا۔ اپنی کمان میں ایسے لوگ ہوں تو انہیں برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر چہ یہ ذہنی تشدد سے کسی طور کم نہیں۔

ہنگ کیا سوچتا ہوگا۔ جن لوگوں نے اسے باندھ کر رکھا ہے اور جو اس کی نگرانی کر رہے ہیں، وہ سب کے سب وہ لوگ ہیں جو جنگ میں اس کے ساتھ رہے ہیں۔ مجھے اس واقعہ کی رپورٹ لکھنی تھی۔ رپورٹ ہنگ کو ریجنل ہیڈکوارٹرز بھیجنے سے پہلے لکھی جاتی تھی۔ وہاں سے ملٹری کورٹ میں پیش ہونا تھا۔ ملٹری کورٹ ریجنل ہیڈکوارٹرز سے دور جنگل میں تھا۔ مگر رپورٹ لکھنے سے پہلے بھی میں نے کاغذ لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔

میری کمپنی میں ہنگ ان لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جو سب سے بہادر تھے، خطرے سے بھاگنا تو اسے آتا ہی نہیں تھا۔ نہ خطرے میں گھر کی بدخواس ہونا تھا، لگتا تھا کہ وہ لڑنے مرنے کے لئے پیدا ہوا ہے، اس کے علاوہ دنیا میں اس کا کوئی کام نہیں وہ فوجی حکومت عملی پر کلاسیکی چینی کی عمدہ مثال لگتا ہے کہ ڈاکو، لیٹرے، بدمعاش اور بے سہارا یتیم بہترین سپاہی ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ کسی پچھتاوے کے بغیر موت سے لڑ جاتے ہیں۔ اپنی جسمانی ساخت، شباہت اور عادات کے لحاظ سے وہ کم وبیش ایک ہی جیسے ہوتے ہیں، دشمن پر جھپٹ کر حملہ کرنا اور چشم زدن میں اس کا سرتن سے جدا کر دینا، ان کے لئے معمولی بات ہے۔

دست بدست لڑائی میں ہنگ ہمیشہ نت نئے طریقے ایجاد کرتا اور پھر اپنے کارناموں کی تفصیل سنا سنا کر خوش ہوتا۔ ایک دن بے خیالی میں میں نے ہنگ سے پوچھا کہ بھرتی کے دن کون اس کے کندھے پر سر رکھ کر رویا تھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ میں اس کا مذاق اڑا رہا ہوں۔ اس پر اسے غصہ بھی آیا لیکن جلد ہی اسے احساس ہوگیا کہ میری نیت نیک ہے۔

"میرے لئے کسی نے کبھی کوئی آنسو نہیں بہایا"۔

"سب ہنستے رہے۔ وہ اس وقت بھی ہنستے رہے، جب مجھے، مجھ سے بڑے ایک بدمعاش نے پیٹا تھا"۔

111 no page

یہ فائیل چیک ہو چکی ہے اس کا دوسرا پروف نکلنا ہے 14/7/01

"وہ اس وقت بھی خوش ہوتے رہے، جب پولیس مجھے ہتھکڑیاں لگائے بازار میں گھسیٹتی رہی۔ چیف میں اپنے گاؤں میں چوری کی بھینس ذبح کر کے روزی کماتا تھا۔ دوسرا طریقہ چوری اور قتل تھا۔ میں اپنی روزی انہی دو پیشوں کے ذریعے کماتا تھا، جب میرے پاس پیسے ہوتے تو میں جوا کھیلنے چلا جاتا تھا۔ دس بازیاں کھیلوں تو ان میں سے نو بازیاں ہار جاتا تھا۔ اگر بازی جیت لوں تو جیت بہت بڑی ہوا کرتی تھی۔ میری جیبیں نوٹوں سے بھر جاتی تھیں۔ اس لئے مجھے اپنی حفاظت

کے لئے اپنے پاس چھرارکھنا پڑتا تھا"۔ یہ کہتا ہوا وہ ہنسنے لگا۔ مجھے آج تک اس کی وہ ہنسی یاد ہے۔ وہ اور کئی چھوٹے چھوٹے کام کر سکتا تھا۔ ہر قسم کا گوشت بہت عمدہ پکا سکتا تھا۔ بہت اچھی ٹوکریاں بھی بنتا تھا۔ رائفل فکس کرنے میں تو اسے وہ کمال حاصل تھا کہ کوئی اسلحہ ساز بھی شاید ہی اس کا مقابلہ کر سکتا۔

ایک طرح سے وہ مجھے پسند تھا کم از کم لائیزان ایجنٹ جیسے خوشامدیوں سے تو بہتر تھا مگر کبھی کبھی میں یہ سوچ کر بیزار ہو جاتا تھا کہ اس کا نہ کوئی گھر ہے، نہ خاندان۔ ماں باپ کا بھی پتہ نہیں۔ ایک ایسی عورت اس کی ماں بنی ہوئی تھی، جو اس کی چوریوں کا مال بازار میں بیچا کرتی تھی، بس وہی اس کی مجرمانہ زندگی کا واحد سہارا تھی۔ ہر رشتے سے آزاد اور بے نیاز ہوتے ہوئے، سپاہی کی زندگی اس کے لئے بہترین زندگی تھی۔

۱۹۶۸ کے دن تھے۔ ہر سیکنڈ، ہر لمحے، موت ہمارا پیچھا کر رہی تھی۔ ہر رات گرد اور دھوئیں کے غبار میں ہم اپنے ساتھیوں کی لاشیں میدان جنگ سے دور لے جایا کرتے۔ تمام زمین پر انسانی خون اور گوشت بکھرا ہوا ہوتا اور بدبو کا یہ عالم، کہ اسے بیان کرنے کے لئے لفظ نہیں ملتے۔ کئی لاشیں سالم ہوا کرتی تھیں۔ جبکہ بعض کٹی پھٹی ہوتی تھیں۔ کسی کا سر نہیں، کوئی ٹانگوں سے محروم ہے۔ مایوسی اور تھکاوٹ سے چور ہم چلتے رہتے، ہم اپنی بچی کھچی طاقت پسپائی کی اس مہم میں جھونک دیتے، ہمارا مقصد اپنی جان بچانے کی بجائے دوسروں کی جان لینا تھا۔ ہم زندہ رہنا چاہتے تھے، تا کہ چوبیس، اڑتالیس یا بہتر گھنٹوں کے بعد دشمن پر آگ برسا سکیں۔ تا کہ ترازو کے پلڑے برابر رہیں۔ ہم نے اپنے تجربے سے سیکھا تھا کہ لڑنے والوں میں تباہی اور بربادی کی تقسیم مساوی ہونی چاہیے۔

ہم لاشیں لے کر جا رہے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ کوے اور چمگادڑ ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ مجھے ایسا لگتا تھا کہ میرا دل میرے سینے میں پھٹ جائے گا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ سانس لیں، ذرا آرام کریں۔ ہر شخص نے لڑکھڑاتے ہوئے کسی درخت کا سہارا لیا، کوئی درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا، کوئی تھک کر گر گیا۔ رات کا وقت تھا، ہم ایک دوسرے کی صورت تو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے تھے، مگر اس نفرت، شرم اور حقارت کو محسوس کر سکتے تھے، جو ہم سب کے دلوں میں موجود تھی۔

میں ایک لاش کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا، وہ لاش میری کمپنی کے سب سے نوعمر سپاہی ہوآ نگ کی تھی۔ اس کی عمر بمشکل اٹھارہ برس تھی۔ بہت ہی نیک لڑکا تھا، اس کا باپ ڈاکٹر اور ماں سکول ٹیچر تھی۔ دو بہنیں بھی تھیں، وہ مقابلے کے اس امتحان میں اول آیا تھا، جس کا مقصد طالب علموں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے ملک سے باہر بھیجنا تھا۔ مگر اس نے رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات

MashalBooks.org

فوج کے سپرد کر دیں۔" کوئی کلاس روم محاذِ جنگ جتنا اہم نہیں ہے۔کلاس روم کو ترجیح دینے والوں کے لئے کلاس روم موجود ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے۔صرف جنگ مجھے یہ موقعہ دیتی ہے کہ میں وطن کے تاریخی مشن میں اپنا کردار ادا کروں۔خدا حافظ پیارے ہائی اسکول۔ہنوئی کے خوبصورت آسمان، خدا حافظ۔ہم ایک دن پھر ملیں گے"۔اس کی ڈائری اس کے جذبات کی عکاس تھی۔

ہوآنگ کے خدوخال خوبصورت تھے۔سفید رنگ، گلابی ہونٹ اور شفاف آنکھیں۔ بہت صاف ستھرا اور شائستہ مزاج لڑکا تھا۔جنگلی پھول جمع کر کے بیرک کی آرائش کیا کرتا۔اس کی شرافت اور شائستگی کے مقابلے میں جنگ ایک وحشیانہ کھیل تھا۔

ہوآنگ مجھے بہت عزیز تھا، مگر میں یہ بات ظاہر نہیں کرتا تھا، ورنہ وہ قربانی کا بکرا بن جاتا۔ میں اس کا خیال رکھتا، تاکہ وہ ان خرابیوں کا شکار نہ ہو جائے، جو ہماری فوجی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔میں نے کئی دفعہ یہ منظر بے بسی کے ساتھ دیکھا، کہ اس جیسے نوجوان تشدد اور ہلاکت کا نشانہ بنتے ہیں۔گولہ لگنے سے اس کا ایک بازو اور ٹانگ جسم سے الگ ہو گئے تھے۔لاش ٹھنڈی ہو کر اکڑ گئی تھی۔اس کا خون سوکھ کر میرے جسم سے چپک گیا تھا۔نوجوان مر چکا تھا اور میں اس کے بالوں اور کندھے پر پیار سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔میں نے فیصلہ کر لیا کہ آج کے بعد مجھے حق حاصل ہے کہ میں اپنی شفقت، اپنے دکھ اور اپنی نفرت کا برملا اظہار کر سکوں۔میں جس لمحے سے ڈر رہا تھا وہ لمحہ میرے ساتھ تھا۔سچ تو یہ ہے کہ میں اپنی خواہش کے باوجود اس کی حفاظت کرنے میں ناکام ہو چکا تھا۔موت ایک فاحشہ ہے جو حسین نوجوانوں کا پیچھا کرتی ہے۔اگر میں کبھی واپس جا سکا تو اس کی نوجوان ماں سے میں کیا کہوں گا۔اس کی بہنوں کو کیا بتاؤں گا۔میں نوعمری میں جھیل ہیلر کے قریب رہا کرتا تھا، نیلی اور پرسکون جھیل۔

اچانک پرندوں نے شور مچا دیا۔قریب سے ایک سپاہی نے کہا۔

"وہ یہاں ہیں"۔

"سب کو بتا دو اور جو سو رہے ہیں انہیں جگاؤ"۔رینگتے ہوئے ہم اپنے ساتھیوں کے قریب گئے اور سب کو ہوشیار کر دیا۔

اجنبی قدموں کی آواز قریب ہوتی گئی۔مشورہ کرنے یا جنگی پلان کا وقت نہیں تھا۔ہم نے فائرنگ شروع کر دی، ہم متحرک سایوں کا نشانہ لے کر اندھادھند گولیاں چلا رہے تھے۔چیخوں، آہ و پکار اور دھماکوں سے رات کا سکوت ٹوٹ گیا تھا۔شاید وہ سپیشل سکوئیڈ تھا جو ہمارا پتہ چلانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔اس کا رابطہ ریگولر فوج کے ساتھ تھا، جو بھی ہو ہمارے اچانک حملے سے ان کے حواس گم ہو گئے اور وہ ادھر ادھر پناہ کی تلاش میں دوڑنے لگے۔

ہم سب انتقام اور نفرت کی آگ میں جل رہے تھے، یہاں تک کہ تھکاوٹ، بھوک اور

MashalBooks.org

پیاس کا احساس بھی ختم ہو گیا۔ ہم پاگلوں کی طرح گولیاں چلا رہے تھے، تا کہ اپنے دکھ اور مایوسی سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔

رفتہ رفتہ چیخیں ختم ہو گئیں، گولی چلنا بند ہو گئی اور ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

"بس بہت ہو چکا"۔ ہنگ کی آواز گونجی۔ "میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تم مجھ سے بچ نہیں سکتے"۔

" کامریڈ ہنگ"۔ میں نے کہا۔ "قیدی کو قتل کرنا قانون کے خلاف ہے"۔ میں نے فقرہ پورا ہی کیا تھا کہ ایک سایہ لرزتا ہوا میری طرف بڑھا۔

"میں تمہاری منت کرتا ہوں۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ "دشمنوں کی پلاٹون تباہ ہو چکی تھی، ہنگ نے ان کے تین آدمیوں کو قیدی بنا لیا تھا۔ ہم نے اپنے ساتھیوں کی لاشیں کمر پر لاد یں اور اپنے سفر کے آخری مرحلے میں داخل ہو گئے۔

اچانک مجھے کچھ یاد آیا:

" کامریڈ ہنگ تم کسے اٹھا کر لائے تھے؟"

" کسی کو بھی نہیں۔ میں کامریڈ تھم کی رائفل اٹھا کر لایا تھا"۔

بعد میں مجھے پتہ چلا کہ ہنگ نے مردوں اور زخمیوں کو اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک دفعہ اس نے کہا تھا:

"میں اتنے دشمن قتل کروں گا جتنے تم چاہو گے، مگر جہاں تک مردے اور زخمی اٹھانے کا تعلق ہے، وہ مجھ سے نہیں ہو گا"۔

ہم بھٹکی ہوئی روحوں کی طرح ساری رات ٹھوکریں کھاتے رہے، بھوک پیاس اور تھکاوٹ سے ہماری ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ ہوآ نگ کی لاش اکڑ گئی تھی، اس کی ایک ٹانگ کہیں کھو گئی تھی۔ اس لئے اس کا توازن قائم رکھنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

" تھوڑی دور اور دوستو، تھوڑی دور اور پھر سفر ختم ہو جائے گا۔ میں نے ان کا حوصلہ بڑھایا مگر میں جانتا تھا کہ سب بیکار ہے، وہ ٹوٹ کر گرنے والے تھے۔ خود میں بہت تھک چکا تھا۔

ہم نے خان گورج سے گزر آئے گو کہ وہ بہت گہری اور تاریک تھی۔ نصف گھنٹے کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ اچانک ہنگ چلایا:

"تیز چلو"۔

"معافی چاہتا ہوں، میں بہت تکلیف میں ہوں"۔ ایک قیدی نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

" کھڑے ہو جاؤ۔ میں تمہیں ایک منٹ دیتا ہوں"۔

"او کے، او کے"۔

اس سے بیشتر کہ مجھے کچھ اندازہ ہو جنگل اس غریب کی چیخ سے گونج اٹھا، وہ ایک گڑھے میں گر گیا تھا۔ باقی دو قیدی پاگلوں کی طرح چلانے لگے۔ ابھی ابھی وہ اپنے ساتھی کی موت دیکھ چکے تھے۔ وہ دونوں اکٹھے بھاگے۔ ایک پھر، دوسرا دونوں اس گہرے گڑھے میں جا کر گرے۔ میں ہنگ کے پاس چلا گیا۔ میں اپنے دل کی دھڑکن سن رہا تھا۔ اس میں افسوس اور پچھتاوا تھا۔ جبکہ ہینگ پرسکون اور مطمئن تھا۔ مجھے چاہیئے تھا کہ میں اسے سختی کے ساتھ ڈسپلن میں لاتا، سب کے سامنے اس پر واضح کرتا کہ قیدیوں کے حقوق کیا ہیں۔ لڑنے والوں کی بھی عزت نفس ہوتی ہے، وقار ہوتا ہے اور انسانی حقوق ہوتے ہیں، مگر میری زبان نے میرا ساتھ نہ دیا۔ ایسا کیوں ہوا کیا میں اس کے جرم میں برابر کا شریک تھا۔ یا ہوآ نگ کی موت کا مجھ پر اثر تھا۔ وہ سارا دکھ جو میں نے خاموشی سے برداشت کیا تھا یا اس کی وجہ مایوسی تھی، قتل عام تھا۔ میرے رویے کے پیچھے یہ سب کچھ تھا یا کچھ بھی نہیں تھا۔

ہم دونوں بے حس و حرکت کھڑے ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ باقی سپاہی بالکل خاموش کھڑے تھے، جیسے ان پر فالج گر گیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ بے جان مگر پر اعتماد آواز میں بولا:

"آؤ چلیں، اب سفر تقریباً ختم ہونے والا ہے"۔ اس نے جاتے ہوئے صرف رائفلیں اٹھائیں۔ اس کا بوجھ ہم سب سے کم تھا۔ پھر بھی وہ سچ مچ کا چیف بنا ہوا تھا۔

مجھے اس واقعے کی یاد آئی تو میرا خون کھول گیا۔ آخر مجھے اس حقیقت کا سامنا کرنا پڑا، جسے میں تسلیم ہی نہیں کرتا تھا۔ اب بھی صورت یہ تھی کہ میں اس کے جرم پر اس سے باز پرس کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

میں نے جلدی سے رپورٹ لکھی، اس میں سیدھے سادے واقعات بیان کیے اور آخر میں لکھ دیا کہ دو متعلقہ حکام اس کیس کا فیصلہ کریں"۔

میں نے ماؤ کو بلایا اور رپورٹ اس کے حوالے کی۔ اس سے کہہ دیا کہ رپورٹ لے جانے والے تیز محافظ ساتھ لے جائے اور خیال رکھے کہ ہنگ انہیں قتل کر کے فرار نہ ہو جائے۔

"سر کوئی فکر نہ کریں، میں پہلے ہی ان باتوں کا جائزہ لے چکا ہوں"۔ ماؤ چلا گیا تو میں اپنے کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ میرا کھانا بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا، میں نادم تھا مگر مجھے یہ سوچ کر اطمینان ہوتا تھا کہ کل تک بلا سر سے ٹل جائے گی۔

"چیف، میں تمہارا خط لایا ہوں، تم بھی ضرور مجھے کچھ دو گے"۔ اس نے مجھے خط دیتے ہوئے کہا۔

"پھر کبھی سہی، اس وقت تو میرے پاس چیونگ گم ہے"۔

ہوآ کا خط تھا جو ہمیشہ میرے خیالوں میں بستی ہے۔ لفافے کا ایک کونا دیمک چاٹ گئی تھی

جبکہ ڈاک خانہ کی مہر دھندلی پڑ چکی تھی۔

سب سے پیارے کوآن!

میں تمہیں سولہ خط لکھ چکی ہوں، مگر تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہر مہینے مسٹر ہوآں اور مس لی این مجھے ڈاک خانے لے جاتی ہیں کہ شاید تمہاری کوئی خبر ملے۔ ڈاک خانہ والے کہتے ہیں کہ انہیں کوئی اطلاع نہیں ملی، ہم خالی ہاتھ واپس آتے ہیں۔ سردی بہت زیادہ ہے۔ ڈارلنگ تم زندہ ہو کہ مر گئے ہو؟

تم جواب کیوں نہیں دیتے، تمہارا آخری خط چودہ مہینے ہوئے کہ ملا تھا۔ گاؤں میں سب خیریت ہے، کوئی چیز نہیں بدلی، لگتا ہے کہ اس موسم میں فصل اچھی نہیں ہوتی، اس بار اکتوبر کسی تقریب کے بغیر شروع ہوا، نہ چکن تھے نہ چاول۔ بس تھوڑا سا پھل تھا۔

اس تقریب کے مقابلے میں بہت معمولی تقریب تھی، جو ہم مل کر مناتے تھے اور اکٹھے پکوڑا جایا کرتے تھے۔

کوآن ڈارلنگ، بہت یاد آتے ہو، تمہاری کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔ تمہیں گئے ہوئے آٹھ سال اور دو مہینے ہو چکے ہیں۔ میں اور دبلی ہوگئی ہوں، اب میں پہلے جیسی حسین بھی نہیں ہوں، میں شہر گئی تو وہاں اپنا وزن کیا، صرف ۲۹ پاؤنڈ تھا۔ کیا تم اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو؟ میں تو تمہیں مرتے دم تک چاہوں گی۔

خط پر تاریخ موجود تھی، گاؤں میں میری واپسی سے ایک سال سات مہینے اور تیرہ دن پہلے لکھا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

شام پرسکون تھی، ہم کالی چائے پی رہے تھے جو ایک دوست نے تحفے کے طور پر مجھے دی تھی۔ میری عادت تھی کہ میں چائے کی پیالی میں شہد ملا کر پیتا تھا۔ میرے ساتھ تھائی اور تاؤ بھی تھے۔ تھائی تو میرا اڈ پٹی تھا، جبکہ تاؤ کا تعلق پیدل فوج سے تھا۔

جنگل پر شام کا سکوت طاری تھا۔ منظر اتنا خوبصورت تھا کہ اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے تاؤ کو سبز چائے پر اپنا لیکچر روکنا پڑا۔

اچانک کسی جنگلی بلی کی آواز آئی۔ بلی سامنے آتے ہی تھائی کی چیخ نکل گئی، ہم سب پیچھے ہٹ گئے۔ ابھی ہم صورت حال سمجھنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ بلی کود کر ٹیبل پر آ گئی، وہ ذرا جھکی تو میں سمجھا کہ کودنے والی ہے مگر وہ نہیں کودی اور اپنی وحشیانہ نظروں سے ہمیں گھورنے لگی۔ میرا ہاتھ ریوالور کی طرف گیا ہی تھا کہ تھائی نے کہا:

" گولی نہ مارنا"۔ اتنی دیر میں بلی نے دم مار کر چائے کی ایک پیالی الٹ دی اور پھر ہمیں

گھورنا شروع کر دیا۔ اس کی نظریں اتنی خونخوار تھیں کہ ہمیں ڈر لگنے لگا۔ تاؤ اپنا ریوالور بھرنے کے لئے پیچھے ہٹا تو تھائی بولا:

"گولی کوئی نہ چلائے"۔ بلی نے ہمیں حقارت سے دیکھا اور میوں میوں کرنے لگی، پھر دروازے پر کود گئی، ہم چپ چاپ کھڑے رہے۔

تھائی بہت پریشان تھا، اس نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر گویا اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"توبہ ہے، میں نے اتنی ڈراؤنی بلی کبھی نہیں دیکھی"۔ میں جب سے فوج میں آیا ہوں، میں نے پہلی بار یہ خوفناک جانور دیکھا ہے۔ میں نے کہا:

"اس نے ہمیں معاف کر دیا ہے، شاید وہ اس وقت حملہ کرتی ہیں جب ان کے بچے خطرے میں ہوتے ہیں"۔ تھائی نے میری طرف دیکھا:

"میرا ایک انکل کارپینٹر ہے بعض اوقات وہ شکاریوں کے ساتھ جنگل جایا کرتا تھا، اس نے بتایا کہ جنگلی بلیاں کھیتوں کے آس پاس نہیں منڈلاتیں، نہ دیہات کے قریب آتی ہیں۔ چیتوں کے لئے جال بچھائے جاتے ہیں، کیونکہ وہ گائے کا شکار کرنے آتے ہیں۔ جنگلی ریچھ فصلیں اجاڑتے ہیں، بندر مکی برباد کرتے ہیں اور ریچھ شہد چراتے ہیں، ان سب کے لئے جال بچھائے جاتے ہیں، مگر لائی فکس (جنگلی بلی) کے لئے کوئی جال نہیں بچھاتا۔ کیونکہ وہ نظر آ جائے تو تباہی کا عمل شروع ہو جاتا ہے، وہ تباہی اور بربادی کی علامت ہے۔ وہ ہر تیسری نسل کے بعد ایک بار نظر آتی ہے، مگر جب نظر آئے تو سمجھ لو کہ طوفان کسی گاؤں کو ملیا میٹ کر دے گا۔ زمین کا ایک پورا خطہ آگ کی نذر ہو جائے گا یا کوئی ہلاکت خیز وبا پھیل جائے گی۔ میرے انکل نے بتایا ہے کہ اگر لائی نکس کو گولی ماردی جائے تو ہمیشہ کے لئے تباہی پھیل جاتی ہے۔ اگر وبا ہو تو اس کا سلسلہ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اگر آگ ہو تو ہر سال بھڑکتی ہے اور خیال رہے میں خبطی نہیں ہوں۔ وہمی بھی نہیں ہوں نہ میرا عقیدہ کمزور ہے۔ میرا انکل سیدھا اور سچا آدمی ہے، اس نے جھوٹ کبھی نہیں بولا۔ اس لئے مجھے اس کی بات سچ ماننی پڑتی ہے"۔

تاؤ نے ڈر کے مارے میری قمیض پکڑ لی:

"بڑی خوفناک بات ہے"۔

"اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا"۔ میں نے کہا۔

"بالکل نہیں، ایک لفظ بھی نہیں کہنا ہے"۔

ہم خاموش ہو گئے۔ شام ختم ہو چکی تھی۔ اس واقعہ کی یاد بہت عرصے تک مجھے ستاتی رہی۔

ڈیڑھ مہینے بعد شگون پورا ہو گیا۔

a a a

لڑائی کا ایک اور دور شروع ہو گیا۔ ہماری نئی مہم کا نام لائٹنگ ایرو رکھا گیا تھا۔

موسم خشک تھا مگر آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ صبح کی دھند چھٹنے میں بھی بہت دیر لگتی تھی۔

ہمیں حکم ملا کہ ہم اپنے آپ کو کیموفلاج کر لیں، یعنی دشمن کی نظروں سے بچیں۔ اپنی طاقت جمع کریں اور فیصلہ کن جنگ کے لئے راشن وغیرہ اکٹھا کر لیں۔ ہم ہمیشہ اپنی نقل وحرکت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کرتے تھے تاکہ کوئی ایسا نشان باقی نہ رہے جس سے دشمن فائدہ اٹھا سکے۔

عام طور پر مارچ رات کے وقت شروع ہوتا تھا۔ گائیڈ ماسک پہن لیتا تھا۔ کوڈ ہر ہفتے بدل جاتا تھا، کسی کو سوال پوچھنے کی اجازت تھی نہ رائے دے سکتا تھا۔ ہنسی مذاق بھی منع تھا۔ جب منزل پر پہنچ جاتے تو اپنا سامان ٹھکانے لگاتے اور کھانا کھا کر سو جاتے تھے۔ سب جانتے تھے کہ جنگ ہونے والی ہے۔ ایک رات تھائی مجھے جنگل کی طرف لے گیا۔ میں سمجھا کہ ہماری معمول کی میٹنگ ہونے والی ہے۔ اس لئے میٹنگ میں شریک ہونے والے باقی لوگوں کے متعلق پوچھا۔

"میں صرف تم سے بات کرنا چاہتا ہوں"۔ جنگل میں جا کر ہم ایک کھائی میں اتر گئے اور ایک بہت پرانے درخت کے نیچے بیٹھ کر باتیں شروع کیں۔

" کوآن، تم جانتے ہو کہ میرا بھائی مارا جا چکا ہے؟"

"میں جانتا ہوں۔ وہ بی 41۔ کمپنی کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا۔ مجھے وہ کمپنی اچھی طرح یاد تھی، ایک بار تھائی کو ملیریا ہو گیا، وہ سمجھا کہ بس وہ مرنے والا ہے تو اس نے مجھے اپنے خاندان کے متعلق کچھ باتیں بتائیں اور مجھے وصیت کی کہ میں اس کے بعد اس کے بوڑھے باپ اور چھوٹے بھائی کا خیال رکھوں۔ ویسے تو گھر میں سات بچے تھے مگر بھائی دو ہی تھے۔ تھائی اور تھانگ۔ اس کی ماں مر چکی تھی، باپ نے دوسری شادی نہیں کی اور تنہا ہی بچوں کو پالا پوسا۔ وہ تمباکو کاشت کیا کرتا تھا۔۔ تھائی کی آواز کانپنے لگی۔ "مسٹر کوآن تم رجمنٹ کے پولیٹیکل افسر ہو ہو کو تو جانتے ہو گئے؟"

"ہاں ہاں"۔

ہمارا کیپٹن کسی کام پر گیا ہوا تھا۔ وہ حرامزادہ ہو ہو ڈویژن ہیڈکوارٹرز پر رعب ڈالنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے دشمن پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ کرنل بھی کہیں گیا ہوا تھا، اس لئے ہو ہو کے ماتحتوں نے اس کے پلان کی تائید کی۔ ہو ہو رجمنٹ کے پارٹی سیل کا سیکرٹری بھی تھا، اس لئے پارٹی کے کارکنوں نے اس کے پلان کی بھرپور حمایت کی، ان میں سے بعض تو اسے خوش کرنا

چاہتے تھے اور بعض نے لا پرواہی سے ایسا کیا۔ سکاؤٹ پلاٹون نے سچویشن کے متعلق بڑی زوردار رپورٹ بنائی۔ مگر سب جھوٹ۔ وہ علاقہ ریگستانی نہیں تھا، جیسا کہ رپورٹ میں بکواس کی گئی تھی۔ بلکہ پتھریلا علاقہ تھا۔ B۔ 41 کو حکم دیا گیا کہ دشمن پر حملہ کر کے اسے ختم کر دے۔ چنانچہ ان کے بیلچے سنگلاخ زمین یا کسی چٹان سے ٹکراتے تو چنگاریاں اڑتیں، جن کا نشانہ لے کر دشمن گولہ باری کرتا تو اس کے تمام نشانے ٹھیک لگتے۔ پوری پلاٹون بارود اور آگ کی زد پر تھی۔ دوسرے دن تین پلاٹون کے ذریعے جوابی حملہ کیا گیا اور اپنی لاشیں سمیٹی گئیں۔ پچاس آدمی ہلاک ہوئے 41۔ B میں سے کوآنگ بہہ کا رہنے والا ایک شخص بچا، جس کو ہسپتال لایا گیا، اس کی تلی اور جگر کٹ گئے تھے، پتہ نہیں اس غریب کا کیا بنا۔

"پوری ایک پلاٹون تباہ ہوگئی۔ لاشوں کا کیا ہوا، کیا سب مل گئی تھیں؟"

"تم سمجھتے ہو یہ ممکن تھا؟"

"اسے کسی لڑکی سے محبت تھی؟"

"نہیں۔۔۔ مجھے تو محبت کی فرصت نہیں ملی، وہ محبت کیسے کرتا، وہ مر گیا ہے۔ پوری پلاٹون میں اسی جیسے نوخیز لڑکے تھے!" تھائی سسکیاں لینے لگا۔

"کوآن، وہ خواہ مخواہ مارا گیا، وہ سب مارے گئے، اس حرامزادے کی وجہ سے"۔

تھائی اندھیرے میں بیٹا رہا، میں خاموشی سے اس کی طبعیت سنبھلنے کا انتظار کرتا رہا۔ چلو اب سنبھل جاؤ، دوسرے ساتھیوں کے حوصلے پر برا اثر نہیں پڑنا چاہیے"۔

"مجھے پتہ ہے، مگر یہ واقعہ تمہیں سنانا بہت ضروری تھا"۔

"میرا خیال ہے وہ وقت آنے والا ہے جب کوئی شخص بھی کسی دوسرے کو کچھ نہیں بتائے گا"۔

ہم واپس آ گئے، مجھے پتا تھا کہ تھائی لائی نکس کے متعلق سوچ رہا ہے کیونکہ میں خود اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اگلی صبح مجھے بتایا گیا کہ ایک پوری پلاٹون کو ملیریا ہو گیا ہے۔ دوسرے لوگ ان کم بختوں کو کوس رہے تھے، جو اپنی مرضی سے جنگل گئے اور کسی زہریلے فروٹ میں جا منہ مارا۔ تین روز بعد ایک ایک کر کے ہر پلاٹون میں سے لوگ ملیریا میں مبتلا ہو گئے۔ لوگوں نے ہنسنا چھوڑ دیا تھا۔ بیمار شور مچاتے ہوئے ننگے جنگل کی طرف بھاگ جاتے، گویا کہ ان کے تن بدن آگ میں سلگ رہے تھے۔

دس روز بعد حکم ملا کہ کچھ بھی ہو روانہ ہو جاؤ، میں نے کمانڈر کو ایک رپورٹ لکھی۔ پیامبر اپنے ماسک میں سے دیکھتا رہا۔ پھر پرسکون لہجے میں بولا:

"آج رات ہر حال میں"۔

" مگر میرے بہت سے آدمی بیمار ہیں"۔

" کچھ بھی ہو یہ حکم ٹل نہیں سکتا"۔

اس رات دھند بہت گہری تھی، سردی کے مارے برا حال تھا۔ پوری کمپنی سنگل قطار میں جا رہی تھی، جو لوگ تندرست تھے، انہوں نے مریض اور ہتھیار اٹھا رکھے تھے۔

ہم درختوں کا سہارا لیتے ہوئے نیچے جا رہے تھے۔ گائیڈ مجھ سے چند قدم آگے جا رہا تھا۔ اس کی کمر تختے کی طرح سیدھی تھی۔ تھائی فوج کی پچھلی قطاروں کے ساتھ تھا۔ ہم میں سے سب سے مضبوط آدمی تھیو ہر ایسی جگہ پہنچ جاتا، جہاں اس کی ضرورت ہوتی۔ کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ اتنے تھک چکے تھے کہ باتیں کرنے کی طاقت بھی نہیں تھی یا شاید یہ کہ طاقت کا ہر ذرہ بچا کر رکھنا چاہتے تھے۔

مارچ، مارچ، مارچ اچانک مجھے یاد آیا کہ دس برس پہلے ہم اس کی دھن پر پریڈ کرتے تھے۔ ۵۶۹۱ میں جب ہم نے جنوب کو آزاد کروانے کے لئے مارچ شروع کیا تو ہمارے شور سے سارا جنگل کانپ اٹھا تھا۔ میں اس وقت اٹھارہ برس کا تھا۔

بینگ Bang ایک گولی میرے کان کے قریب سے گزر گئی۔ گائیڈ چلایا:

"ہالٹ"۔ دوسری گولی کی آواز، میں فلیش لائٹ لے کر ایک سائے کے پیچھے بھاگا۔ چند منٹ میں، میں نے اسے جالیا۔

"بھائی مجھ پر رحم کرو"۔ وہ ہاتھ جوڑنے لگا۔ ایک لڑکا جس کی جلد جھلسی ہوئی تھی اور حلیہ بھکاریوں جیسا تھا، اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ لگتا تھا اس نے کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا تھا۔

" کون ہو تم ! کیا فوج سے بھاگ کر آئے ہو، مجھے اپنے کاغذات دکھاؤ، اپنے تھیلے سے اس نے اپنا فوجی شناختی کارڈ نکالا اور کٹا پھٹا ایک حکم نامہ بھی"۔

"میں بھگوڑا نہیں ہوں، میں راستہ بھول گیا ہوں"۔

میں اس کے کاغذات چیک کرنے لگا۔

"تم مجھے بیوقوف سمجھتے ہو؟ حکم نامہ پر پچھلے سال جون کی تاریخ ہے۔ اب کیا کرتے ہو؟"

"چیف، میں راستہ بھول گیا ہوں، مجھے ملیریا ہو گیا تھا، میں وان کیو کے پاس تھا"۔ اس نے انگلی سے اشارہ کیا مگر تاریکی کی وجہ سے میں اس کے اشارے کی سمت متعین نہ کر سکا۔

اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر مجھے دیا۔ "یہ میرا سٹیفکیٹ ہے، جو مجھے وان کیو برادرز نے دیا"۔

" مگر تم اپنی یونٹ میں واپس کیوں نہیں گئے؟"

"چیف مجھے ماں یاد آتی ہے۔ میں ہی اس کی دنیا ہوں، میری یونٹ اب بہت دور۔ B9

میں ہے، میں اسے کیسے تلاش کروں؟ "اتنی دیر میں کھیو بھاگتا ہوا آیا۔

" کیا بات ہے؟"

"ہم نے ایک ننھا مفرور پکڑا ہے"۔ میں نے کہا۔

"او کے اسے ساتھ لے چلتے ہیں، جلدی کرو، لوگ بے ہوش رہے ہیں"۔

" ٹھیک ہے تھیو چلو، جلدی چلو"۔لڑکے سے میں نے اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا۔ گائیڈ پھر ہمیں صحیح راستے پر لے آیا۔ چلتے چلتے ہم پہاری علاقے میں پہنچ گئے۔شکر ہے کہ چاند کی روشنی میں ہمیں راستہ صاف نظر آنے لگا تھا۔

لڑکا لڑکھڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ کبھی مجھ سے ٹکرا جاتا، کبھی میری ایڑیوں پر پاؤں مار دیتا۔

" کیا بات ہے تمہیں بھوک لگی ہے؟ "میں نے پلٹ کر پوچھا۔ وہ خاموش رہا۔ میں نے خشک راشن کا پیکٹ نکالا اور اسے دے دیا۔

اس کے بعد اس نے لڑکھڑانا اور گرنا چھوڑ دیا۔ کبھی کبھار میں پلٹ کر اسے دیکھ لیتا، وہ میرے سائے کی طرح میرے ساتھ لگا ہوا تھا۔

اس کی ماں کون ہے، شاید وہ کہ جو ٹوکری میں کیلے، سبزیاں اور آلو لے کر میلوں دور جاتی ہے کہ ان کے عوض چند پیسے مل سکیں یا وہ کہ جو پیالیوں میں سبز چائے بیچتی ہے کہ مٹھی بھر چاول خرید سکے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ننھا فوجی سینہ تانے میرے پیچھے آرہا تھا۔

جب ہم مقررہ مقام پر پہنچے تو میرے نصف سے زیادہ سپاہی بیمار ہو چکے تھے، خوش قسمتی سے دوائیں بروقت آ گئیں۔ جس سپاہی کی حالت ذرا بھی سنبھلتی تو وہ میدان جنگ میں ہوتا۔ لائٹننگ ایئرو کا تیسرا دور شروع ہو چکا تھا۔ یہ آپریشن اتنا کامیاب نہ ہو سکا، جیسا کہ ریڈ ریور ہوا تھا۔ بہرحال ہماری یونٹ نے اس میں نمایاں کردار ادا کیا۔ تھائی، سترہ سپاہی اور میں زندہ بچے، تھیو پہلی جھڑپ میں ہی مارا گیا تھا۔ اس کے باوجود ہم فاتح کہلائے، ہمیں مزید آدمی دیئے گئے اور "بہادر کمپنی " کا خطاب ملا۔

میدان جنگ سے واپس ہونے سے پہلے ہم نے نئے جوانوں کو بڑی ترتیب اور توجہ سے کمپنی میں شامل کیا کہ کمپنی میں نئی جان اور توانائی آئے۔ ہم نے مرنے والوں کے لئے الوداعی تقریب کا اہتمام کیا، ہم نے بانسوں سے ایک چھوٹی آلٹر بنائی اور اس کے سامنے دوزانو ہو گئے۔ میں نے آگ جلانے کے لئے کہا۔ ہمیں وہ ایک سو ساتھی کبھی نہیں بھولیں گے، ان کے خون آلود چہرے ہمیشہ ہماری آنکھوں کے سامنے رہیں گے اور وہ ہمیشہ انصاف کا مطالبہ کرتے رہیں گے۔

☆ ☆ ☆

میں خواب دیکھ رہا ہوں، ایک نیلا لباس ہے، جسے ایک عورت نے پہن رکھا ہے۔ ایک ایسی

عورت، جو آسمان کی نیلگوں رنگت میں سے نمودار ہوتی ہے۔ یہ وہی عورت ہے جس سے میں نے محبت کی ہے۔

وہ خوبصورت اور نازک ہے، اس کی پلکیں لمبی ہیں۔ میں اس کی محبت میں مر رہا ہوں، اس موت میں کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے اسے چاہا ہے اور اس نے مجھے چاہا ہے۔

☆ ☆ ☆

میں پسینے میں نہایا ہوا بیدار ہوتا ہوں۔ دیوانے تم خواب دیکھنے سے باز نہیں آ سکتے، خوابوں میں کیا رکھا ہے۔ میں اپنا آپ دیکھتا ہوں۔ یہ آدمی جو اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے۔ بلند آواز میں قسمیں کھاتا ہے۔ یہ آدمی جو پرسکون ہو کر ندی پر جاتا ہے اور اپنے کپڑے دھوتا ہے، جو ہر رات کھانا کھانے کے بعد تھائی کے ساتھ فوجی پلان پر بات کرتا ہے۔

شام کو جب لائیزن ایجنٹ آیا تو ہم چائے پی رہے تھے۔ اس نے مجھے ڈویژنل ہیڈ کوارٹرز کے احکامات دیئے۔

ہمیں چار جنگی قیدیوں کو سیکورٹی فورس کے حوالے کرنا تھا۔ سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ کچھ بھی ہو انہیں گنوانا نہیں ہے، انہیں بھاگنے نہیں دینا ہے، انہیں بیمار ہونے یا مرنے نہیں دینا ہے۔ کمانڈر انچیف کی طرف سے لیونگ نے دستخط کئے تھے۔

☆ ☆ ☆

اچانک بارش شروع ہو گئی، جیسے کوئی حادثہ یا محبت ہو جاتی ہے۔

بارش دو ہفتوں تک شدت کے ساتھ جاری رہی۔ یہاں تک کہ دریاؤں اور ندیوں میں طغیانی آ گئی۔

ایسے موسم میں آگے بڑھنا ممکن ہی نہ تھا۔ اس لئے ہم نے بیس 57 میں کیمپ لگا لیا۔

ایک صبح میں نے ہٹ نمبر۲ کا رخ کیا۔ بارش ہو رہی تھی۔ اس سے بچنے کے لئے میں ایک لمبے برآمدے سے گزرا۔ وردیاں سوکھ جانے کے لئے ادھر ادھر پھیلائی گئی تھیں۔

میں نے دیکھا کہ چار نمبر قیدی ہٹ کے سامنے کھڑا بارش کے پانی سے کھیل رہا ہے۔ اس کا چہرہ میری محبوبہ ہوآ کی چھوٹی بہن سے بہت ملتا تھا۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا، وہ اسکول کے کسی بچے کی طرح بارش سے کھیلتے ہوئے خوش ہو رہا تھا۔ اگر ہنگ اسے دیکھ لیتا تو کہتا: "چربی کے تھیلے، چوزے، جو بانسریاں اور گٹار لئے واہیات گیت گاتے رہتے ہیں۔ ڈرائینگ روم کے جنگجو، کیا ہی اچھا ہو کہ بموں کی بارش انہیں نیست و نابود کر دے۔ درخت سے ایک ٹہنی ٹوٹ کر گری تو وہ ہڑبڑا گیا۔

"سر، سر" میں اسے دلاسہ دے رہا تھا۔ مگر وہ ہکلاتا ہی رہا۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ ہوآ کی چھوٹی بہن سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ وہ ہوآ نگ کا ہمعصر ہوگا۔ تو کیا اس نے بھی اپنی ڈائری میں اپنے سنہرے خوابوں کا ذکر کیا ہوگا، اس نے بھی اپنے آئیڈیل کی خاطر یونیورسٹی چھوڑی ہوگی۔

"نمبر فور میرے پیچھے آؤ"۔ میں نے اسے کہا۔

میں ایک الگ کمرے میں رہتا تھا، وہ کمرہ کمانڈر کے لئے تھا۔ لکڑی کے تختوں سے بنایا گیا تھا۔ تھوڑا سا فرنیچر بھی تھا، ایک بیڈ، الماری، میز اور چند کرسیاں۔

"اندر آؤ"۔

اندر آ کر اس نے قمیض کی باہوں سے اپنے بال صاف کئے۔

"بیٹھ جاؤ"۔

بیٹھ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ لئے۔ اس کے ہاتھ بہت پیارے تھے لمبی پتلی انگلیاں، کسی خوبصورت عورت کی انگلیوں کی طرح۔ میں نے اسے چائے دی۔ اس نے چائے کا ایک گھونٹ لیا اور بے حس وحرکت بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں نیچی کیں تو اس کی گھنی لمبی پلکوں کے پیچھے اس کی آنکھیں چھپ گئیں۔

اسے خوف زدہ دیکھ کر میں نے اسے تسلی دی۔

"بے فکر ہو کر بیٹھو میں تمہیں گولی نہیں ماروں گا"۔

اس نے پھر اپنی نظریں جھکا لیں۔

"تم سے ہم اچھا سلوک کرتے ہیں، اس لئے کہ تم بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے؟"

"لیفٹیننٹ ہوین پہلے ہی ہم سے یہ کہہ چکا ہے"۔

مجھے ہنسی آ گئی، وہ واقعی اناڑی تھا۔

"ہوین، ایک نمبر قیدی؟"

"یس سر، اس نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم نے بھاگنے کی کوشش کی تو ہم کسی دوسری یونٹ کے ہاتھ لگ جائیں گے، اس صورت میں ہمارے زندہ بچنے کا کوئی امکان نہیں"۔

"یہ ٹھیک ہے مگر تم لوگ فرشتے تو نہیں ہو۔ ہم اتنے سخی نہیں ہیں کہ اپنے دشمنوں کو باقاعدہ راشن دیتے رہیں، جبکہ راشن پہلے ہی کم یاب بلکہ نایاب ہے"۔ وہ چپ رہا۔

"تم یہاں محفوظ ہو۔ مجھے حکم ملا ہے کہ تمہیں سیکیورٹی کے حوالے کر دوں۔ اس لئے تمہیں کھلانا اور تمہاری حفاظت کرنا ضروری ہے"۔

میں نے سگریٹ سلگایا اور خاموشی سے بارش کا نظارہ کرنے لگا۔ اچانک مجھے میری ماں یاد آ گئی۔ ایک ویران قبرستان، یہاں وہاں بکھری قبریں اور ان پر کتبے تانبے جیسے سرخ سوکھے پتے،

جنہیں میں پاؤں سے کچل رہا تھا۔ میری ماں، وہ میرے دل کی آواز ضرور سنتی ہوگی۔

"دیکھو تمہارا سگریٹ"۔

میری انگلی سگریٹ سے جلنے والی تھی، میں نے اسے باہر بارش میں پھینکا اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"تمہارا نام؟"

"نیوین ہو آئی این"۔

"گاؤں؟"

"جیا دنہہ سائیگون"۔

"پیشہ؟"

"میرا باپ سکول میں پڑھاتا ہے، میری ماں کپڑا بیچتی ہے"۔

"وہ سلائی بھی کرتی ہے؟"،

"جی ہاں، عورتوں کے لباس کی ماہر ہے"۔

"تم بھرتی کیوں ہوئے؟"

"میں، میں"۔ اس نے مضطرب ہو کر مجھے دیکھا اور آنکھیں نیچی کر لیں۔

"بھرتی کیوں ہوئے تھے؟"

"اپنے قومی آئیڈیل کے لئے"۔

مجھے سونے کی عینک والا یاد آ گیا۔

"آئیڈیل؟ نابالغ بچوں کا کھیل ہے، ہمیں تو بس یہ کرنا ہے کہ انہیں بھکو بنا دیں۔ فوج میں بھرتی کریں یا پولیس میں بھیج دیں"۔ یہ کہہ کر وہ ہنسا تھا جیسا کہ طاقت کے پجاری ہنسا کرتے ہیں۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

"آئیڈیل کے لئے؟"

"یس سر"۔

"مادر وطن کو بچانا چاہتے ہو؟"

"یس سر"۔

"ایک محبّ وطن کا فرض ادا کرنے کے لئے؟"

"یس سر"۔

"یہ ثابت کرنے کے لئے کہ تم اس زمین کے جائز وارث ہو؟"

"سر"۔

"ملک کی خدمت کے لئے؟ یہ عہد کرتے ہوئے کہ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دو گے؟"

"جی سر"۔

میں نے دیکھا کہ اس کا رنگ پیلا پڑ رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔ وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں اسے فائرنگ سکویڈ کے سامنے لے جانے کے لئے، پھانسی کے تختے پر چڑھانے کے لئے، کسی بہانے کی تلاش میں ہوں۔

"تم کس خدا کی عبادت کرتے ہو؟"

"ہم دہریئے ہیں۔ میری ماں بدھ کی عبادت کرتی ہے اور ہر مہینے کی پہلی اور پندرہ تاریخ کو صرف سبزیاں کھاتی ہے"۔

"میں نے پوچھا ہے کہ تمہارا خدا کون ہے؟"

وہ ہاتھ ملنے لگا۔"سر میں معافی چاہتا ہوں"۔

" گھبراؤ نہیں، تمہیں کوئی کھا نہیں جائے گا۔ میری بات سنو، ہم ایک تھیوری کو پوجتے ہیں، ہمارا خدا مارکس ہے، بھدی ناک، نیلی آنکھوں اور لمبی داڑھی والا مارکس۔ تم بتاؤ کہ تمہارا خدا کون ہے؟ اس کی پیشانی کشادہ ہے کہ تنگ ہے، اس کی مونچھیں ہیں کہ نہیں"۔

میری باتیں سن کر اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"نہیں سر، ہمارا کوئی۔۔۔۔۔۔"

" کیا مطلب ہے، تمہارا کوئی خدا نہیں ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمہاری قوم پرستی بکواس ہے"۔

وہ بہت دیر تک خاموش کھڑا رہا، پھر ہکلاتے ہوئے بولا۔

"اوہ پلیز سر، مجھے معاف کرو، میں تمہاری کوئی ایک بات بھی نہیں سمجھ سکا"۔

" فکر نہ کرو، میں مذاق کر رہا تھا۔ جاؤ اپنے کمرے میں واپس جاؤ"۔

وہ کھڑا ہوا، اپنے دونوں ہاتھ باندھے، چند قدم پیچھے ہٹا اور جونہی دروازے کے پاس پہنچا، ایک دم بھاگ گیا۔

میدان جنگ میں آمنے سامنے لڑتے ہوئے دونوں طرف قتل ہوتے ہو اور قتل کرتے ہو، تم پاگلوں کی طرح گولیاں برساتے ہو اور جب جسموں سے خون فواروں کی طرح ابلتا ہے، دماغ پاش پاش ہوتے ہیں تو تالیاں بجاتے ہو، خوشیاں مناتے ہو۔ یہ سوچتے ہوئے کہ تم نے اپنا آئیڈیل پا لیا ہے، اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے۔ مشین گنوں کی گولیوں کی بوچھاڑ میں تم ایک دوسرے پر درندوں کی طرح جھپٹتے ہو اور بھول جاتے ہو کہ تم ایک باپ، ایک ماں کے بیٹے ہو۔

☆ ☆ ☆

مجھے ایک ہفتے تک بخار رہا۔ کچھ کھا پی نہیں سکتا تھا۔ ٹیکوں کے ذریعے خوراک دی گئی، آٹھویں روز بخار اترا تو میں چاول کا دلیا کھانے کے قابل ہو سکا۔ بارش ختم ہو چکی تھی، شام کا وقت تھا۔ میں چھڑی کے سہارے ٹہلنے چلا گیا۔ میں اپنی جان بچ جانے پر خوش تھا۔ میرا جی چاہا کہ اپنا گاؤں یاد کروں، اس کے کھیتوں کے خواب دیکھوں، اس کے آسمان پر اڑتی ہوئی مرغابیوں کی آوازیں سنوں، اس امید پر زندہ رہوں کہ ایک روز واپس اپنے گاؤں جاؤں گا۔

"چیف تم فوراً اندر آؤ"۔ ڈاکٹر مجھے بیڈ پر لے گیا، مجھے لٹا کر اچھی طرح ڈھانپ دیا، اس کے جاتے ہی میں پھر اپنے خوابوں کی دنیا میں واپس چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

پچھلی رات رجمنٹ سے ایک شخص ہمیں ملنے آیا، بہت سلجھا ہوا آدمی تھا۔ لیونگ کا خط لے کر آیا۔ لیونگ نے خط کے ساتھ چینی سیب اور تمبا کو بھیجا۔ لیونگ کو پتہ چل گیا تھا کہ مجھے ملیریا ہو گیا ہے۔ خود تو آ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ اس کا نمائندہ عمر اور عہدے میں مجھ سے بڑا تھا۔ ڈنر کے بعد ہم باتیں کرنے لگے تو اس نے بتایا کہ ایک شخص کو اس نے گھٹنے میں گولی ماری ہے۔

" کیا وہ دشمن کا جاسوس تھا؟ "میں نے پوچھا۔

"جاسوس نہیں بھگوڑا تھا۔ دو فائر کر کے میں نے اس کے"۔ وہ بہت دیر تک خاموش کھڑا رہا، پھر ہکلاتے ہوئے بولا۔

"اوہ پلیز سر، مجھے معاف کرو، میں تمہاری کوئی ایک بات بھی نہیں سمجھ سکا"۔

" فکر نہ کرو، میں مذاق کر رہا تھا۔ جاؤ اپنے کمرے میں واپس جاؤ"۔

وہ کھڑا ہوا، اپنے دونوں ہاتھ باندھے، چند قدم پیچھے ہٹا اور جونہی دروازے کے پاس پہنچا، ایک دم بھاگ گیا۔

میدان جنگ میں آمنے سامنے لڑتے ہوئے دونوں طرف قتل ہوتے ہو اور قتل کرتے ہو، تم پاگلوں کی طرح گولیاں برساتے ہو اور جب جسموں سے خون فواروں کی طرح ابلتا ہے۔ دماغ پاش پاش ہوتے ہیں تو تالیاں بجاتے ہو، خوشیاں مناتے ہیں۔ یہ سوچتے ہوئے کہ تم نے اپنا آئیڈیل پالیا ہے، اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے۔ مشین گنوں کی گولیوں کی بوچھاڑ میں تم ایک دوسرے پر درندوں کی طرح جھپٹتے ہو اور بھول جاتے ہو کہ تم ایک باپ، ایک ماں کے بیٹے ہو۔

a a a

مجھے ایک ہفتے بخار رہا۔ کچھ کھا پی نہیں سکتا تھا۔ ٹیکوں کے ذریعے خوراک دی گئی۔ آٹھویں روز بخار اترا تو میں چاول کا دلیا کھانے کے قابل ہو سکا۔ بارش ختم ہو چکی تھی، شام کا وقت تھا۔ میں چھڑی کے سہارے ٹہلنے چلا گیا۔ میں اپنی جان بچ جانے پر خوش تھا۔ میرا جی چاہا کہ اپنا گاؤں یاد کروں، اس کے کھیتوں کے خواب دیکھوں، اس کے آسمان پر اڑتی ہوئی مرغابیوں کی آوازیں سنوں۔ اس امید پر زندہ رہوں کہ ایک روز واپس اپنے گاؤں جاؤں گا۔

"چیف، تم فوراً اندر آؤ"۔ ڈاکٹر مجھے بیڈ پر لے گیا۔ مجھے لٹا کر اچھی طرح ڈھانپ دیا، اس کے جاتے ہی میں پھر اپنے خوابوں کی دنیا میں واپس چلا گیا۔

a a a

پچھلی رات رجمنٹ سے ایک شخص ہمیں ملنے آیا، بہت سلجھا ہوا آدمی تھا۔ لیونگ کا خط لے کر آیا۔ لیونگ نے خط کے ساتھ چینی سیب اور تمبا کو بھیجا۔ لیونگ کو پتہ چل گیا تھا کہ مجھے ملیریا ہو گیا ہے۔ خود تو آ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ اس کا نمائندہ عمر اور عہدے میں مجھ سے بڑا تھا۔ ڈنر کے بعد ہم باتیں کرنے لگے تو اس نے بتایا کہ ایک شخص کو اس نے گھٹنے میں گولی ماردی ہے۔

"کیا وہ دشمن کا جاسوس تھا؟ "میں نے پوچھا۔

"جاسوس نہیں، بھگوڑا تھا"۔ دو فائر کر کے میں نے اس کے دونوں گھٹنے بے کار کر دیے، اتنے صحیح نشانے میں نے کبھی نہیں لئے"۔

" مگر وہ کہاں کا رہنے والا ہے"۔

"اس کا لہجہ ہانے کا لگتا ہے، میرے بڑے بیٹے کا ہم عمر ہوگا۔ میری آواز پر رک جانے کی بجائے وہ بھاگ نکلا"۔ وہ ہنسنے لگا۔

" تمہارا لائیٹر بہت اچھا ہے، کیا تحفے کے طور پر مجھے دے سکو گے"۔

" کوئی بات نہیں"۔ میں نے لائیٹر اس کے حوالے کیا تو اس کا چہرہ کھل گیا۔

a a a

ہماری ایک کانفرنس ہونے والی تھی، جس میں کیپٹن سے اوپر کے افسروں نے حصہ لینا تھا۔ کانفرنس کا مقام راز میں رکھا گیا تھا۔

میں بیماری سے اٹھا تھا، اس لئے میں نے کوشش کی کہ میری جگہ تھائی کانفرنس میں چلا جائے، مگر ہیڈ کوارٹرز نے انکار کر دیا۔ میں نے تھائی سے کہہ دیا:

" کمپنی کا بہت خیال رکھنا، کھانے کی کوالٹی چیک کرتے رہنا، سپاہیوں کو بے کار ادھر ادھر نہ جانے دینا، ورنہ وہ عورتوں کا پیچھا کرنے لگیں گے"۔

تھائی فکر مند لگ رہا تھا۔" مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تم اتنی دور جاؤ"۔

" تمہیں اس حقیقت کا سامنا کرنا ہے کہ میں ان دنوں میں ہی کسی روز مر جاؤں گا"۔

"ایسا مت کہو"۔

"بیوقوف مت بنو۔ یہ واقعہ تو پہلے ہی اس یونٹ کے ایک سو تنتیس آدمیوں کے ساتھ ہو چکا ہے"۔

" مگر یہ واقعہ باقی بچنے والے انیس آدمیوں کے ساتھ نہیں ہونا چاہیئے"۔

" کیوں نہیں ہونا چاہیے؟"

"اس لئے کہ یہ میرا ایمان ہے، دیوتا اندھے تو نہیں ہیں"۔

"اوہ، یہ بات ہے، پھر لوگ ایک دوسرے کو قتل کیوں کرتے ہیں؟" تھائی نے سر جھکا لیا اور فکر مند لہجے میں بولا۔

"یہ بتاؤ کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہم اپنی روزی کیسے کمائیں گے۔ میری مثال لو۔ میرا بھائی مارا جا چکا ہے۔ گھر میں بس لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں، ان کی شادی ہم کس سے کریں گے؟ میرے بعد ان کا کیا حال ہوگا"۔

"بہت سوچتے ہو۔ پریشان ہونے کی بجائے اپنے اعصاب پر توجہ دو، انہیں مضبوط بناؤ، تا کہ جنگ میں سے زندہ بچ کر نکل جاؤ، باقی باتیں ہم بعد میں سوچیں گے"۔

تھائی نے مجھے ون بہہ سگریٹ کا ایک پیکٹ دیا۔ یہ پیکٹ اسے ایک کسان نے دیا تھا۔ راستے میں سگریٹ خراب ہو گئے تھے، کیونکہ وہ بہت دور سے لائے گئے تھے۔ تھائی نے تمبا کو کو دھو کر سکھا دیا تھا۔ پھر بھی یہ سگریٹ پیپا کے پتوں سے تو بہتر تھا۔

میں صبح سویرے روانہ ہو گیا۔ لائزن ایجنٹ جہاں مجھے لے گیا، وہاں پچاس آفیسر اور بھی تھے، میں نے وہیں رات گزاری۔ اگلی صبح ایک ٹرک ہمیں لینے کے لئے آیا، دو دنوں اور ایک رات کے سفر کے بعد ہم دوسری منزل پر پہنچے، جو گھنے جنگل میں واقع تھی۔

یہاں لوگ مختلف علاقوں سے آئے تھے، مگر ایک ہی صوبے سے تعلق رکھتے تھے۔ آسانی کے ساتھ دوست بن جاتے تھے، دن رات اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے تھے۔ کوئی ہو، کے گیت گاتے تھے۔ نظمیں پڑھتے تھے۔ یہاں سب کے سب مرد رہتے تھے اور خوش رہتے تھے۔

اگلی صبح لائزن ایجنٹ آیا۔" دوستو دیکھو تو سہی، اب ہماری رہنمائی کن ہاتھوں میں ہے۔ ایک حسین عورت ہمیں گائیڈ کرے گی"۔

ایک دم قیامت کا شور بلند ہوا، لوگ چیخنے چلانے لگے۔ میں نے اسے بہت عرصے کے بعد دیکھا تھا، یقیناً وہ ایسی تھی کہ اس کے انتظار میں زندگی بسر کی جائے۔ اس سے ایک بات کرنے کے لئے سب اس کی طرف بھاگے، وہ صبر و تحمل کے ساتھ کھڑی رہی، سب سے مسکرا کر بات کی۔ شاید اسے اس دیوانگی کا سامنا کرنے کی عادت تھی، جس کا مظاہرہ لوگ کر رہے تھے۔

اس حسینہ کی رہنمائی میں دریا کی طرف بڑھے۔ کل بارہ کشتیاں تھیں اور ہر کشتی میں بارہ آدمی سوار ہوئے۔ وہ لڑکی کمانڈر کے ساتھ سب سے پہلے جانے والی کشتی میں تھی۔ میں اس کی کشتی میں تو نہیں تھا، پھر بھی خوش قسمت تھا کہ ذرا دور سے اس کی جھلک دیکھ سکتا تھا۔ کسان عورت کے سیاہ لباس میں وہ کتنی حسین اور باوقار لگتی تھی۔ ایک آواز آئی:

"واقعی یہ اس قابل ہے کہ ہیڈکوارٹرز میں ہو"۔

"اگلی کشتی میں بیٹھنے والے خوش قسمت ہیں"۔

"اے ہوا، اس کی خوشبو میں ہمارا بھی حصہ ہے"۔

کناروں پر گہرے سبز پتوں میں ہلکی سی ہل چل تھی۔ ہر گھنٹے کے بعد کشتی چلانے والے کی ڈیوٹی بدل جاتی، خطرناک مقامات پر پائلٹ کشتی چلانے لگتا۔ کشتیاں خشکی کی سمت جا رہی تھیں اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر سو رہے تھے۔ سورج ہمارے پیچھے تھا، اس کی کرنیں لہروں پر رقص کر رہی تھیں اور ہمارے سامنے سرخ ریت کا ساحل تھا۔

یہ چیم کی سرزمین تھی۔ اس طرف سے میں K زون میں داخل ہوا تھا۔ مجھے وان کیو کی یاد آنے لگی۔ اس کی یاد نے میرا دماغ فاسد خیالات سے پاک کر دیا۔

میری نظریں ریت پر جمی ہوئی تھیں۔ اس مرتبہ اس ریت نے میرے اندر ماضی کے بھوت بیدار نہیں کیئے۔ ان کی جگہ بے کراں اداسی تھی اور میں تھا۔ میرا درد ختم ہو چکا تھا اور کسی چیز کی مجھے خواہش نہیں تھی۔ مجھے ایک سسکی سنائی دی، سسکی تھی یا لہروں کا شور تھا؟

☆ ☆ ☆

دور سے موسیقی کی آواز، شاید رات کا وقت ہے۔ شعلے بلند ہیں، مسند پر ایک روح براجمان ہے۔ روح نیزے پر جھکی تو اس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا۔

" کون ہے؟"

"میں ہوں"۔

"میں کون؟"

"سترویں نسل سے تعلق رکھنے والا تمہارا ایک بزرگ"۔

"میں تمہیں نہیں جانتا"۔

MashalBooks.org

"کوئی بھی اپنے بزرگوں کو نہیں جانتا"۔

وہ اپنا سر اٹھاتا ہے تو اس کے رخساروں پر آنسو بہنے لگتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ صورت میں پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔ بیک وقت وہ شناسا بھی ہے اور اجنبی بھی"۔

"تمہیں کیا کام ہے مجھ سے؟"

"تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں میرے بچے"۔

"مگر کیوں؟"

"تمہاری نفرت مجھے قبر سے کھینچ لائی ہے"۔

"شاید۔۔۔۔۔"

"تم پہلے بھی یہاں سے گزر چکے ہو، تم یہیں سے ڈر کر کر بھاگے تھے، ہمیں برا کہتے ہوئے؟"

"یہ سچ ہے"۔

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا؟"

"جرم سرزد ہو چکا ہے، تم اسے زمین کے سات پردوں میں بھی دفن کر دو تو بھی اس کی حقیقت بدل نہیں سکتی"۔

"یہ بات ٹھیک ہے"۔

"اور کچھ کہنا ہے؟"

"ہاں ضرور کہنا ہے"۔

وہ میری طرف دیکھتا ہے، اس کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں کانپ اٹھتا ہوں، مگر میں کسی روح سے ڈرنا نہیں چاہتا۔ پھر بھی یہ دردناک منظر مجھے متاثر کرتا ہے۔

"ایک اور سچ بھی ہے"۔

"تو پھر بولو نا، جلدی بولو"۔ میں اس پر برس پڑتا ہوں۔

وہ ہنستا ہے مگر اس کی ہنسی میں اداسی ہے۔

"دور ایک ندی تھی، دریا تھا اور ایک جنگل تھا"۔

"اوہو، کام کی بات کرو"۔

"تو سنو، دور شمال کی طرف ایک سبزی مائل نہر ہے، دریا ہے اور ایک جنگل ہے۔ چاول کی شاندار فصلیں ہیں۔ وہ علاقہ میرا اور تمہارا وطن ہے۔ سترہویں نسل سے تعلق رکھنے والے میرے بزرگ وہاں پیدا ہوئے تھے، ان کی شادیاں وہیں ہوئیں اور وہیں انہوں نے اپنے بچے پالے۔ اپنے گھر بنائے، پھر ایسا ہوا کہ بیرونی حملہ آور آئے، انہوں نے میرے بڑوں کو لوٹا مارا اور قتل کیا۔

MashalBooks.org

مجبور ہو کر میرے بڑے وہاں سے چلے گئے"۔

"میں جانتا ہوں کہ شمال والوں نے تمہیں وہاں سے نکالا، تو تم ان پر حملہ آور ہوئے، جو جنوب میں رہتے تھے اور پھر یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہا"۔

"ایسے واقعات سے تاریخ بھری ہوئی ہے"۔

" مگر تم نے ان کا مقابلہ کیوں نہیں کیا، ان کا راستہ کیوں نہیں روکا"۔

"تقدیر کا راستہ کوئی نہیں روک سکتا"۔

"اس کے باوجود تم نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ تقدیر کا فیصلہ آخری اور قطعی نہیں ہوتا، انسان بھی تقدیر بدل سکتا ہے"۔

"دراصل یہی بات میں تم سے کہنا چاہتا تھا"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"بہتر ہوتا اگر تم یہ بات کہنے کی بجائے کر کے دکھا دیتے"۔

"اس زمانے میں ہم تلواروں اور نیزوں کے ساتھ لڑا کرتے تھے۔ خط پورے ایک ہفتے میں اپنی منزل پر پہنچتا، لوگ بکھرے ہوئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی آبادیاں تھیں، جنگلی جانوروں کی طرح ہم دنیا سے بے خبر الگ الگ رہتے تھے۔ اپنے گھر کی حدوں سے پار دیکھنے کی توفیق ہی نہیں تھی"۔

"تم نے ہمارے لئے کچھ نہیں چھوڑا، تمہارے دامن خالی تھے؟"

"اتنے خالی بھی نہیں تھے"۔

" کیا تھا ان میں؟"

"ہماری فتوحات کی یادگاریں"۔

"اس میدان میں تو ہم تمہیں بہت پیچھے چھوڑ چکے ہیں"۔

"اپنے اوپر فخر کرنا بچوں کا مسئلہ ہے۔ میری طرف دیکھو میرے پاؤں میں جوتے ہیں، نہ کندھے پر رائفل ہے۔ مکی کے دانوں کا تھیلہ لئے میں ننگے پاؤں چلتا ہوں، ہم تقریباً برہنہ تھے مگر اپنا خون اور گوشت دے کر ہم نے تمہارے لئے سنہری یادیں چھوڑیں"۔

"میں لعنت بھیجتا ہوں تمہاری فتوحات اور ان کی یادگاروں پر، میرا پیچھا چھوڑو"۔

"تم میرا خون ہو، بے شک کتنی ہی صدیاں گزر چکی ہوں۔ تم میرے ہو۔ مجھ سے خفا نہ ہونا، بے وفائی نہ کرنا۔ بیمار ہو کر مرنے سے پہلے میں بھی اپنے بزرگوں کو برا کہتا تھا، کوئی فرد اپنی تاریخ کا انتخاب خود نہیں کرتا، نہ تاریخ میں اپنی مرضی کا کردار ادا کرتا ہے"۔

" مجھے اس کی پرواہ نہیں"۔

"زندگی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تمہارا دامن خالی نہ ہو، مگر بزرگوں کا دامن لوٹ کر اپنا دامن بھر لینا بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے، حیف ہے، اس پر جسے ورثے میں کچھ نہ

ملا، لیکن اس سے بڑھ کر وہ بدنصیب ہے، جس نے ورثے میں کچھ نہیں چھوڑا"۔

" کیا مطلب ہے، تمہارا۔ ہم سے کیا چاہتے ہو؟ "میں نے اس کی خالی آنکھوں میں گھورتے ہوئے کہا۔

"ہم نے اپنی فتوحات کی یادگاریں، تمہیں دی ہیں، تم اپنی فتوحات کی یادگاریں کیوں نہیں بناتے؟"

بے چارہ بوڑھا بات نہیں سمجھتا، میں نے اپنے آپ سے کہا۔ اسے نظر نہیں آتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ وہ نوجوان کیا اس نے نہیں دیکھے جو سب کے سب محاذ پر جا چکے ہیں، مرتے ہوئے جن کے ہونٹوں پر وطن کے گیت تھے اور وہ کہ جواب بھی سر ہتھیلی پر لئے محاذ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مگر میں بول نہیں سکتا، میری زبان میرا ساتھ نہیں دیتی۔

وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے ہے، اس کی نظروں میں گہرائی ہے محبت اور فیاضی ہے، وہ وقت اور نسلوں کے تفاوت کا انکار کرتی ہوئی لگتی ہیں۔

میں اس کے گرد آلود پاؤں دیکھتا ہوں، اس کے پھٹے پرانے کپڑے اور زنگ آلود برچھی دیکھتا ہوں۔ میرے غریب آباؤاجداد، فتوحات کے تباہ حال متوالے۔

☆ ☆ ☆

"تم کن خوابوں میں کھوئے ہوئے ہو"۔ چھوٹے قد کا ایک آدمی ZoonB9 سے برآمد ہوا۔

" تمہیں دیکھنا ہی ہے تو ادھر دیکھو"۔ اس نے اس کشتی کی طرف اشارہ کیا، جہاں گائیڈ سو رہی تھی۔ اس کا سر کمانڈر کے کندھے پر تھا، کمانڈر خوش تو تھا مگر گھبرایا ہوا بھی تھا۔

"میرا خیال ہے تم کمانڈر کے ساتھ جگہ بدلنا چاہو گے"۔ ایک افسر نے ہنس کر کہا۔

"نہیں"۔ میں نے سختی سے جواب دیا۔

"اوہو، تم تو برا مان گئے ہو"۔

میں خاموش ہو گیا۔ میں باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

لیونگ میرا منتظر تھا۔ وہ وہاں ایک ہفتہ پہلے ہی آ گیا تھا۔ اسے اپنا نظریاتی کورس مکمل کرنا تھا۔ اس کے بال اور زیادہ سفید ہو چکے تھے۔ کوئی نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھی موضوع پر بات کرے۔ پہلی رات ہم نے ڈرامہ دیکھا، اسٹیج سے پردہ اٹھا تو مجھے لیونگ بھول گیا۔ سیٹ کے پیچھے سے ایک بے سرے پیانو کی آواز آ رہی تھی۔ پھر بھی اسکول کی یادیں مجھ پر چھا گئیں۔ ان امیدوں کے دیئے جلاتے ہوئے جو زمانہ ہو گیا کہ مر چکی تھیں۔ میں ایک عورت کی ہنسی کا منتظر تھا، اس کی ہنسی میں

جب بھی سنتا تھا، بے اختیار میرا جی چاہتا تھا کہ اس سے ملوں، مگر میری ہمت میرا ساتھ نہیں دیتی تھی۔

کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"چلو آؤ، جلدی چلو میٹنگ شروع ہونے والی ہے"۔

میں فرمانبرداری سے اس کے پیچھے چلنے لگا۔ مجھے اس کے سوا کچھ یاد نہیں تھا کہ میں نے خوبصورت مرد اور عورتیں دیکھی تھیں۔ میرے دل و دماغ میں اور کوئی خیال نہیں تھا، میں انہیں دیکھتا رہا، جیسے رات کے وقت جنگل میں بھٹکنے والے کو چراغ نظر آ جائے، مجھ پر اس حسن نے جادو کر دیا تھا، جو مجھ سے دور ہو چکا تھا۔ سب نے مجھے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ جس کی ہلکی سی خوبصورت مسکراہٹ مجھے رومانس، محبت اور خوابوں میں کھو جانے کی دعوت دیتی تھی۔

" کیا تم اپنے حواس کھو چکے ہو؟ "میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"ہوش کرو، نظریاتی سیشن شروع ہونے والے ہیں۔ بہت گرم بحثیں ہوں گی"۔

میں نے بڑبڑاتے ہوئے سر ہلا دیا، اس نے بھی یہی کیا۔ یہ کیسی زندگی ہے کہ لوگ خوشگوار خواب بھی نہیں دیکھنے دیتے، میں کچھ کہنے والا ہی تھا کہ لیونگ آ گیا۔

حسب معمول اس کی گردن تنی ہوئی تھی اور چہرہ بہت سنجیدہ تھا۔

"چلو میرے ساتھ کمرے میں چلو"۔

میں نے اپنے بےفکرے دوست سے اجازت چاہی اور لیونگ کے ساتھ ستونوں کی بھول بھلیوں میں کھو گیا۔

"اداکاروں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ "لیونگ نے پوچھا۔

"بہت اچھے تھے"۔اس نے کالی چائے بنائی۔ایک پیالی مجھے دیتے ہوئے کہا۔

"لو چائے پیو"۔

جب تک میں نے پیالی خالی نہیں کر دی، وہ خاموش بیٹھا انتظار کرتا رہا۔

"میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا تھا مگر کسی نہ کسی طرح تو تمہیں معلوم ہو جائے گا"۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے آنکھیں نیچی کر لیں۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی بری خبر ہے۔

"تم مجھے کسی اور یونٹ میں بھیجنا چاہتے ہو؟"

"نہیں"۔

" کیا ہمارا ڈویژن خطرے میں ہے؟"

"بالکل نہیں"۔

وہ چپ ہو گیا اور دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ اس کی نظریں اور کہیں کھوئی ہوئی تھیں۔ آخر اس

نے آہستہ اور غمناک آواز میں کہا۔

"بائین مر گیا ہے"۔

میں اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔"اس نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ سبزیاں اور مکی اگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ایک روز اس کا پاؤں کسی تیز آلے پر آ کر زخمی ہو گیا۔زخم بگڑ گیا اور بالآخر وہ ٹیٹنس کے ہاتھوں مارا گیا"۔

میں کھڑا ہو گیا۔"مجھے ہک کے پاس لے چلو میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کیسے مرا؟"

" ہک یہاں نہیں ہے۔سپیشل یونٹ کو نظریاتی تعلیم میں شامل نہیں کیا گیا، کیونکہ انہیں فوری طور پر کچھ کوٹا تیار کرنا تھا، دیکھو، ہم بڑا حملہ کرنے والے ہیں، ہم نے اسے مزید دو آدمی دیئے ہیں، اسے ترقی دے کر کپتان بنا دیا گیا ہے"۔

"نیا کوٹا؟ کتنا؟ دس ہزار تابوت؟ ایک لاکھ تابوت؟ "میں نے سوال کیا۔لیونگ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ میں نے اس کی اکڑی ہوئی گردن پر اس کے پر غرور چہرے کی طرف دیکھا، مجھے محسوس ہوا کہ وہ خاموش رہے گا۔آئندہ مجھے کوئی کام کی بات نہیں بتائے گا، کئی افراد میرے خیالوں میں آئے اور چلے گئے۔وان کیو دیکھے جو تابوت اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔ٹرکوں کے وہ قافلے دیکھے کہ جن کے ٹرک کینوس سے اچھی طرح ڈھانپ دیئے گئے تھے۔تابوت، لاشیں، بے جان آنکھیں اور بے جان چہرے۔

کیا انہیں میرا انتظار تھا؟

لیونگ خاموش کھڑا تھا۔

"لیونگ کیا تمہارے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے"۔

"لیونگ "میں چیخا۔

" کو آن، میں بہت اداس ہوں۔مگر جنگ تو جنگ ہے، وہ تاریخی کردار جو ہماری قوم کو سونپا گیا ہے"۔

"یہ باتیں میں نے ریڈیو پر ہزار مرتبہ سنی ہیں"۔ میں کمرے سے باہر چلا گیا۔شاید وہ یہی چاہتا تھا، مگر میں اس کے اندازے سے پہلے باہر آ گیا۔

☆ ☆ ☆

ہم دریا میں اکٹھے نہاتے تھے۔لیونگ، بائین اور میں پانی سے کھیلتے تھے۔ایک دوسرے پر پانی اچھالتے تھے، مگر وہ ہمارا بچپن تھا۔اس زمانے کی بڑی خوبی ہے کہ وہ دوستی اور برابری کا زمانہ ہوتا ہے، اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوتی۔

محبت کی ماری فاختائیں سارا دن کوکتی رہتیں۔لڑکیاں کھیتوں میں کھیلتیں، کسی نامعلوم بات

پر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتیں، آپس میں خوب مذاق کرتیں، ہم بھی انہیں دیکھ کر ہنسا کرتے۔

ایک بار ہماری پتنگ، اڑتی اور لہراتی ہوئی آسمان کی پہنائیوں میں کھو گئی، شاید وہیں جہاں جا کر ہمارے خواب بھی کھو گئے ہیں۔

اور ہماری یہ زمین، خون اور کیچڑ میں لتھڑی ہوئی۔ جہاں انسانی گوشت کے ڈھیر ہیں، جو گل سڑ جاتے ہیں تو ان کی بدبو سے جانور بھی پناہ مانگتے ہیں، جہاں لوگوں کو قتل کرنے والوں کی روحوں کو گھن لگ جاتا ہے، جہاں گینگرین دل تک پہنچ کر اسے چاٹ لیتی ہے۔

بیوقوف، اے کاش کہ تم میری بات مان لیتے، مجھے وہ صبح یاد آئی جب بائین نے مجھے رخصت کیا تھا۔ اگر وہ میری بات مان لیتا، اگر وہ گاؤں واپس چلا جاتا تو اس نوجوان کے جسم میں زندگی کی نئی روح پھونکی جاتی جو چاول کی سو بوریاں اٹھا سکتا تھا۔

"میں نے تمہارے لئے فتح کے چبوترے ورثہ میں چھوڑے تھے"۔

اس کی آواز سارے جنگل میں گونج رہی ہے۔ پتوں کی سرسراہٹ میں، پانی گرنے کی آواز میں گھل مل کر گونج رہی ہے۔ میں بانسری کی اداس آواز سن رہا ہوں۔ میرے بزرگ کی روح میرے قریب بیٹھ جاتی ہے۔ اس کے پاؤں سے گلے سڑے انسانی گوشت کی بدبو آ رہی ہے۔ میں اس سے پوچھتا ہوں۔

"تم ہر وقت کیوں روتے ہو؟"

"میں تمہارا ماتم کرتا ہوں"۔

"بہتر ہوگا کہ اپنے پاؤں کا ماتم کرو، اپنی اس برچھی کا ماتم کرو یا برسوں پرانی اپنی کلی کا ماتم کرو"۔

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا: "اس کے باوجود وہ ہمیں تھے کہ جنہوں نے چنگیز خان کی فوج کو یہاں سے نکال باہر کیا"۔

"تمہارا فاتحانہ چبوترہ بوسیدہ ہے، کسی بہت پرانے مندر کی کرم خوردہ چھت کی طرح"۔

"اپنا یقین قائم رکھو، اس کے بغیر تمہاری حیثیت، تمہاری طاقت ریت کی دیوار ہے"۔

" مگر قدیم زمانے میں تو دنیا نے اس ملک کا نام بھی نہیں سنا تھا"۔

"میرے خون کا ایک قطرہ، ابھی تک بھٹک رہا ہے، بے چارہ"۔

"ہم اپنے بزرگوں کی عزت کے لئے اور اس ملک کے مستقبل کی خاطر لڑا کرتے تھے، یہ کبھی نہیں ہوا کہ دنیا کی داد حاصل کرنے، ان سے شاباش لینے کے لئے ہم لڑے ہوں"۔

☆ ☆ ☆

تارتھ سٹار۔۔۔۔۔اس نام سے کی جانے والی جنگ اکثر کامیابی پر ختم ہوتی ہے۔ نارتھ

سٹار نے خوب اپنا کام دکھایا۔مگر ہماری بٹالین کا صفایا ہوگیا۔پوری کمپنی میں سے صرف بارہ سپاہی زندہ بچے۔اڑتالیس گھنٹوں میں مجھے مناسب امداد مہیا کر دی گئی۔طوفانی موجوں کی طرح لیک ہونگ کے بیٹے محاذ جنگ کی طرف بڑھے۔

☆ ☆ ☆

ہم نے جنوب کی طرف پیش قدمی کی۔اچانک گولیاں چلنے کی آواز آئی۔" کون ہے جو اس بے ہودگی سے فائرنگ کر رہا ہے؟"

تاؤ کھڑا ہو گیا۔"میں جا کر دیکھتا ہوں چیف"۔

میں ڈاکٹر کے پاس اکیلا رہ گیا۔بجلی کی روشنی سے میری آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔کمرہ اپنے نفیس پردوں، چمڑے کی سرخ شاندار کرسی، لاتعداد سٹیشنری اور دیگر ساز و سامان کے ساتھ صحیح سلامت تھا۔ان عیاشیوں کا عادی ہمارا دشمن ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور جنگ میں کاغذ کے ان پیڈوں وغیرہ کا کیا مصرف ہے۔

"اپنی جگہ سے نہ ہلو چیف، میں نے اپنا کام ابھی ختم نہیں کیا۔وہ میری پٹی بدل رہا تھا،شاید زخم میں انفیکشن ہو گیا تھا۔ایک اور برسٹ کی آواز آئی۔

" کون ہے جو اس طرح گولیاں چلا رہا ہے؟ میں خود جا کر دیکھوں۔تمہارا کام ختم ہوا یا نہیں؟"

"بس ایک منٹ اور"۔اس نے بڑی صفائی اور مضبوطی سے پٹی باندھ دی۔اس کی صورت اچھی نہیں مگر ہاتھوں میں بڑا کمال ہے۔بہت اچھا صنم تراش بن سکتا تھا۔میری طرف مڑ کر بولا:

"چیف، میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا"۔

"او کے"۔

ہم کمرے سے نکلے تو بہت بڑے صحن سے ہوتے ہوئے اس سمت چلے، جہاں سے فائرنگ کی آواز آ رہی تھی۔سرد اور مضبوط سیمنٹ پر چلتے ہوئے مجھے اپنے قدموں کی آواز عجیب لگ رہی تھی۔میں اس آواز کا عادی نہیں تھا۔میرے قدموں کی آواز تو کیچڑ یا گھاس کی سرسراہٹ میں کھو جاتی تھی۔یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہم کسی شہر میں داخل ہوئے تھے۔

تاؤ دوڑتا ہوا میری طرف آیا۔"چیف وہ میری بات نہیں مانتے، وہ فائرنگ نہیں بند کریں گے"۔

" کس پر فائرنگ کر رہے ہیں؟"

" کسی پر نہیں، جو چیز سامنے ہو اس پر گولی چلا دیتے ہیں"۔

"مجھے جلدی سے وہاں لے چلو"۔تاؤ آگے آگے بھاگا۔

ہم گودام میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ اس کی چھت گیارہ گز اونچی ہے۔ سامان کی پیٹیاں اوپر چھت تک لگی ہوئی تھی۔ چھوٹی مشین گن کے برسٹ کی آواز آئی، اس کے ساتھ ہی ہنسی اور نشے میں بدمست آوازوں کا شور۔

"یہ کون لوگ ہیں؟ "میں نے پوچھا۔

"لینہ کی گشت کرنے والی پارٹی ہے"۔

" کیا سب نشے میں ہیں؟"

"سب نہیں کچھ لوگ نشے میں ہیں"۔تاؤ نے مجھے ٹوک دیا۔

"چیف دوسری طرف چلتے ہیں"۔

"ہم ایک اور گودام میں گئے،بجلی کے بلبوں کی روشن قطار سے پوری چھت چمک رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ سرخ رنگ کی کوئی چیز نیچے ٹپک رہی ہے۔اس سے پیشتر کہ میں کچھ کروں ایک اوراسی رنگ کی چیز چھت پر بہنے لگی۔

"یہ کیا بلا ہے؟"

"دوا ہے چیف"۔ڈاکٹر نے جواب دیا۔

" کیسی دوا؟"

"وٹامن۔ B12 امریکہ میں بنی ہے،کوالٹی بہت اچھی ہے۔انہوں نے اس کے چار کنٹینر پہلے ہی برباد کر دیئے، جو کسی اور گودام میں تھے"۔ میں نے اپنے پاؤں پر نمی محسوس کی۔ جھک کر دیکھا تو ایک سرخ رنگ کی دوا بہہ کر مختلف راستوں پر پھیل گئی ہے۔

مشین گن کا ایک اور برسٹ۔

اس کی آواز اتنی شدت سے گودام میں گونجی کہ میری آنکھوں میں درد ہونے لگا۔

تاؤ چیخا:"چیف یہاں موجود ہے، فائرنگ بند کر دو"۔ میں اور ڈاکٹر جب وہاں پہنچے وہ بدستور شور مچا رہے تھے۔تاؤ سے دو قدم پرے ایک چھوٹے قد کا آدمی، پاگلوں کی طرح ایک کریٹ سے جا ٹکرایا۔اس کا نام تو آن تھا۔اس کی آنکھیں شرابیوں کی طرح سرخ تھیں،تاؤ نے اس کا کندھا پکڑ کر زور سے ہلایا تو وہ مڑا اور اس نے ہمیں دیکھا۔

" تمہیں گولی چلانے کا حکم کہاں سے ملا ہے؟"

اس نے اپنی مشین گن دونوں ٹانگوں میں پکڑ لی۔

"چیف، یہ سب امریکی سامان ہے۔اس لئے میں اسے تباہ کر رہا ہوں"۔

"تم اندھے ہو؟ تم جانتے ہو کہ یہ کیا چیز ہے؟"

"مجھے کچھ پتہ نہیں، بس یہ جانتا ہوں کہ یہ امریکی ہے"۔

"یہ طاقت کی دوا ہے، جو خوراک کے طور پر ہسپتالوں میں مریضوں کو دی جاتی ہے"۔

"نہیں چیف، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، انہوں نے مجھے روسی انجکشن لگایا تھا۔

"لنیہ کہاں وہ ہے؟"

میں نے ان سے پوچھا جو تو آن کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"وہ سو رہا ہے چیف۔ تھکاوٹ کے مارے اس کا برا حال ہے"۔

"یہ اچھا تماشہ ہے۔ سنو تمہیں شراب کہاں سے ملی ہے؟،

"ہیڈ کوارٹرز کے کچن میں سے۔ وہاں ہر قسم کی شراب موجود ہے"۔

ان کی قابل رحم صورتیں دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا کہ ان میں لوٹ مار کی جسارت نہیں ہے۔ ہو نہ ہو کسی اور نے انہیں بہکایا ہے۔

"تمہیں کس نے کہا تھا کہ ایسی بے ہودہ حرکتیں کرو۔ اس کا نام بتاؤ گے یا کورٹ مارشل ہونا پسند کرو گے؟"

تو آن بدستور گھبرایا ہوا تھا۔ "چیف ہمیں معاف کر دو، ہم نے کوئی برا کام نہیں کیا"۔

"تمہیں یہاں کون لایا ہے؟"

"تو آن ہکلاتے ہوئے بولا۔" کھا"۔ وہ کہتا تھا۔۔۔۔۔۔"

"اچھا تو یہ سب اس احمق کا کیا دھرا ہے؟ اسے میرے پاس لاؤ"۔ اس سے پیشتر کہ سپاہی اسے لینے جائیں میرے پیچھے سے اس کی آواز آئی۔

"میں حاضر ہوں چیف"۔

وہ پیٹیوں کی پیچھے چھپا ہوا تھا۔ خوف سے اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ مگر پرسکون تھا۔

"اچھا تو یہ تم تھے؟ "اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

" کتنی شراب پی ہے تم نے؟ "میں نے اس کا منہ سونگھا تو شراب کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"تم نے اس لئے شراب نہیں پی کہ تمہارے حواس بجا رہیں اور تم مزے سے اس شر انگیزی کی قیادت کرو"۔ اس نے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں۔

"میرے پیچھے آؤ"۔

تاؤ باقی شرابیوں اور تو آن کو واپس لے گیا۔ پیچھے رہنے والے ڈاکٹر کے ساتھ آ رہے تھے۔

ہم ہوائی راستے پر پہنچے تو مغرب کی سمت زبردست آگ بھڑک اٹھی۔ شعلوں میں محصور ایک چرچ صاحب نظر آ رہا تھا۔ کہیں دور سے کلاک کی آواز آئی تو ڈاکٹر نے کہا۔

"چیف آدھی رات ہوگئی ہے"۔

"تم جا کر کچھ دیر کے لئے سوجاؤ"۔

" کھا کو اپنے ساتھ دفتر لے گیا۔ بتیاں جل رہی تھیں۔ ہوا نے میرے خطوط اور کاغذات ادھر ادھر بکھیر دیئے تھے"۔

کھا سے میں نے بیٹھنے کو کہا اور الماری سے سفید شراب کی بوتل لے آیا اور دو گلاس بھر دیئے۔

"اب ہماری باری ہے۔ اس کے بعد اگر شوٹ کرنے کے لئے کچھ نہ بچے تو ہم ایک دوسرے کو شوٹ کر سکتے ہیں"۔

"مجھے معاف کردو کو آن"۔ اس نے گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"پہلے پیو"۔ میں نے اپنا گلاس خالی کر دیا۔ اس نے بھی یہی کیا۔ اس کے چہرے پر کہیں خوف کے آثار نہیں تھے۔ حرامزادہ جانتا تھا کہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ اسی بات کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا۔

ہوآ نگ کی موت کے بعد میں اسے چاہنے لگا تھا۔ ہوآ نگ کی طرح وہ نیک دل نہیں تھا۔ بلکہ بہت چالاک، شریر اور کاہل تھا۔ یہ اور بات ہے کہ دل کا برا نہیں تھا۔ اگر ضرورت ہو تو وہ جانتا تھا کہ بگڑی ہوئی صورت حال کیسے سنبھالی جاتی ہے۔ اسے قربانی سے بھی دریغ نہیں تھا۔ جنگ میں اپنی دور بینی اور حکمت عملی کی وجہ سے اکثر وہ ہمیں خطرے سے نکال لیتا تھا۔ وہ عورتوں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے ان کے خواب دیکھا کرتا۔

"چلو یہ بوتل خالی کرتے ہیں"۔

"اگر تم چاہتے ہو تو"۔

"غالباً تم سمجھتے ہو کہ میں یہاں اس لئے ہوں کہ تمہیں تندرست اور توانا کر سکوں یا بیٹھا تمہارے کارنامے سنتا رہوں"۔

اس نے سر جھکا لیا اور اپنے گلاس سے کھیلنے لگا۔ اس کے شفاف عکس میں مجھے اپنا بچپن کروٹیں لیتا ہوا نظر آیا۔ ایک لہر ابھری جس کی کوئی انتہا، کوئی کنارہ نہیں تھا۔ نیلے گہرے آسمان پر پرندوں کی قطاریں ہیں، شکاری ان پر فائر کرتے ہیں تو وہ زخمی ہو کر گرتے ہیں۔ تمام پھول پتیوں پر ان کا خون ہے۔ بچے گھاس اور کیچڑ میں کھیل رہے ہیں، کبھی افق پر نظریں جما لیتے ہیں، جو بالکل سپاٹ ہے اور جہاں کبھی کوئی واقعہ جنم نہیں لیتا۔ ایک دقیانوسی ٹرین ہے جس کا انجن دھواں اڑا رہا ہے اور وہ Qurxote Don کے پھٹیچر گھوڑے کی طرح لڑکھڑاتی ہوئی اس ملک کی صدیوں میں کھوگئی ہے۔ ہوا کا ایک زوردار جھونکا آیا تو پردہ لگنے سے میرا گلاس فرش پر گر کر چکنا چور

ہو گیا۔

میں جا کر کھا کے پاس بیٹھ گیا۔ کھا بڑی نرمی سے بولا:

"بڑے بھائی مجھے معاف کر دو"۔

" مگر تم نے ایسا کیوں کیا؟ "اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اس میں تمہارا کیا فائدہ تھا؟"

" کچھ بھی ہو میرے لئے تو ایک ہی بات ہے"۔

"تم غلطی پر ہو، تم نے لوگوں کا نقصان کیا ہے۔ ہر وہ چیز جس کی قیمت ہم نے اپنے خون سے دی ہے وہ لوگوں کی ملکیت ہے"۔

کھا میری بات سن کر ہنس دیا۔

" مگر لوگ کہاں ہیں، کیا واقعی ان کا کوئی وجود ہے؟"

اچانک میری نظر اس کے زرد چہرے، اس کی تھکی تھکی مسکراہٹ اور اس کی ان آنکھوں پر پڑی، جن کا حوصلہ ٹوٹ چکا تھا۔ میں نے ہمیشہ اس بدمعاش کا خیال رکھا ہے مگر آج وہ مجھ ہی کو بیوقوف ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ میں غصہ پی گیا۔

"اچھا آگے بات کرو، میں سن رہا ہوں۔ ذرا نقصان کی تفصیل تو بتاؤ"۔

"تین قسموں کے Conatiner تھے، کچن میں فوج بھی تھے، جہاں تک اس شام۔۔۔۔"

"بس یہی کافی ہے، جو دوا تم نے ضائع کی ہے، وہ ہزاروں مریضوں کے علاج کے لئے کافی تھی۔ جنہیں تم Contanir کہتے ہیں، وہ ٹیلی ویژن تھے، جو ہزاروں انسانوں کے لئے تفریح مہیا کر سکتے تھے"۔

" مگر ٹیلی ویژن دیکھنے والوں کا لوگوں سے کیا واسطہ؟ لوگ جو میرا باپ ہے، میری ماں ہے، تمہارے ماں باپ ہیں، عام سپاہی نہیں"۔

" کیا بکواس کرتے ہو؟"

کھا کا ہاتھ میرے کاندھے پر تھا۔

" کو آن، سنو جب میں سترہ برس کا تھا تو میں ایک قصبے میں رہتا تھا۔ ہم نے ان کے لئے قبرستان بنانے کا فیصلہ کیا جو نو آبادیاتی طاقتوں کے خلاف مزاحمت میں مارے جاتے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ قبرستان کے لئے چندہ جمع کرنے والے آئے تو میں گھر پر تھا۔ میری ماں نے انہیں چندہ دیا۔ میں نے دیکھا کہ میری ماں نے جو نوٹ انہیں دیا ہے، اس میں چاول کے پودے پر تل جتنا ایک سوراخ ہے۔ پانچ روز بعد میری ایک کلاس فیلو نے مجھے دعوت دی کہ بازار کی سیر کرتے

ہیں۔عمر میں وہ مجھ سے چھوٹی تھی، اس کا رنگ گلابی مگر گردن ذرا موٹی تھی، وہ مجھ پر جان دیتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ پیسہ پانی کی طرح بہا رہی ہے۔ بہت قیمتی چیزیں خریدتی ہے۔مگر قیمت پر بحث نہیں کرتی، اس کا باپ شہری تنظیم کا صدر تھا۔مگر اپنے باپ کی ماہانہ آمدنی کا چھ گنا حصہ وہ ایک ہی روز میں خرچ کر دیتی تھی۔ جب اس نے پرس میں سے نوٹ نکالے تو میں نے وہ نوٹ پہچان لیا، جو میری ماں نے دیا تھا"۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔ وہ بھی چپ ہو گیا۔ہم دونوں ایئر سٹرپ پر چلنے والی ہوائی سیٹیوں جیسی آوازیں سن رہے تھے۔کچھ دیر بعد میں نے کہا:

" کھا،تم نے مجھے الجھا دیا ہے"۔

"میں نے بہت سوچا ہے"۔ باتیں بھی بہت سنی ہیں مگر خیال ہے کہ عوام کے وجود کا، ان کے ہونے کا اعتراف اس وقت کیا جاتا ہے جب ان کے بغیر کام نہیں چلتا۔ چاول اگنے ہوں تو انہیں بیل کی طرح ہل میں جوت دیا جاتا ہے، جان دینے کا موقعہ ہو تو رائفل ان کے ہاتھ میں تھما دی جاتی ہے۔مگر جب ان کی محنت اور ایثار سے کامیابی حاصل ہوتی ہے تو اس کامیابی کے جشن میں عوام کا کہیں نشان نہیں ملتا وہ کالعدم ہو جاتے ہیں"۔

اس کی باتیں سن کر میں چکرا گیا۔اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"تم میرا کورٹ مارشل کر سکتے ہو،لیکن میں نہیں بدلوں گا"۔

"خرابی یہ ہوئی ہے کہ میں نے سچ جان لیا ہے۔اب میں پہلے جیسا نہیں رہا"۔

یہ کہہ کر اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ بدمعاش، اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ مجھے اس کے ہاتھوں کی سفیدی یاد آ گئی، جب وہ انہیں غار میں آگ پر تاپ رہا تھا، مجھے اس کا وہ سوکھا سا جسم یاد آ گیا، جسے ملیریا نے سخت کمزور کر دیا تھا اور مجھے یاد آ گیا کہ۔۔۔۔۔۔ میرا اپنا جسم لکڑی کی طرح اکڑ گیا، میں کانپنے لگ گیا۔ میں چیخا۔

"چلے جاؤ یہاں سے، تمہیں گولی مار دینی چاہیے"۔

کھا اٹھا اور خاموشی سے چلا گیا۔

میں اکیلا رہ گیا۔ ہوا کاغذات بکھیرتی ہوئی کمرے سے گزر رہی تھی۔ میں نے پیپر ویٹ اٹھا لیا اور اس سے کھیلنے لگا۔

مجھے سردی لگ رہی تھی۔مگر اس کی وجہ ٹھنڈی ہوا نہیں تھی۔ بلکہ اس سردی کا ذریعہ کوئی اور تھا ہوا میری گودے سے خالی ہڈیوں میں بھر گئی تھی۔اس سردی کی شدت برفوں اور برساتوں کے تمام موسموں سے کہیں زیادہ تھی۔

مرغ کی آواز سن کر میں کمرے سے باہر نکلا اور اسے ڈھونڈھنے لگا۔ رات بھر میں جاگتا رہا تھا۔ ایک منٹ کے لئے بھی آنکھ نہیں لگی تھی۔ اتنی دیر میں میرا اپنا لائیزن ایجنٹ آ گیا۔ "چیف تم بہت سویرے جاگتے ہو، مجھے چائے بنا دو"۔

وہ صحیح معنوں میں سرگرم اور گرمجوش تھا۔ اٹھارہ سال کا تھا اور بھرتی ہوا ہی تھا۔ اس نے بھوک پیاس نہیں دیکھی تھی۔ اسے عورتوں کی خواہش تھی، نہ اسے گھر یاد آتا تھا۔ میرا پرانا لائیزن ایجنٹ "نارتھ سٹار " کی جنگ میں مارا گیا تھا۔ میں ایئر سٹرپ سے ہوتا ہوا آگے گیا تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے میری طبعیت بحال کر دی۔

"چیف، چائے تیار ہے"۔

"اچھا تو اندر آ جاؤ"۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ میرا دل بوجھل تھا۔ جب بھی میں تھائی کے ساتھ چائے پیتا میرا دل اداس ہو جاتا تھا۔ میں نے کھا کو ڈانٹا تو سہی مگر میں جانتا تھا کہ وہ سچ کہتا ہے۔

" کمانڈر کے حکم کے مطابق یونٹ کو شام سات بجے روانہ ہونا ہے، میں دوپہر کے وقت انہیں تازہ کھانا دوں گا"۔ تھائی کہہ رہا تھا۔

"بہت اچھا، ہم جلدی کھانا کھا لیں گے"۔ ڈنر ساڑھے چار بجے۔ ہمیں مارچ میں آسانی ہو گی۔

"پلاٹون کے لیڈروں کے لئے کوئی خاص احکامات؟"

"نہیں"۔

تھائی نے اپنی چائے ختم کی اور روانہ ہو گیا۔ میں اپنے وسوسوں اور خوف کا عذاب سہتا ہوا تنہا رہ گیا۔ صحن میں سپاہیوں کے آنے جانے کی آواز آ رہی تھی۔ سب سرگرم ہو گئے تھے۔ میں تنہا تھا اور پریشان تھا۔ تھا کی کہانی نے مجھے اور الجھا دیا۔ میری بزدلی، شکوک وشبہات کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ تھا جنگ کی مصیبتیں اور محرومیاں سہتا ہوا ہم سب کی طرح بے جگری سے لڑا تھا۔ میری پرانی کمپنی کے بچ جانے والے آخری بارہ ساتھیوں میں سے تھا۔ اس لانگ مارچ میں اس نے نہ تو کبھی فتوحات کے خواب دیکھے اور نہ ہی کبھی مال غنیمت کی توقع رکھی تھی۔ فتوحات کے جھمیلوں سے قطع نظر، اسے یقین تھا کہ وہ ایک دن اس زندگی کی طرف لوٹ جائے گا، جو ہمیشہ سے ہے۔ جب وہ چاول کے کھیتوں میں کیچڑ سے لت پت کام کر رہا ہو گا۔

☆ ☆ ☆

فتح کا جشن جاری تھا، جام پر جام لنڈھائے جا رہے تھے۔ میں نے ظاہر کیا کہ میں نے کھا کو

MashalBooks.org

نہیں دیکھا۔ مگر میں جانتا تھا کہ وہ اپنی نظریں مجھ پر جمائے ہوئے ہے۔ میری شکل قابل رحم ہو گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میرے چہرے، میرے زرد اور غمناک چہرے پر اس بچے جیسی پریشانی دیکھ رہا ہوگا، جسے پہلی دفعہ اندھیرے میں چھوڑ دیا گیا ہو۔ الو کا پٹھا، اسے یہ جرات کیوں ہوئی کہ وہ مجھے ان نظروں سے دیکھے۔ مگر میں نے بھی تو اسے بڑی آسانی سے چھوڑ دیا تھا۔ مجھے چاہیئے تھا کہ میں اسے اس کے کئے کی پوری سزا دیتا۔ میں نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی اور ایک نظر مہمانوں پر ڈالی تو دیکھا کہ تھا مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ اس کی مسکراہٹ اداس مگر بھرپور تھی۔ وہ ایک ایسے شخص کی طرح پریشان تھا جو وقت سے پیچھے رہ گیا ہو۔

جشن جاری تھا، ان کا جوش و خروش اپنی انتہا پر تھا۔ باہر گاڑیوں کی دیکھ بھال اور مرمت جاری تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ شام سے پہلے ہمیں یہاں سے لے جائیں۔ اچانک محسوس ہوا کہ کھا اور میں ہم دونوں ہیں مگر باقی لوگ جا چکے ہیں۔ شاید اس لئے کہ ہم دونوں کی سوچ ایک ہے اور درد مشترک ہے۔

صبح ہونے والی تھی۔ ہماری گاڑیاں آگے بڑھ رہی تھیں۔ سڑک ہمارے سازوں سامان، ہمارے ہتھیاروں اور گاڑیوں وغیرہ سے بھری پڑی تھی۔ کوڑے کے ڈھیر اس کے علاوہ تھے۔

"ڈیلٹا کی طرف بڑھو، ڈیلٹا کی طرف"۔ سب نے نعرہ دہرایا۔

"ڈیلٹا کی طرف بڑھو"۔ میرے پیچھے آنے والا زور سے ہنسا۔

"برسوں سے، ہم جنگل میں چوہوں کی طرح دفن ہیں، اب حرامزدو تمہاری باری ہے"۔

ایک چوک سے گزرتے ہوئے ٹرکوں کا ایک قافلہ ہماری بائیں طرف سے نمودار ہوا۔ سفید رنگ کی ایک جیپ سڑک پر کھڑی تھی۔ جسے دشمن فوج چھوڑ گئی تھی، اس کے ٹائیر بالکل بے کار ہو چکے تھے۔ ہمارے سپاہی چیخے:

"ٹینکوں والے ساتھیو اسے کچل دو"۔

ایک ٹینک کمانڈر اندر چلا گیا۔ ٹینک آہستہ آہستہ جیپ کی طرف مڑا اور اسے کچلنے کے لئے آگے بڑھا۔

"شاباش، شاباش تم لوگ عظیم ہو"۔

میں پرے ہٹ گیا، میری نظر تھا، پر پڑی، وہ مسکرا رہا تھا۔ میرے سپاہی شور مچا رہے تھے اور ہاتھ ہلا ہلا کر ٹینکوں کو رخصت کر رہے تھے۔ ٹینک اپنے راستے پر چلے گئے تو ہم نے بھی اپنا سفر شروع کیا۔ شور و ہنگامے کے باوجود میری آنکھ لگ گئی۔ اپنی نیند میں بھی میں آنے والی جنگ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ پچھلی لڑائیوں کی نسبت آنے والی لڑائی بہت کم خطرناک ہوگی۔ دشمن پسپا ہو رہا تھا۔ اس بری طرح پسپا ہوتے ہوئے معمولی سی مزاحمت بھی ان کے لئے

ممکن نہ تھی۔ مجھے یقین تھا کہ ہم جیتیں گئے۔

جنگ میں وہی ہوا جس کی توقع تھی۔ جنگ کیا، ہمارے لئے تو وہ ایک پریڈ تھی، ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنی آسانی سے جنگ جیت جائیں گے۔ پچھلے دس سال کی لڑائیوں کے مقابلے میں تو یہ جنگ محض ایک تماشہ تھی۔

"چیف، چیف۔۔۔۔۔وہ کیا ہے؟"

"قیدیوں میں ایک امریکی بھی ہے۔ وہ پوچھ رہے ہیں کہ اس کا کیا کریں؟"

"عجیب بات ہے، امریکی تو دو سال پہلے یہاں سے چلے گئے تھے"۔

"چیف وہ بہت بھاری ہے۔ اس کا قد بھی بڑا ہے، ہمیں اس کی زبان سمجھ میں نہیں آتی"۔

"اسے یہاں لاؤ"۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ امریکی قیدی لے آئے، اس کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور کم از کم چار سپاہیوں نے اس پر رائفلیں تانی ہوئی تھیں۔

"کمپنی میں کوئی شخص انگریزی جانتا ہے؟"

"چیف، جب ہم نے اسے گرفتار کیا تھا تو تھائی نے سب سے پوچھا تھا۔ مگر یہاں انگریزی کوئی نہیں جانتا"۔

"اسے کھول دو"۔

اسے کھول دیا گیا تو اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ جس کا مطلب یقیناً شکریہ ہوگا۔ سویابین کی کونپل جیسا اس کا رنگ تھا۔ وہ بہت دیر تک بولتا رہا اور سمجھاتا رہا کہ وہ فوجی نہیں، بلکہ صحافی ہے یا شاید فوٹوگرافر ہے۔ اس کی آنکھیں نیلی اور رنگ سفید تھا۔ رنگ و نسل کا یہی امتیاز ایک زمانے سے نسلی منافرت کی بنیاد بنا۔ ہمارے بزرگ یہی نفرت حملہ آوروں کے خلاف اپنے دلوں میں رکھتے تھے۔ اسی نفرت کا اظہار ان کے تیروں اور تلواروں کے ذریعے ہوا۔ اسی طاقت کے ذریعے ہم نے B41 اور B40 راکٹ چھوڑے اور اسی نے ہماری سنگینوں میں جان ڈال دی۔

"ہم اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں"۔ ایک سپاہی بولا۔

"ہوسکتا ہے کہ یہ جاسوس ہو، اسے قید میں ڈال دو"۔ دوسرے نے کہا۔

"قید میں؟ تو اس کی نگرانی کون کرے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اسے گولی ماردو"۔

"یہ اچھا فیصلہ ہے چیف، اس سے نجات حاصل کریں"۔

قیدی ان سپاہیوں کو مسکرا کر دیکھ رہا تھا جو اس کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ شاید وہ سمجھتا تھا

کہ ہم اس پر بحث کر رہے ہیں کہ ڈنر میں اس کی تواضع کن کھانوں سے کی جائے۔احمق کہیں کا۔ اس کا تن وتوش بالکل بائین جیسا تھا۔میری طرف دیکھ کر وہ بیوقوفوں کی طرح مسکراتا رہا۔اچانک میری نفرت ختم ہوگئی،کوئی اور وقت ہوتا تو میں اس کی گلابی چمڑی اور سنہرے بال دیکھتے ہی اسے گولی مار دیتا۔غیر ملکی حملہ آور۔ہم اپنے وقار کو نفرت سے جوڑتے رہے اور بربادی کو بقا سمجھتے رہے۔

" کوئی فیصلہ کرو چیف،لوگ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔"

ان میں سے ایک سپاہی نے آہستہ سے کہا۔ چیف یہ یانکی صرف گوشت کھاتے ہیں۔ہم سے کھلائیں اور اپنے ساتھیوں کو بھوکا ماریں،مجھے حکم دو ایک لمحے میں سارا کھیل ختم ہو جائے گا"۔

قیدی آنکھیں جھپکا رہا تھا۔اچانک میں نے ایک سبز پہاڑی کا تصور کیا،جہاں یہ نوجوان اپنی محبوبہ سے باتیں کر رہا ہے،گھاس میں لوٹ رہا ہے۔شاید وہ شہر کی رہنے والی ہو یا گاؤں کی ہو۔ ہماری لڑکیوں کی طرح،اس کا نام فلاور پیس،گلوری یا سمین کچھ بھی ہو سکتا ہے۔اس شخص نے وہ سب کچھ چھوڑ کر فوجی وردی پہن لی ہے،تاکہ آزادی کی حفاظت کر سکے۔اپنی ڈائری میں اس کے متعلق پر جوش باتیں لکھ سکے۔شاید اسے بھی اپنے متعلق کوئی بڑی غلط فہمی ہو کہ آگ اور شعلوں کے پس منظر میں اپنی چھاتی پر میڈل سجائے صبح تک مارچ کرے۔

"چیف کھانے کا وقت ہو گیا ہے،ہمیں بھوک لگی ہے،کوئی فیصلہ کرو"۔

"میرے خدا،تم لوگ کتنے سادہ دل ہو"۔میں نے سرد مہری سے کہا:

"جنگ ختم ہو چکی ہے،اب ہم جنگل میں نہیں ہیں،میرے سمیت ہر اس شخص کا کورٹ مارشل ہو سکتا ہے جو قیدیوں کے حقوق کا احترام نہ کرے"۔میں یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔وہ خاموشی سے اس امریکی کو دھکے دیئے بغیر وہاں سے لے گئے۔

میں اپنے دفتر واپس آ گیا،مجھے مکڑی کے جالے کا خیال آیا جو ہوا میں لٹکا رہتا ہے۔اس چھین چھپائی،اس لکن مٹی کا کھیل جسے جنگ کہتے ہیں۔کتنی ہی مرتبہ میں نے شاخوں سے لٹکی لاشیں دیکھی ہیں،جن کی آنکھیں نکال لی گئی تھیں۔دو نیم لاشیں اور کٹے ہوئے انسانی اعضا۔۔۔۔اس وقت بھی جبکہ توپیں ہماری فتح کا اعلان کرتی ہیں۔کوے ان لاشوں پر کائیں کائیں کرتے ہیں۔جنہیں دفنانے کا وقت ہمارے پاس نہیں تھا۔

شام ہو چکی ہے۔شہر میں روشنیاں جھلملا رہی ہیں۔موم بتیوں کے بنڈل میرے سپاہیوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں،وہ انہیں مختلف جگہوں پر روشن کر کے لگا رہے ہیں۔کچن ٹیم کے ہاتھ ایک

زمین دوز شراب خانہ لگ گیا ہے، جہاں سے وہ بوتلیں لے کر ایک بڑے ٹب میں ڈال رہے ہیں، جس کا دل چاہتا ہے جی بھر کے شراب پیتا ہے، کھانے کی میزوں پر کئی قسم کے کھانے ہیں۔ ڈبہ بند کھانوں کے ڈھیر لگے ہیں، ان میں امریکی اور روسی مچھلی ہے۔ چینی گوشت اور سیب ہیں کھانا بہت دیر تک چلتا رہا۔ تھائی میرے ساتھ بیٹھا تھا۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے سر جھکا لیا اور اپنے آنسو پوچھنے لگا۔ یقیناً وہ اپنے بھائی کے متعلق سوچتا ہوگا۔

میں اسے دلاسہ دینا چاہتا تھا۔ مگر میں نے کچھ نہیں کہا۔ مجھے اپنے بھائی کا خیال آ گیا۔ اس کا خیال آتا ہے تو پھر میں اور کسی کے متعلق نہیں سوچتا۔ مجھے ایک چہرہ یاد ہے، جس کا کوئی نام نہیں جو ابھی زندہ ہے اور میرے ماضی کے سیلاب میں سے ابھر کر سامنے آتا ہے، پندرہ سال ہو چکے ہیں، وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔

"ہم کب روانہ ہو رہے ہیں؟ "تھائی نے پوچھا۔

"احکام کا انتظار کرتے ہیں"۔

"اس تمام عرصے میں ہماری کمپنی نے اہم لڑائیوں میں فرنٹ لائن کا کردار ادا کیا ہے؟"

میں ہنستا ہوں۔ "ہر چیز بدل جاتی ہے، ہمارے پرانے ساتھیوں میں سے، اب صرف بارہ ساتھی باقی رہ گئے ہیں، باقی تو سب اناڑی ہیں، انہیں آگ میں دھکیلنے سے کیا حاصل ہوگا"۔

" مگر کوآن یہ افسوسناک بات ہے"۔

"بس فتح کا نشہ اتنی دیر ہی رہتا ہے"۔

"اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟"

" مجھے کیا پتہ۔ ہم سب ایک ہی گلے کی بھیڑیں ہیں"۔

تھائی ذرا سی دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

"ہماری کمپنی کو ہیروز میڈل ملا ہے۔ ہم۔۔۔۔۔۔ تم اور میں۔ جلد ہی ہماری ترقی ہوگی"۔

میں کوئی جواب نہیں دیتا۔ اس کی آواز میرے کانوں میں گونجتی ہے۔ مگر میں کسی پل کے نیچے بہنے والے پانی کی آواز سنتا ہوں۔ چاول کے کھیتوں کی سرگوشیاں سن سکتا ہوں وروہ سدا بہار گیت جو کھیتوں، کھلیانوں، دیہات کی خاموشی اور تنہائی سے بلند ہوتا ہے۔

ایک المناک اور ماتمی دھن، جسے ہم نے گٹار کے تاروں میں کھو دیا ہے۔ ہفتوں، مہینوں اور برسوں پر پھیلی ہوئی دھن، میرے سپاہی صبح یخ بستہ ہے، تم گولیوں کی بوچھاڑ میں گر جاتے ہو اور میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا خون پیراشوٹ کے سفید رنگ کپڑے پر پھیل رہا ہے۔

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org